www.pklibrary.net

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

واٹس ایپ
0317 2266944

بانی: محمود ریاض
مدیرِ منتظم — آسیہ ریاض
مدیرہ — رضیہ جمیل
مدیرِ خصوصی — امت الصبور
فلم ٹیلی وژن — شاہین رشید
قانونی مشیر — نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

جون 2025
جلد 38 شمارہ 10
قیمت 150 روپے

پہلی شعاع، 8
حمد، غلام مصطفیٰ نعیمی 9
نعت، امام احمد رضا بریلوی 9
نبی ﷺ کی باتیں، ادارہ 10

سروے

عیدالاضحیٰ کے رنگ، ادارہ 22

انٹرویو

جب تجھ سے ناتا، م-ش 15
احمد رضا میر سے ملاقات، شاہین رشید 18

ناول

دھوپ دریچہ، مریم عزیز 34

مکمل ناول

چاند کی عید، افشاں آفریدی 72
چاندی کے گھر، ایمن علی 114
ماہ الملوک، نگہت سیما 148

افسانے

کہکشاں جگمگ، قانتہ رابعہ 61
گل بہار کی عید، حمیرا شفیع 64
قربانی سے پہلے قربانی، مریم طاہر 107
کیا بتے گا تیرا شیبا، نازنین فردوس 141
یہ رسمیں، مریم انصاری 175

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

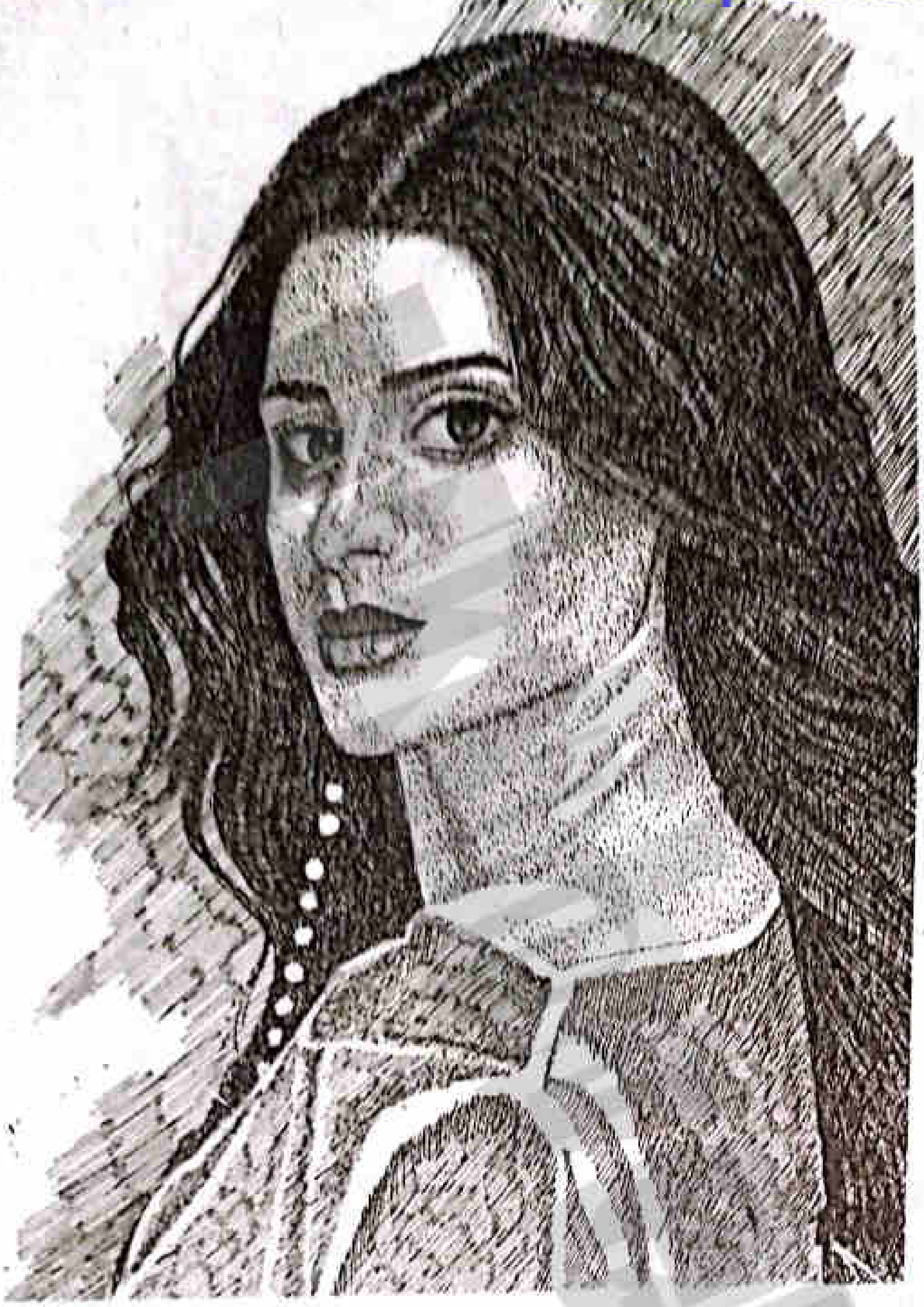

زر سالانہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک

پاکستان (سالانہ) ——— 1,800 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ — 25000 روپے

سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں

subscriptions@khawateendigest.com

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

ناولٹ

بس وفا کے لیے ، دانیہ سمیع

نفیس غزلیں

غزل ، سیف الدین سیف

غزل ، کومل جوئیہ 196

مستقل سلسلے

خط آپ کے ، ادارہ 28

باتوں سے خوشبو آئے ، شگفتہ جاہ 200

مسکراہٹیں ، ادارہ 197

کھلتا کسی پہ ، واصفہ سہیل 199

گوشت کے پکوان ، واصفہ سہیل 207

تاریخ کے جھروکے ، امت الصبور 202

خوبصورت بننے ، ادارہ 210

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ شعاع

37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872

Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

پہلی بات

شعاع جون کا شمارہ لیے حاضر ہیں

مئی کا مہینہ پاکستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ 28 مئی 1998ء کو پاکستان نے ایٹمی دھماکے کر کے دنیا کو بتا دیا تھا کہ پاکستان کو کمزور نہ سمجھا جائے۔ پاکستان ناقابل تسخیر ہے۔

ایک بار پھر مئی کے مہینے میں پاکستان نے ایک انمٹ تاریخ رقم کر دی ہے۔ بھارت کو منہ توڑ جواب دے کر پاکستان نے پوری دنیا کو حیران و ششدر کر دیا ہے۔

ایک ایسے وقت میں جب پاکستان اندرونی اور بیرونی سازشوں میں الجھا ہوا تھا۔ معاشی لحاظ سے کمزور تھا۔ ہمارے ازلی دشمن بھارت نے پہلگام میں ہونے والی دہشت گردی کو بہانا بنا کر پاکستان پر حملہ کر دیا۔ بھارت اپنی فوجی طاقت اور جدید اسلحہ کے زعم میں مبتلا تھا۔ لیکن 10 مئی کو پاک فوج نے وہ جواب دیا کہ بھارت کا سارا غرور و تکبر خاک میں مل گیا۔ عالمی میڈیا نے بھی پاک فوج کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا ہے۔

پاکستانی عوام کی طرف سے بھی حیرت انگیز ردعمل سامنے آیا۔ وہ سارے اختلاف بھلا کر ایک پرچم کے سائے تلے متحد ہو گئے اور بے مثال جوش و جذبے کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے ثابت کر دیا کہ ہم ایک غیرت مند اور غیور قوم ہیں۔

عیدالاضحیٰ کی آمد آمد ہے۔ عیدالاضحیٰ قربانی کے ایک عظیم واقعہ کی یاد میں منائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ایک بڑی آزمائش سے گزارا ان سے ان کے لخت جگر، عزیز فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی طلب کی۔ باپ بیٹے نے اللہ کی رضا کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا انعام انہیں یہ دیا کہ قیامت تک کے لیے صاحب استطاعت مسلمانوں کے لیے لازم کر دیا کہ ہر سال قربانی کر کے اس واقعہ کی یاد تازہ کریں۔

قارئین کو عیدالاضحیٰ مبارک

ہماری دعا ہے کہ یہ عید آپ سب کے لیے، ہمارے لیے خوشیاں لے کر آئے۔ آمین

اس شمارے میں

- ☆ نگہت سیما کا مکمل ناول......ماء الملوک
- ☆ چاندی کے گھر......ایمن علی کے ناول کی دوسری اور آخری قسط
- ☆ قانتہ رابعہ، حمیرا شفیع، مریم انصاری، نازین فردوس اور مریم طاہر کے افسانے
- ☆ دانیہ سمیع کا ناولٹ......بس وفا کے لیے ☆ مریم عزیز کا ناول......دھوپ دریچہ
- ☆ احد رضا میر سے ملاقات ☆ افشاں آفریدی کا مکمل ناول......چاند کی عید
- ☆ عیدالاضحیٰ کے رنگ......قارئین سے سروے
- ☆ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں

حمد باری تعالیٰ

جاری خدا کا نام ہوا زبان سے
آواز آئی بندے میرے لامکاں سے

کیوں نہ رہوں میں ذات خدا سے امیدوار
لاتقنطو کا امر ہے آیا قرآن سے

رونق دوبالا ہو گئی حرم جلیل کی
لات و منات نکلے خدا کے مکان سے

سرکار دو جہاں بھی تھے مانگتے پناہ
ستر دفعہ ہر روز ہی رب جہان سے

تیرے لیے ہیں خوشیاں ہر شان آن بان
محفوظ رکھنا یا خدا ہر امتحان سے

غلام مصطفیٰ نعیمی

نعت رسول مقبول ﷺ

ان کی مہک نے دل کے غنچے کھلا دیے
جس راہ چل گئے ہیں، کوچے بسا دیے ہیں

جب آ گئی ہیں جوش رحمت پہ ان کی آنکھیں
جلتے بجھا دیے ہیں، روتے ہنسا دیے ہیں

اک دل ہمارا کیا ہے، آزار اس کا کتنا
تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلا دیے ہیں

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو
جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے
اب تو غنی کے در پہ بستر جما دیے ہیں

اسرا میں گزرے جس دم بیڑے پہ قدسیوں کے
ہونے لگی سلامی، پرچم جھکا دیے ہیں

آنے دو یا ڈبو دو، اب تو تمہاری جانب
کشتی تمہیں پہ چھوڑی، لنگر اٹھا دیے ہیں

دولہا سے اتنا کہہ دو، پیارے سواری روکو
مشکل میں ہیں براتی، پرخار بادیے ہیں

اللہ کیا جہنم اب بھی نہ سرد ہوگا
رو رو کے مصطفیٰ نے دریا بہا دیے ہیں

میرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیے ہیں، دُربے بہا دیے ہیں

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آ گئے ہو، سکے بٹھا دیے ہیں

امام احمد رضا خان بریلوی

پیارے نبی کی پیاری باتیں

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو چتکبرے اور سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی دیا کرتے تھے اور (ذبح کرتے وقت) بسم اللہ اور تکبیر پڑھتے تھے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی گردن پر قدم مبارک رکھ کر اپنے ہاتھ سے انہیں ذبح کرتے دیکھا۔"

فوائد ومسائل:۔

1۔عیدالاضحیٰ کے موقع پر صاحب استطاعت کو کم از کم ایک بکرا، مینڈھا، گائے یا اونٹ کے ایک حصے کی قربانی کرنا ضروری ہے۔

2۔ایک سے زیادہ جانوروں کی قربانی بھی جائز بلکہ افضل ہے۔

3۔گھر کے فرد کو اپنے ہاتھ سے قربانی کا جانور ذبح کرنا چاہیے تاہم کوئی دوسرا شخص بھی ذبح کر سکتا ہے۔

4۔قربانی کا جانور عمدہ اور خوب صورت ہونا چاہیے۔

5۔قربانی کے جانور کو ذبح کرتے وقت دعا پڑھنا مسنون ہے۔

6۔ذبح کرتے وقت جانور کے جسم پر پاؤں رکھنے کا مقصد یہ ہے کہ جانور قابو میں رہے اور بھاگنے کی کوشش نہ کرے۔

امت سے محبت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قربانی کرنا چاہتے تو دو بڑے بڑے موٹے تازے، سینگوں والے چتکبرے اور خصی مینڈھے خریدتے، ایک اپنی امت کی طرف سے ذبح فرماتے، یعنی امت کے ہر اس فرد کی طرف سے جو اللہ کی توحید کی گواہی دیتا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام پہنچانے (اور رسول ہونے) کی گواہی دیتا ہو۔ اور دوسرا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کی طرف سے ذبح کرتے۔

فوائد ومسائل:۔

1۔قربانی کے جانور عمدہ ہونے چاہئیں۔

2۔جانور ظاہری شکل وصورت میں بھی اچھا ہونا چاہیے اور موٹا تازہ اور صحت مند بھی۔

3۔خصی جانور کی قربانی درست ہے۔اسے عیب شمار نہیں کیا جاتا۔

4۔گھر کے تمام افراد کی طرف سے ایک جانور کی قربانی کافی ہے۔

5۔کسی اور کی طرف سے قربانی کرنا درست ہے۔

قربانی واجب ہے یا نہیں؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جس کے پاس (قربانی کرنے کی) گنجائش ہو اور وہ قربانی نہ کرے تو اسے چاہیے کہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے۔"

فوائد ومسائل:۔

1۔اس حدیث سے بظاہر قربانی کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن دوسرے دلائل سے اس کا استحباب واستنان معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے محدثین نے ان سارے دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ قربانی سنت موکدہ ہے۔ یعنی ایک اہم اور موکد حکم ہے فرض نہیں۔ تاہم استطاعت کے باوجود اس سنت موکدہ سے گریز کسی طرح بھی صحیح نہیں۔

2۔قربانی مسلمانوں کی اجتماعیت کا مظہر ہے اور اس سے آپس کے تعلقات بہتر ہوتے ہیں۔

3۔قربانی نہ کرنے والا مسلمانوں کی خوشیوں میں شریک ہونے کا حق نہیں رکھتا۔ تاہم اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسے نماز عید پڑھنے کی ضرورت نہیں بلکہ مقصد اسے تنبیہ کرنا ہے تا کہ وہ قربانی ترک نہ کرے۔

قربانی واجب ہے

حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ ”کیا قربانی واجب ہے؟“

انہوں نے فرمایا۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمان قربانی دیتے رہے اور یہی طریقہ جاری ہے۔“

حضرت جبلہ بن سحیم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے یہی سوال کیا اور انہوں نے یہی جواب دیا۔

قربانی کا ثواب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”قربانی کے دن آدم کا بیٹا کوئی ایسا عمل نہیں کرتا جو اللہ کو خون بہانے (جانور کی قربانی کرنے) سے زیادہ محبوب ہو۔ وہ (جانور) قیامت کے دن اپنے سینگوں، کھروں اور بالوں سمیت آئے گا (اور نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا۔ قربانی (کے جانور) کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ کے ہاں (قبولیت کا) مقام حاصل کر لیتا ہے، اس لیے خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔“

ہر بال کے بدلے نیکی

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے کہا۔

”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ قربانیاں کیا ہیں؟“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

”تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہیں۔“

انہوں نے کہا۔ ”اس میں ہمارے لیے کیا (ثواب) ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ”ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔“

انہوں نے کہا۔ ”اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اور اون؟“

فرمایا۔ ”اون کے بھی ہر بال کے بدلے نیکی ہے۔“

کون سی قربانی مستحب ہے؟

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سینگوں والے نر مینڈھے کی قربانی دی۔ وہ سیاہی میں کھاتا، سیاہی میں چلتا اور سیاہی میں دیکھتا تھا۔“

فوائد و مسائل:

1۔قربانی کا جانور دیکھنے میں بھی خوب صورت ہونا چاہیے۔

2۔”نر“ سے مراد یہ ہے کہ وہ خصی نہ تھا۔

3۔نر اور خصی دونوں قسم کا جانور قربانی میں دینا جائز ہے۔

4۔سیاہی میں کھانے، چلنے اور دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا منہ بھی سیاہ تھا۔اس کے پاؤں بھی کالے تھے اور اس کی آنکھوں کے اردگرد کی جگہ بھی سیاہ تھی۔اس طرح کا مینڈھا خوب صورت سمجھا جاتا ہے۔نیز دیکھنے میں بھی خوب صورت اور بھلا لگتا ہے۔

بہترین قربانی

حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''بہترین کفن وہ ہے جو ایک رنگ کی دو چادروں پر مشتمل ہو اور بہترین قربانی سینگوں والا مینڈھا ہے۔''

اونٹ اور گائے (کی قربانی) کتنے افراد کی طرف سے کفایت کرسکتی ہے؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،انہوں نے فرمایا۔''ہم لوگ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ عیدالاضحیٰ آگئی۔چنانچہ ہم نے دس دس آدمیوں کی طرف سے ایک ایک اونٹ اور سات سات آدمیوں کی طرف سے ایک ایک گائے مشترکہ طور پر ذبح کی۔''

دو دانت کا جانور

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''دو دانت کے سوا کوئی جانور (قربانی میں) ذبح نہ کرو،سوائے اس کے کہ تمہارے لیے (دو دانت کا جانور تلاش کرنا) مشکل ہوجائے تو بھیڑ کا جذعہ ذبح کردو۔''

فوائد ومسائل:۔

1۔علامہ البانی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جذعہ سے مراد بھیڑ کا جذعہ ہے۔بکری کا جذعہ نہیں۔

2۔حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ نے نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کرلیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''یہ گوشت کی بکری ہے۔(قربانی کی نہیں۔'')

انہوں نے کہا۔''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے پاس ایک بکری کا جذعہ ہے۔(کیا میں اس کی قربانی دیدوں؟)''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''قربان کردو لیکن تمہارے سوا کسی اور کے لیے درست نہیں۔''

علامہ البانی نے اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی روشنی میں بکری کا جذعہ ذبح کرنے کی اجازت نہیں، البتہ حضرت مجاشع رضی اللہ عنہ کی حدیث کی روشنی میں بھیڑ کا جذعہ (ایک سال کا بچہ جس کے دانت نہ ٹوٹے ہوں) جائز ہے اور یہ جواز اس شرط کے ساتھ مشروط نہیں کہ وہ دو دانتا (مسنہ) دستیاب نہ ہو، بلکہ مطلق جائز ہے۔واللہ اعلم

جس جانور کی قربانی دینا مکروہ ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،انہوں نے فرمایا۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانور کو ذبح کرنے سے منع فرمایا ہے۔جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو، یا جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو، یا جس کا کان چرا ہوا ہو، یا جس کے کان میں (گول سوراخ ہو، یا اس کا ہونٹ کٹا ہوا ہو۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا۔''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم (قربانی کے جانور کی) آنکھیں اور کان اچھی طرح دیکھ لیا کریں۔''

فوائد ومسائل:۔

1۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جانور کے کان

سلامت ہونے چاہئیں۔

2۔آنکھیں دیکھ لینے کا مقصد یہ ہے کہ جانور کی دونوں آنکھیں سلامت ہوں۔جس کو ایک آنکھ سے نظر نہ آتا ہو اس کی قربانی درست نہیں۔

3۔قربانی کا اصل مقصد اللہ کے لیے اچھی چیز قربان کرنا ہے۔اس لیے بے عیب جانور ذبح کرنا چاہیے۔گوشت کھانا یا غریبوں کو کھلانا ایک اضافی فائدہ ہے۔اصل مقصد نہیں،ورنہ آنکھ یا کان کا عیب گوشت کھانے کے مقصد میں رکاوٹ نہیں بنتا۔

عیب والے جانور کی قربانی جائز نہیں

حضرت عبید بن فیروز رحمۃ اللہ سے روایت ہے،انہوں نے فرمایا۔"میں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کہا۔"مجھے بتایے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے کس جانور کو ناپسند کیا ہے یا اس سے منع فرمایا ہے؟"

انہوں نے فرمایا۔"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کیا۔اور میرا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے کوتاہ ہے۔(اور فرمایا)

"قربانی میں چار جانور جائز نہیں،وہ کانا جانور جس کا کانا پن واضح ہو،بیمار جانور جس کی بیماری واضح ہو،لنگڑا جس کا لنگڑا پن ظاہر اور دبلا جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو۔"

عبید بن فیروز نے کہا"میں تو پسند نہیں کرتا کہ اس کے کان میں نقص ہو۔"

حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔"جو چیز تمہیں پسند نہیں،اسے چھوڑ دو لیکن اسے کسی پر حرام نہ کرو۔"

فوائد و مسائل:۔

1۔معمولی عیب جو گہری نظر سے دیکھے بغیر محسوس نہ ہو،قربانی میں رکاوٹ نہیں۔

2۔محمد فواد عبدالباقی نے یوں اس کی تشریح کی ہے۔"جس کی ٹانگ ٹوٹی ہو اور وہ چلنے سے عاجز ہو۔"(حاشیہ سنن ابن ماجہ)لیکن یہ صورت لنگڑا ہونے میں شامل ہے۔نواب وحید الزمان خان نے اس کا ترجمہ"دبلی"کیا ہے۔وہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

3۔حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی رائے میں کان کٹا یا پھٹا ہوا ہونا ایسا عیب نہیں،جو قربانی سے مانع ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جانور کی قربانی دینے سے منع فرمایا جس کا سینگ ٹوٹا ہوا یا کان کٹا ہوا ہو۔

اگر قربانی کا جانور صحیح سلامت خریدنے کے بعد اس میں عیب پیدا ہو جائے تو؟

حضرت ابو سعید خذری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے،انہوں نے فرمایا۔"ہم نے قربانی کے لیے ایک مینڈھا خریدا۔بھیڑیا اس کے سرینوں(کولہوں)اور کان سے کچھ حصہ کاٹ کر لے گیا۔ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے(مسئلہ)دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ اس کی قربانی کر دیں۔"

گھر والوں کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کرنا

حضرت عطا بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے،انہوں نے فرمایا میں نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں تم لوگوں میں قربانیاں کس طرح ہوتی تھیں؟

انہوں نے فرمایا۔"نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر والوں

کی طرف سے ایک بکری کی قربانی کردیا کرتا تھا۔ (اس میں سے) وہ خود بھی کھاتے، اور دوسروں کو بھی کھلاتے۔ بعد میں لوگ فخر (کے طور پر زیادہ جانور ذبح) کرنے لگے تو وہ حال ہوگیا جو آپ (آج کل) دیکھ رہے ہیں۔"

فوائد و مسائل:

1۔ جن لوگوں کا کھانا پینا اور خرچ وغیرہ مشترک ہو وہ ایک گھر کے افراد ہیں۔ ان کی طرف سے ایک بکری کی قربانی دینا یا گائے یا اونٹ کا ایک حصہ قربانی دینا کافی ہے۔

2۔ ایک سے زیادہ قربانیاں کرنا جائز ہیں لیکن تفاخر اور مقابلہ بازی کے انداز سے زیادہ جانور یا قیمتی جانور قربان کرنا قربانی کے اصل مقصد کو ختم کردیتا ہے۔ اس صورت میں کوئی ثواب نہیں ہوتا۔

3۔ کسی بھی نیکی میں نیت کا صحیح ہونا اور دل کا خلوص لازمی شرط ہے۔

سنت طریقہ پر عمل

حضرت ابو سریحہ (حذیفہ بن اسید غفاری) رضی اللہ عنہ سے روایت، انہوں نے فرمایا۔

"میرے گھر والوں نے مجھے غلط کام پر مجبور کردیا جبکہ مجھے سنت طریقہ معلوم ہے۔ ایک گھر والے ایک بکری یا دو بکریاں ذبح کرتے تھے۔ اب تو (اگر ہم ایک بکری کی قربانی دیں تو) ہمارے ہمسائے ہمیں بخیل کہنے لگتے ہیں۔"

جو قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، اسے (ذوالحجہ کے پہلے) دس دنوں میں بال اور ناخن نہیں اتارنے چاہئیں

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب ذوالحجہ کا (پہلا) عشرہ شروع ہوجائے اور تم میں سے کوئی قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے بالوں یا اپنی جلد سے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے۔"

فوائد و مسائل:۔

1۔ ہاتھ نہ لگانے کا مطلب یہ ہے کہ بال نہ کاٹے اور جلد سے بال صاف نہ کرے۔ یہ پابندی ذوالحجہ کا مہینہ شروع ہونے سے عید کے دن قربانی کرنے تک ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص ذوالحجہ کا چاند دیکھ لے اور اس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو تو وہ اپنے بالوں اور ناخنوں کو (کاٹنے) کے قریب بھی نہ جائے۔

نماز عید سے پہلے قربانی کا جانور ذبح کرنے کی ممانعت کا بیان

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے قربانی کے دن نماز سے پہلے (قربانی کا جانور) ذبح کردیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ دوبارہ (قربانی) کرے۔

فوائد و مسائل:۔

نماز سے مراد عید کی نماز ہے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔ "عید الاضحیٰ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر (عیدگاہ میں) تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز عید ادا فرمائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہوکر فرمایا۔

"اس دن ہماری پہلی عبادت یہ ہے کہ پہلے نماز پڑھیں، پھر (عیدگاہ سے) واپس جاکر جانور ذبح کریں۔" صحیح بخاری۔

☆☆

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

م۔ش

س ''شادی کب ہوئی ؟''

ج ''مارچ 1979ء کو، بہت پرانی بات ہے پر لگتا ہے کہ جیسے کل کی ہی بات ہو اب تو میرے جیون ساتھی بھی اس دنیا سے گزر چکے ہیں۔ ان کو گزرے دو برس کتنی تیزی سے گزرے کہ پتا ہی نہ چلا۔''

س ''شادی سے پہلے کے مشاغل اور دلچسپیاں ؟''

ج ''شادی سے پہلے کے مشغلوں میں کہانیاں کتابیں پڑھنا اور دن بھر محلے کی سیر کرنا تھا۔ میں خواتین، کم عمری سے ہی بڑے شوق سے پڑھتی تھی۔ میری طبیعت میں نچلا بیٹھنا تو تھا ہی نہیں۔ انتہائی شوخ و شنگ جو منہ میں آیا کہہ ڈالا اب دوسرا چاہے جو بھی سوچے، پھر ہمارے خاندان میں ایسا تھا کہ سب مجھے بچہ سمجھ کر، بڑبولا سمجھ کر ہنس کر ٹال بھی دیتے تھے۔

کیریاں، املیاں دوپہر کو امی ابا سے چھپ کر کھانا اور اپنی فرینڈز سے ڈائجسٹ رسالوں کا ادل بدل کرنا، سچ تو یہ ہے کہ میں پوری ٹام بوائے تھی۔''

س ''شادی میں مرضی شامل تھی یا بزرگوں کے فیصلے پر سر جھکا دیا؟''

ج ''مرضی ہی تھی بتایا نہ کہ میں انتہائی شرارتی بڑبولا تھی، ان کے ساتھ میرا بھائی کام کرتا تھا۔ ہم تین بہنیں اور چار بھائی تھے۔ میرا ایک چھوٹا بھائی جو سب سے چھوٹا اور میری ہی طرح بولنے والا تھا کم عمری میں ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

شوہر بہت شرمیلے کم گو تھے، یہ گھر آتے اور میں اسی طرح جیسے سب سے کرتی تھی ان سے بھی شروع ہو جاتی۔ کم عمر تھی اور پڑھنے کی چور بھی ویسے پھر میں نے اپنی پڑھائی بھی شادی کے بعد مکمل کی تھی۔ گھر میں بھی یہ ہی حال تھا پر ان کو میں اچھی لگ گئی حالانکہ ہم میں فرق تھا، عمر میں بھی وہ مجھ سے کافی بڑے تھے اور ہم اردو بولنے والے وہ پنجابی، میں ان کے مقابلے میں شکل و صورت میں بھی اچھی تھی ان کا رنگ ذرا دبتا ہوا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ پیسہ بہت تھا ان لوگوں کے پاس اور ہمارے یہاں صورت حال یہ تھی کہ ابا بھی جلد ہی دنیا سے چلے گئے تھے۔ ایک بے چارہ بھائی جس کی پڑھنے کی عمر تھی وہ کام سے لگ گیا۔ ایک بڑی بہن تایا کے گھر بیاہی ہوئی تھی۔ ہم چھوٹے بہن بھائی تو کون ہمارے اخراجات اٹھاتا۔

خاندان میں میری زبان کی وجہ سے سب ڈرتے پھر وہ خود جھولی پھیلا کر آئے تو ان کو ہاں کر دی گئی۔ ہمارے اپنے ماموں پیسے والے تھے پر سچ تو یہ ہے کہ کون کسی کے خرچے زندگی بھر اٹھاتا ہے اور لڑکیوں کی کچی عمر ایسی ہی ہوتی ہے کہ جب انہیں لگتا ہے کہ کوئی انہیں پسند کر رہا ہے تو وہ ہی ہیرو لگنے لگتا ہے۔''

س ''جیون ساتھی کے حوالے سے کیا تصور تھا ذہن میں؟''

ج ''وہی تصور تھا جو اس وقت ڈائجسٹوں میں ڈراموں اور فلموں میں دکھایا جاتا تھا۔ پھر میں شکل و صورت کی بھی اچھی تھی۔ حقیقت میں ڈراموں جیسا نہیں ہوتا، کم از کم میرے ساتھ تو ایسا نہیں ہوا کہ ایک بانکا چھبیلا نوجوان مجھ سے ٹکرایا ہو۔ یہ بھی گھر آتے تھے بھائی کے ساتھ تو بس اوپر والے نے تقدیر میں لکھ دیا تھا ساتھ، اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں ان سے ناخوش تھی۔ انہوں نے مجھے بہت خوش رکھا اور ان کے جانے کے بعد جیسے میری دنیا ہی ویران ہو گئی ہے۔''

س ''سسرال والوں کے لیے کیا خیالات تھے اور منگنی کتنے عرصہ رہی اس دوران فون پر کوئی بات چیت ہوتی تھی؟''

ج ''میری ساس مرحومہ، بہت اچھی نیک خاتون تھی۔ میرے جیٹھ ڈاکٹر اور جیٹھانی جو انگریز ہیں، انگلینڈ میں رہتے تھے بہت اچھے پر خلوص انسان ہیں۔ میری

نندیں، دیور سب مجھ سے پہلے ہی بہت اچھے تھے۔ ان کے لیے خاندان میں بھی پہلے لڑکیاں دیکھی ہوں گی لیکن پیسے والوں کے نخرے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے میں ان لوگوں کے لیے چاندی سی بہو، چاندی سی بھابھی تھی تو خیالات بھی اچھے ہی تھے، بس یہ تھا کہ ہمارے گھر کا ماحول اور ان کے گھر کا ماحول ذرا مختلف تھا۔ ان کے گھر بڑوں کا بہت ادب کیا جاتا تھا اور ہم ذرا بدتمیز بے لگام بچے تھے، جن کے والد بھی کم عمری میں دنیا سے چلے گئے تھے اور ماں بے چاری بچوں کے جھمیلوں میں حالات سے لڑ رہی تھی۔ منگنی زیادہ عرصہ نہیں رہی۔ ہمارے گھر فون نہیں تھا، ہاں ان کے گھر اور آفس میں فون تھا۔ بات پکی ہونے کے بعد ان کا آنا جانا کم ہو گیا تھا۔ زیور، جوڑوں کے ناپ کے سلسلے میں ان کا آنا جانا رہا اور بات بھی ہوئی پر سب کے سامنے بات کرتے ہوئے مجھ سے زیادہ وہ جھجکتے تھے اور یہ ہی ان کی شخصیت کا گریس تھا۔''

س ''شادی کے لیے کس چیز کی قربانی دی؟''

ج ''قربانی تو نہیں دی پر بہت کچھ ملا، سیکھنے سمجھنے کو زندگی گزارنے کا سلیقہ سمجھ آیا، ہاں یہ ہے کہ جو بچپنا تھا اس سے نکلی محلے بھر میں گھومنا، دوستوں، سہیلیوں کا آنا جانا، ہمارے چچا تایا بھی قریب رہتے تھے ان کے گھر بھی جاتے رہنا، کزنز سے لڑنا جھگڑنا، گپیاں کرنا بہت مس کیا شادی کے بعد جس بے پروائی کے ساتھ پڑھائی ادھوری چھوڑی تھی اس بے پروائی کی قربانی دے کر تعلیم مکمل کرنا پڑی۔''

س ''شادی بخیر و خوبی انجام پائی تھی؟''

ج ''بخیر و خوبی انجام پائی تھی۔ شادی میں کوئی بدنظمی نہیں ہوئی بلکہ سب بہت اچھی طرح سے ہوا۔ مہندی شادی ولیمہ سب اچھا ہوا تھا۔''

س ''شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا تھا؟''

ج ''اب تو اتنے سال گزر گئے۔ تعریف ہی کی تھی زمانہ تعریف کرتا تھا پھر وہ تو میرے شوہر تھے۔''

س ''سسرال اور میکے کے کھانوں میں فرق؟''

ج ''فرق تو تھا پر وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا گیا سب کچھ۔ ویسے بھی میرا پورشن شروع سے الگ تھا تو میں اپنے گھر کی رانی تھی میری ساس نیچے رہتی تھیں شروع سے ہی دیور کے ساتھ، اس لیے تو اتنا کچھ نہیں ہوا پھر میری پکانے کی عادت ہی نہ تھی، گھر میں تو امی مجھ سے کچھ کام بھی نہیں کراتی تھیں باجی کی بھی جلدی شادی ہو گئی تھی۔ ویسے میری نند نے بھی میری بہت مدد کی وہ بہت نیک خاتون تھیں، انہوں نے مجھے بہت کچھ سکھایا۔ ذائقہ تھا میرے ہاتھ میں اور پھر میرے میاں اور سسرال والے بھی جب بھی کچھ اچھا پکا کر نیچے بھجواتی تھی۔ تو تعریف کرتے۔''

س: پہلے بچے کی پیدائش پر کیا احساسات تھے؟

ج: ظاہر ہے بہت خوشی تھی اور میرا بیٹا بہت صحت مند اور خوب صورت ہوا آپ سوچیں کہ یہ چار پانچ سال کا تھا تو اسے فلم میں چائلڈ اسٹار کے لیے کہا گیا تھا پر میرے شوہر نے منع کر دیا۔ دونوں بیٹے بہت پیارے بچے لگتے تھے اب تو دونوں کمائیوں میں لگے ہیں اپنے اوپر توجہ ہی نہیں دیتے۔

س ''سسرال میں وہ مقام ملا جس کی آپ حق دار تھیں؟''

ج ''شروع شروع میں تو بہت ملا اور اب بھی ان کے انتقال کے بعد بھی سسرال میں، میری اور میرے بچوں کی عزت کی جاتی ہے۔ میرے دو بیٹے ہیں۔ دونوں ماشاء اللہ پڑھے لکھے اور بڑا بیٹا تو بہت بڑی پوسٹ پر ہے۔ آج کل بینک کے سلسلے میں گلف میں ہے۔ شادی شدہ ہے اس کے بھی بچے ہیں اور سب بہت اچھا پڑھ رہے ہیں۔ میں ایک نکمی بچی تھی لیکن میں نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت اچھی کی اور اس سلسلے میں خوش نصیب ہوں کہ دونوں بیٹے اچھا پڑھے۔ سسرال میں مقام آپ کے شوہر کے مقام کی وجہ سے بھی ملتا ہے، میرے شوہر اپنے بہن بھائیوں میں بھی دبو قسم کے تھے میری وجہ سے ان کی ہمت ہوئی تھی۔

ہمارے یہاں بٹوارے کے مسائل میں بھی یہ ہی ہوا، میرے دیور نے ہمیں نوٹس تک بھجوا دیے پر میں نے اپنے امی کے کزن سے جو معروف وکیل بھی

ہیں ان کو اتنا اچھا جواب بھجوایا کہ ان کے مزاج درست ہو گئے دراصل وہ مجھے اپنے بھائی کے آئینے میں دیکھ رہے تھے، بعد میں ان کی سمجھ آ گیا اور انہوں نے بے ایمانی کی نہ سوچی۔ ساس کے انتقال کے بعد بھی میرے رتبے میں کمی نہ آئی تھی، میں نے شادی کے بعد ہی دل سے سب کی عزت کی اور ہمارے خاندان کی لڑکیاں شادی سے پہلے کیسی بھی ہوں شادی کے بعد، بس میاں اور سسرال والوں کی ہو جاتی ہیں۔ میری زندگی میں مسائل تب پیدا ہوئے جب میرے شوہر بیمار پڑے اور ان کی بیماری اتنی بڑھ گئی تھی کہ ان کے بھائی جان نے ان کو لندن بلوایا علاج کے لیے تقریباً چھ مہینے وہاں رہیں، ان کا کام زندگی سب بہت متاثر ہوا تھا۔ میں بھائی جان کی بہت مشکور ہوں کہ انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی کی بیماری کے لیے خود اپنے پیسے خرچ کر کے انہیں لندن بلوایا پھر وہ خود بھی بڑے ڈاکٹر ہیں۔

پاکستان میں حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے سب سے پہلے میں نے اپنی تعلیم مکمل کی اور ساتھ ساتھ ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھاتی رہی، میرے بھائی نے بھی اس سلسلے میں میری بہت مدد کی میں نے کورس کیا اور پھر مجھے گورنمنٹ جاب ملی جو میرا بڑا سہارا بنا، اسی بنیاد پر میں نے بچوں کو پڑھایا اور انہیں سمجھا دیا کہ اسکول تک تو میں نے تمہارے خرچے اٹھا لیے، اب آگے سے تم نے خود کرنا ہے تو میرے دونوں بیٹے ٹیوشنز پڑھا کر آگے بڑھتے گئے اور میں بھی ان کی مدد کرتی گئی۔ میرے شوہر پاکستان لوٹے تو ان میں اتنی جان ہی نہ تھی کہ نوکری کرتے چڑچڑے بھی ہو گئے تھے، تقریباً بیس سال وہ کام سے الگ رہے اور میں کماتی رہی۔ ظاہر ہے کہ سسرال میں بھی سب نے یہ دیکھا کہ میں ان کے خاندان سے الگ ہوں اور کس طرح سب کچھ سنبھالنے میں جتی ہوں۔ یہ میری محنتوں کا صلہ ہے کہ سب میری عزت کرتے ہیں لیکن بیٹوں کی شادی کے بعد جو مسائل پیدا ہوئے، وہ میرے لیے بہت اذیت ناک تھے۔

بس اب تو زندگی گزار رہے ہیں۔

شوہر کو کینسر کی تشخیص ہوئی تو بس میں ان کی بیماری میں لگ گئی، بچپن سے میری آنکھیں کمزور تھی پھر ان کا آپریشن بھی ہو گیا نظر درست نہ ہوئی وہ زندگی کا ایک دشوار مرحلہ، بہرحال میں خود ہلکان ہو گئی اپنے شوہر کو اکیلے سنبھالنا اپنا آپ بھی دیکھنا، سارا دن ان کے ساتھ لگی رہتی۔ کھانا پینا واش روم کے مسائل الگ سب کچھ بیڈ پر ہی ہوتا پر میں نے ہمت نہ ہاری، انہیں لے کر جاتی رہی، کیمو ہوئی انہوں نے بڑی تکلیف برداشت کی، میرے بڑے بیٹے نے اپنی پسند سے شادی کی۔ چھوٹے کی ہم نے اپنے سسرال میں کی پر مجھے بہوؤں اور بیٹوں سے سکھ نہ ملا، میں بچوں کے لیے اتنے مہنگے کپڑے خرید کر لے جاتی اور وہاں ان کی قدر ہی نہیں، کوڑے کی طرح میرے لائے کپڑے ڈال دیے جاتے خون کے آنسو روتی، کیا کیا دکھ بتاؤں میرے مرحوم شوہر خود اتنے شدید بیمار پڑے مجھے سمجھاتے کہ کیوں جاتی ہو اپنی بے عزتی کرانے یہ کہانی تو مرتے دم تک کی ہے، جب کہ میں نے اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد دونوں بیٹوں کو برابر کا پیسہ دیا زیور دیا پر ماں کے پیسے کی کھاتے میں نہیں۔"

س "جوائنٹ فیملی سسٹم پسند ہے یا علیحدہ؟"

ج "ہماری امی الگ رہتی تھیں کہ ان کے ساس سسر حیات ہی نہ تھے، باجی بیاہ کر جوائنٹ فیملی میں گئیں اور خوش رہیں ہم بھی جوائنٹ میں گئے پر رہے الگ پورشن میں، بہرحال جوائنٹ میں فائدے بہت ہیں اور جو لڑکیاں اکیلے کی چاؤ میں لڑکوں کو ماں باپ سے الگ کراتی ہیں، وہ بھی خوش نہیں رہتیں کہ اتنے مسائل ہوتے ہیں اکیلے میں، پھر ماں باپ کے دل پر کیا گزرتی ہوگی۔ میں کہتی ہوں سارے سسٹم اچھے ہیں جب انسان خود اچھا ہو جب انسان کی فطرت میں کھوٹ ہو تو چاہے بیٹے ہوں یا بہو...... سب ملیا میٹ ہو جاتا ہے ہم آج کسی کے ساتھ برا کریں گے کل ہمارے لیے تیاری کی جائے گی یہ یاد رکھنا چاہیے۔"

☆☆

احد رضا میر سے ملاقات

شاہین رشید

احد رضا میر کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں انہوں نے حال ہی میں ڈراما سیریل ”م سے محبت“ میں بہترین اداکاری کا مظاہرہ کیا۔ ان کی اور دنانیر کی جوڑی کو بہت پسند کیا گیا۔ آج ہم آپ کی ملاقات احد رضا میر سے کرا رہے ہیں۔

”کیا حال ہیں؟“

”جی اللہ کا شکر ہے۔“

”یاد ہے، آپ کا پہلا انٹرویو میں نے کیا تھا جب ”یقین کا سفر“ کیا تھا آپ نے؟“

”جی بالکل یاد ہے اور یہ بات ہے 2017ء کی۔“

”اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد کیا محسوس کیا؟“

”کہ وقت کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے آٹھ سال گزر گئے اللہ نے بہت دیا۔“

”شوبز کی فیلڈ کیسی رہی؟“

”بہترین...... اس فیلڈ میں آنا تو میرا خواب تھا اور ـــــ میرا یہ خواب پورا ہوا۔ اور میرا پہلا ڈرامہ ”خاموشیاں“ تھا لیکن مجھے اصل شہرت ”یقین کا سفر“ نے دی اور ”م سے محبت“ نے شہرت دوام...... مگر مجھے ابھی اور بھی آگے بڑھنا ہے اور بہت کچھ کرنا ہے۔“

”بچپن میں کیا خواب دیکھتے تھے والد صاحب جیسا آرٹسٹ بننا ہے یا آرٹسٹ بننا ہے؟“

”والد صاحب کو اس انڈسٹری میں دیکھتا تھا تو بہت رشک آتا تھا۔ بچپن میں بھی میرے رول ماڈل میرے والد صاحب تھے اور اب بھی...... اور دل چاہتا تھا کہ ان ہی کی طرح ایک اچھا آرٹسٹ بنوں اور اللہ نے میری خواہش پوری کی...... اب اچھا آرٹسٹ بنا یا نہیں یہ تو ناظرین ہی بتا سکتے ہیں۔ مگر میں اپنے اس خواب کے پورا ہونے پر بہت خوش ہوں۔“

"آپ نے کہا کہ ناظرین بتا سکتے ہیں۔ تو فیڈ بیک تو ملتا ہی ہوگا؟"

"بالکل ملتا ہے اور بہت زیادہ ملتا ہے۔ دل خوش ہو جاتا ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ شوبز بہت اچھی فیلڈ ہے۔ بس تھوڑی سی پرسنل لائف متاثر ہوتی ہے مگر خیر ہے۔ ایسی عزت شہرت بھی تو قسمت والوں کو ہی ملتی ہے۔"

"م سے محبت" کے بعد تو بہت آفرز آئی ہوں گی؟"

"پہلے بھی بہت آتی تھیں ......اور اب بھی مگر پروجیکٹ کا انتخاب بھی تو سوچ سمجھ کر ہی کرنا ہوتا ہے۔"

"بالکل...... مجھے یاد ہے کہ میں نے آپ سے ایک سوال پوچھا تھا کہ کس آرٹسٹ کے ساتھ کام کرنے کی خواہش ہے تو آپ نے اپنے والد کا نام لیا تھا......اب کیا کہیں گے؟"

"جی بالکل ۔میں نے کہا تھا اور شکر ہے کہ میری یہ خواہش پوری ہوئی اور "م سے محبت" میں مجھے اپنے والد کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا اور ان کے ساتھ کام کر کے میری دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔"

"سیٹ پر والد صاحب کیسے ہوتے تھے؟"

"بالکل......ایک ڈائریکٹر کی طرح...... ہاہاہا۔ بہت اچھا لگا ان کے ساتھ کام کر کے...... ہماری پوری ٹیم بہت اچھی تھی۔"

"چلیں مزید سوالات سے پہلے اپنے بارے میں کچھ بتائیں؟"

"آپ چاہیں تو خود بھی بتا سکتی ہیں۔ کیونکہ آپ کو سب پتا ہے لیکن پھر بھی...... جیسا کہ آپ سب کو معلوم ہے کہ "آصف رضا میر" میرے والد صاحب ہیں۔ میں 29 ستمبر 1993ء میں کراچی میں پیدا ہوا اور میرا ستارہ لبرا ہے پیار سے سب مجھے "بھیا" اور "احدی" کہتے ہیں۔ میرا ایک چھوٹا بھائی ہے جو آج کل آپ کو ڈراموں میں نظر آ رہا ہوگا۔"

"اور جناب میں نے تعلیمی میدان میں "بی بی اے ان بزنس" کیا ہے اور بیچلر فائن آرٹ ان ڈرامہ کیا ہے۔"

"تعلیم کام آ رہی ہے؟"

"بالکل آ رہی ہے......اور تعلیم کسی بھی شعبے کی ہو کام تو آتی ہی ہے۔ تعلیم کے بغیر انسان کچھ بھی نہیں ہے۔"

"کوئی کردار جو کرنے کو ابھی تک نہیں ملا؟"

"اصل میں مجھے ایسے کردار پسند ہیں جو چیلنجنگ ہوں۔ جن کو کرنے میں مزہ آ رہا ہو۔ ہلکے پھلکے ہوں اور لوگوں کی بھرپور محبت ملے۔ لیکن مجھے ایسے کردار کرنے کا بھی شوق بلکہ خواہش ہے کہ جس میں میری شخصیت کا کوئی عکس نہ ہو۔ مثلاً میں "ذہنی معذور" لڑکے کا کردار کرنا چاہتا ہوں۔ جو کہ یقیناً مشکل ہوگا لیکن اچھا ہوگا اور یادگار رہوگا۔"

"آپ نے کہا کہ ایسا کردار کرنا چاہتا ہوں جس میں میری شخصیت کا عکس نہ ہو۔ تو کیا عکس ہوتا ہے۔ کردار میں آپ کی شخصیت کا؟"

"جی بالکل ہوتا ہے۔ "م سے محبت" دیکھ لیں۔ یقین کا سفر دیکھ لیں۔ عہد وفا دیکھ لیں۔ فیری ٹیل دیکھ لیں۔ تو جو ہماری ایج کے کردار ہوں گے، ان میں ہمارا عکس تو ہوگا۔"

"کم کام کیا...... مگر اچھا کیا......ایوارڈ بھی ملے ایسا ہے؟"

"بالکل ہے لوگ مجھے پسند کرتے ہیں، میری کامیابی ہے اور ایوارڈ ملے ،یہ بھی میری کامیابی ہے۔"

"فٹ رہنے کے لیے خاص محنت؟ اگر شوبز میں نہ ہوتے تب بھی فٹ رہتے؟"

"بالکل خاص محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جم بھی جوائن کرنا پڑتا ہے اور ڈائیٹ کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔"

"امید تھی کہ اللہ کامیابی دے گا اور اپنے آپ پر فخر ہوتا ہے؟"

"جی امید تو تھی، اس کے بارے میں پڑھا بھی تھا اور سیکھا بھی تھا اور پھر گھر میں سب سے بڑی اکیڈمی تو والد صاحب ہیں۔ ان سے بہت کچھ سیکھا ......اور اپنے آپ پر کیا فخر کرنا...... مجھے تو اپنے والد صاحب پر بہت فخر ہوتا ہے۔"

"ڈرامے کے کردار کیا فنکار کی زندگی کا عکس ہوتے ہیں؟"

"ہر کردار نہیں کچھ کردار ہوتے ہیں ہماری زندگی کا عکس۔ اگر ہم نگیٹو رول کر رہے ہیں تو کیا ہم عام زندگی میں نگیٹو ہوں گے۔"

"لیکن ہر انسان کے اندر ایک ولن ضرور ہوتا ہے۔ کیا خیال ہے آپ کا؟"

"آپ کی بات درست ہے۔ لیکن میں تو ڈراموں کی بات کر رہا ہوں۔ کہ ہر کردار میں ہمارا عکس نہیں ہوتا۔"

"اپنی ڈرامہ انڈسٹری اور فلم انڈسٹری سے مطمئن ہیں؟"

"اب تو ہماری انڈسٹری کافی ترقی کر رہی ہے۔ کافی تبدیلیاں آ رہی ہیں اور مثبت تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ اور فیوچر میں مزید تبدیلیاں آئیں گی۔"

"یہی آپ کا فیوچر ہے یا کچھ اور کرنے کا بھی ارادہ ہے؟"

"فی الحال تو اسی پر قناعت ہے...... اور الحمدللہ ......کوئی مشکل پیش نہیں آ رہی۔"

"پیسہ کمانا آسان ہے؟"

"نہیں بھئی ...... کس نے کہا، بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ اور اس فیلڈ کو بھی کوئی آسان نہ سمجھے...... عام جاب تو بس جاب ہوتی ہے مگر اس فیلڈ میں محنت بہت ہوتی ہے۔"

"اس فیلڈ میں شہرت کی کشش تو ہے ہی...... پیسے کی بھی کشش ہے؟"

"بالکل ہے لیکن اگر یہ سوچ کر آئیں گے کہ پیسہ ملے گا تو ایسا نہیں ہے۔ اگر آپ سوچیں گے کہ مجھے تو بس اچھا کام کرنا ہے۔ اپنا سو فیصد دینا ہے۔ تو پھر پیسہ خود بہ خود آپ کے پاس آئے گا۔ یہ آزمائی ہوئی بات ہے۔"

"چلیں کچھ ادھر ادھر کی باتیں ہو جائیں۔ سیاحت اور سیاست سے کتنا لگاؤ ہے؟"

"سیاست سے تو کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے البتہ ٹریولنگ کا بہت شوق ہے، چھٹیاں مل جائیں تو کہیں نہ کہیں ضرور جاتا ہوں۔ اور بہت انجوائے کرتا ہوں۔"

"کون سا ملک بہت اچھا لگتا ہے اور کہاں مستقل قیام کو دل چاہتا ہے؟"

"ملک تو اپنا ہی اچھا ہے اور مستقل قیام بھی پاکستان میں ہی چاہتا ہوں۔ ویسے میرے پاس کینیڈا کی شہریت ہے اور کینیڈا بہت خوب صورت ملک ہے۔ میں جہاں بھی جاؤں، مجھے پاکستان میں بوٹ بیسن کی بلوچ آئس کریم، پاکستان کے کھانے اور ہر چیز بہت یاد آتی ہے۔ پاکستان سے اچھا ملک کوئی نہیں ہے۔"

"اتنا پسند ہے آپ کو پاکستان...... تو اس کے لیے کیا کچھ کرسکتے ہیں؟"

"اس کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ میں کسی پاور میں آؤں۔ پہلے سیاست میں حصہ لوں۔ پھر پارلیمنٹ کا حصہ بنوں پھر کوئی عہدہ لوں...... کافی لمبا پروسیجر ہے۔"

"غصہ ہر نوجوان میں ہوتا ہے آپ کو غصہ کن کن باتوں پر آتا ہے؟"

"غصہ تو بہت سی باتوں پر آتا ہے۔ زیادہ غصہ تب آتا ہے جب مجھے کوئی گہری نیند سے اٹھادے۔ اور اس وقت تو اور بھی زیادہ آتا ہے جب کوئی مجھے جھنجھوڑ کر اٹھائے...... بھلا یہ کیا طریقہ ہے...... اور دلچسپ بات یہ کہ جب غصہ آتا ہے تو بھوک بھی بہت لگتی ہے اور غصہ آتا ہے تو چیختا چلاتا بھی بہت ہوں۔ اور ہاں انتظار نہیں ہوتا مجھ سے کوئی دیر سے آئے تب بھی بہت غصہ آتا ہے۔"

"انتظار؟ اس فیلڈ میں تو دیر سویر ہو جاتی ہے؟ اور گھر میں کس کا غصہ تیز ہے؟"

"جی...... مجھے وقت کی پابندی کی بہت عادت ہے اور مجھے برداشت نہیں ہے کہ کوئی دیر سے آئے بغیر کسی وجہ کے تو بس...... اور گھر میں سب سے زیادہ غصہ والد صاحب کا ہے۔ جب انہیں غصہ آتا ہے تو زمین اور در و دیوار سب ہل جاتے ہیں۔"

"کہتے ہیں کہ کبھی کبھی قسمت اتنی مہربان ہوتی ہے کہ وقت سے پہلے ہی سب کچھ مل جاتا ہے۔ آپ کے ساتھ ایسا ہوا ہے؟"

"نہیں نہیں۔ ایسا کچھ نہیں ہے ہر چیز بہت محنت، بہت صبر اور بہت انتظار کے بعد ملی ہے۔"

"اور آپ کی کوئی ایسی خوبی جس سے بہت کم لوگ واقف ہوں؟"

"ہاں۔ ایسی ایک خوبی ہے کہ میں بہت اچھا کک ہوں۔ جب ملک سے باہر تھا پڑھائی کے سلسلے میں تو خود ہی پکایا کرتا تھا۔ تو بہت کچھ سیکھ گیا تھا۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

دل ایک گلشن

رضیہ جمیل

چلمن

نادرہ خاتون

بڑا آدمی

نسیم سحر قریشی

دستِ کوزہ گر

فوزیہ یاسمین

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے
مکتبہء عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

عیدالاضحیٰ کے رنگ

ادارہ

تہوار زندگی میں رنگ بھرتے ہیں۔
بہت سارے عام دنوں میں کچھ خاص دن ہوتے ہیں جب ہر طرف خوشیوں کا سماں ہوتا ہے۔
عیدالاضحیٰ ہمارا مذہبی تہوار ہے جو قربانی کے ایک عظیم واقعہ کی یاد میں منایا جاتا ہے۔
عیدالاضحیٰ کی رونقیں ہی علیحدہ ہوتی ہیں۔ عیدالاضحیٰ کا چاند نظر آتے ہی گلی محلوں میں گہما گہمی اور رونق ہو جاتی ہے۔ عید کا دن گھر کے ہر فرد کے لیے خوشیوں بھری مصروفیتوں کا دن ہوتا ہے۔ مرد حضرات جانور ذبح کرنے اور اس کا گوشت بنوانے میں مصروف ہوتے ہیں تو خواتین کچن میں نت نئے پکوان کی تیاری میں مصروف نظر آتی ہیں۔ گوشت وافر ہوتا ہے اس لیے کھانوں پر نت نئے تجربات بھی کیے جاتے ہیں۔
عیدالاضحیٰ کی خوشیوں میں اپنے قارئین کے ساتھ شرکت کے لیے ہم نے سروے کیا ہے۔ سوالات یہ ہیں۔
1۔ اب خواتین بھی قربانی کے جانوروں کی خریداری میں دلچسپی لیتی ہیں، کیا آپ کبھی اپنے والد، بھائی یا شوہر کے ساتھ قربانی کے جانور کی خریداری کے لیے گئی ہیں؟
2۔ عیدالاضحیٰ کے دن آپ کے ہاں بننے والی گوشت کی پہلی ڈش کیا ہوتی ہے؟
3۔ قربانی کے گوشت سے بنائی جانے والی آپ کی پسندیدہ ڈش کیا ہے؟

نصرت جبیں ملک ...... خوشاب

1۔ کاش ایسا ہوتا کہ ہم بھی ساتھ خریداری کو جاتے مگر اب تک ہم اس سعادت سے محروم رہے ہیں البتہ آج سے چھ ماہ پہلے ایک خاتون مجھ سے چالیس ہزار روپے ادھار لینے آئی اور کہا کہ قربانی پر جانور بیچ کر آپ کا ادھار واپس کروں گی، اب وہ کہہ رہی ہے کہ ان پیسوں کے بدلے مجھ سے قربانی کا ایک جانور لے لیں، چنانچہ اس مرتبہ شاید مجھے یہ سعادت ملنے والی ہے کہ میں قربانی کا جانور اس کے ہاں دیکھنے جاؤں گی مگر ساتھ اپنے میاں کو بھی لے کر جانا پڑے گا تا کہ کل کلاں کو جانور انہیں پسند نہ آئے تو وہ یہ نہ کہیں کہ زنانہ فیصلے ایسے ہی ہوتے ہیں۔
2۔ عید کے دن ہر طرف گوشت ہی گوشت ہوتا ہے کہ عموماً ہم عید کے دوسرے دن قربانی کرتے ہیں پہلے دن میرے سسرال، میکے اور میری بہن کے گھر سے کافی گوشت آ جاتا ہے پھر اس دن میں گوشت بانٹنے اور سمیٹنے کے چکر سے آزاد رہتی ہوں۔ مگر اگلے دن برق رفتاری سے گوشت کی تقسیم کا فرض ادا کرتی ہوں۔ کیونکہ اس گرمی میں تھوڑی سی سستی دکھائیں تو گوشت کے خراب ہونے کا خطرہ ہو جاتا ہے۔
3۔ مجھے نمکین گوشت تیز مسالوں کے بغیر لکڑیوں کی آگ پر چڑھائی گئی کڑھائی والا پسند ہے طریقہ یہ ہے کہ ایک کڑھائی میں کچھ پانی ڈالیں پھر اس میں نمک اور ہلدی ڈال دیں جب ابال آنے لگے تو اس میں گوشت ڈال کر اوپر سے بند کر دیں اور پانی خشک ہونے دیں جب گوشت گل جائے اور پانی خشک ہو جائے تو پھر تھوڑا سا دیسی گھی ڈالیں پھر کالی

مرچ اور نمک ڈال کر بھونیں جب براؤن ہو جائے تو سیخ کباب جیسا مزے دار گوشت سب کڑھائی کے اطراف بیٹھ کر کھائیں بہت مزہ آئے گا۔

اجیہ خان......نوشہرہ کینٹ

1۔ قربانی کے جانور کی خریداری ہمارے ہاں ہمیشہ مرد ہی کرتے ہیں۔ کے پی کے میں عورتوں کا منڈی میں جانا ابھی اتنا عام نہیں ہوا۔ ہماری فیملی میں آج تک کسی کو جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔

2۔ جیسے ہی قربانی ہوتی ہے سب سے پہلے کلیجی نکال کر لاتے ہیں جسے ہلکے گھی اور مسالے میں پکا کر لیموں نچوڑ کر کام کے ساتھ ساتھ کھاتے جاتے ہیں۔ پھر چانپیں بنا کر پلاؤ کے لیے گوشت چولہے پر رکھ دیا جاتا ہے۔

3۔ قربانی کے گوشت سے بنی ہر ڈش پسند ہے (سوائے اوجھڑی کے) پہلے بہت ڈشز بنتی تھیں لیکن اب وہی جانور ہوتے ہیں لیکن گوشت میں اتنی برکت ہی نہیں رہی کہ سب کچھ بنایا جا سکے۔

ریحانہ چوہدری......مدو کے رندھیر

سوال نمبر 1۔ جی جناب بالکل درست فرمایا آپ نے آج کل وہ کون سا کام ہے جس میں خواتین دلچسپی نہیں لیتی ہیں۔ مگر ہماری دلچسپی صرف اس جانب ہی ہوتی ہے کہ بکرا صاحب کے ہمارے غریب خانے تک تشریف لانے سے قبل ان کی آمد کے وقت ان کے استقبال کی بھرپور تیاریاں کی جائیں۔ ان کے قیام وطعام کا مناسب بندوبست کیا جائے اور ان کے آرام وسکون کا بھرپور خیال رکھا جائے۔

انہیں ہر سہولت بہم پہنچانے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔ انہیں ان کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے باقاعدہ ان کے لیے کیٹ واک، کا اہتمام کیا جاتا ہے اور ہر ہر پوز میں ان کی تصاویر شیئر کرنے کے لیے باقاعدہ فوٹو سیشن ارینج کیا جاتا ہے مگر خریداری کے لیے نہیں گئے کہ ہمارے صاحب بہادر اور صاحبزادے یہ کار خیر خود بہ نفس نفیس سرانجام دیتے ہیں۔ دونوں کو سلامت رکھے۔ ''جس کا کام اسی کو ساجھے۔''

خریداری کے علاوہ بکرا شریف کے سارے نخرے ہم اٹھاتے ہیں دلی خوشی کے ساتھ۔

سوال نمبر 2۔ جناب! اللہ آپ کا بھلا کرے۔ گھر میں اگر قربانی ہوئی ہو تو میرے خیال میں نہ صرف ہمارے گھر میں بلکہ ہر قربانی والے گھر میں جو پہلی گوشت کی ڈش بنتی ہے، وہ ہے کلیجی کا سالن تو ہم بھی کلیجی پھیپھڑے اور دل کا سالن بناتے ہیں۔ جس کے لیے سارے لوازمات یعنی لہسن پیاز، ٹماٹر دہی اور دیگر مسالہ جات پہلے ہی تیار کر کے رکھ لیتی ہوں جوں ہی گوشت بنتا ہے تو ایک چولہے پہ سالن اور دوسرے پہ ساتھ ساتھ تازہ تازہ خوب پھولے ہوئے پتلے پتلے پھلکے (چپاتیاں) بنائی جاتی ہیں جن کی نرمی اور خوشبو کھانے والوں کی اشتہا میں اضافہ کرتی ہے۔

سوال نمبر 3۔ قربانی کے گوشت سے ویسے تو بہت سی ڈشیں بنائی جاتی ہیں مگر آل ٹائم فیورٹ ڈش جو ہمارے گھر میں بنتی ہے وہ ہے نمکین گوشت بالکل سادہ صرف نمک ڈال کر اس کے علاوہ پلاؤ میرے گھر والوں کو میرے ہاتھ کا بہت پسند ہے۔

دو سال پہلے کی بات ہے مجھے یہ شوق ہوا کہ روش (نمکین گوشت) بناتے ہیں کیونکہ میں اور نویلہ ہر دفعہ پلان کرتے کہ روش بنائیں گے مگر پھر باقی سب گھر والوں کی پسند اور مہمانوں کی آمد ورفت کی وجہ سے ہمارا پلان حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے کے مصداق دھرے کا دھرا رہ جاتا۔

تو قصہ کچھ یوں ہے کہ اپنی طرف سے بڑی جلدی کرتے ہوئے بڑے والے پریشر ککر میں خوب ڈھیر سارا مٹن، نمک اور پانی ڈال کر رکھ دیا اب ساتھ ساتھ سب کے منع کرنے کے باوجود بچت کا سوچ کے لکڑیوں کی آگ جلا کے مٹی کے چولہے پہ پکنے رکھ دیا ساتھ ساتھ دوسرے کھانے پکانے میں مصروف۔

کبھی کبھی جا کے لکڑیاں مزید چولہے میں رکھ آتی اب جو کافی دیر بعد دیکھا تو آدھا گوشت جل چکا تھا اور باقی بھی دھویں کی مہک کی وجہ سے کھانے والا نہیں رہا تھا۔

اس دن کے بعد اب گیس پہ ہی بہت دھیان سے پکاتی ہوں۔

مگر اس عید یہ دل بہت سوگوار ہے کہ بھائی جان کی وفات کو ابھی تین مہینے ہی ہوئے ہیں۔ بھائی جان ہمیشہ جب سے پاکستان واپس آئے تھے کیونکہ پہلے کافی سال سعودیہ ملازمت کی وجہ سے ہوتے تھے۔ تو قربانی والے دن ہی ہم سب گھروں کے حصے کا گوشت ہمارے لاکھ منع کرنے پر بھی لے آتے بلکہ بعض دفعہ میرے لیے گوشت صاف کر کے قیمہ بھی بنوا کر لاتے یا پھر گوشت صاف کر کے چھوٹی چھوٹی بوٹیاں بنوا کر لاتے۔

بھائی بہنوں کی جان ہوتے ہیں، مان ہوتے ہیں اللہ سب بہنوں کے بھائیوں کو سلامت رکھے۔ اور میرے بھائی جان کو جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

تسنیم کوثر......ایف بی ایریا کراچی

سوال نمبر 1۔ بالکل بھی نہیں۔ قربانی کے جانور خریدنے مویشی منڈی جانا ہمیں بالکل اچھا نہیں لگتا اور نہ ہی ہمارے گھر کی کوئی بھی بلکہ ہمارے خاندان میں بھی کسی کی بھی بہو بیٹی وغیرہ جانور جا کر خریدنے میں دلچسپی نہیں لیتی ہیں۔ بس گھر کے مرد حضرات وغیرہ جا کر گائے بکرے جو بھی ہو لے کر آ جاتے ہیں۔

سوال نمبر 2۔ عید کے دن تو تقریباً ہمارے ہی گھر کیا بلکہ زیادہ تر سب ہی کے گھر کلیجی لازمی بنتی ہے اور اس کے علاوہ گوشت کی بنی ہوئی دوسری چیزیں بریانی، بھنا گوشت پہلے دن تو لازمی جز ہیں۔ اور بس۔

سوال نمبر 3۔ گوشت سے بنا ہمارا پسندیدہ بھنا لذیذ گوشت کا ذائقہ دار سالن ہوتا ہے جسے میں خود گھر کے مسالوں سے بناتی ہوں اور اس میں ایک بوند پانی بھی نہیں ڈالا جاتا ہے پھر بھی منہ میں گھل جانے والا اتنا گلا ہوا گوشت ہوتا ہے جو کہ بہت مزیدار ہوتا ہے۔

گوشی جمال......منڈی بزمان

سوال نمبر 1۔ خواتین کی قربانی کے جانوروں کی خریداری میں شمولیت تو یہ فریضہ مرد حضرات پر جچتا ہے مطلب سوٹ کرتا ہے۔ عید قربان کی تیاریوں میں خواتین کے ذمہ اتنے ڈھیر کام ہوتے ہیں ان ہی کو احسن طریقے سے پورا کریں بڑی بات ہے۔ محض شوقیہ منڈی مویشیاں میں بھانت بھانت کے بیوپاریوں کو شرف ملاقات اور بھاؤ تاؤ عورت کا کام نہیں مردوں کے کام مردوں کو جچتے ہیں۔

سوال نمبر 2۔ ہمارے ہاں ازل سے مرغن غذاؤں کو پسند نہیں کیا جاتا۔ سادہ اور کم مسالہ والی ریسپی ہی عمل میں لائی جاتی ہے۔ ذرا مرچ تیز ہوئی تو کوئی معافی نہیں، بمبوں کی بوچھاڑ ہر طرف سے پکانے والے کے سر پر لازم و ملزوم ہوتی ہے۔ جب تک کھانا ہضم نہ ہو جائے، یہ قصہ جاری و ساری رہتا ہے۔ شنواری مٹن یا کڑاہی مٹن وافر مقدار میں دوپہر میں ہی بن جاتا ہے۔ خاتون جو فی الوقت میسر پائی جائے ویسے اکثر و بیشتر شاہانہ آپا ہی یہ فرائض انجام دیتی ہیں۔ گڈی آپا گوشت کی تقسیم اور صفائی پہ مامور پائی جاتی ہیں۔ بھائی جمشید جمال بھی لپک لپک شاپر بھر کر بانٹنے میں اولین کردار نبھاتے ہیں۔ مٹن کڑاہی لال مرچ کم سبز زیادہ میں بنتی ہے۔ دوپہر اور شام کا کھانا آپا ایک ساتھ نپٹا دیتی ہیں۔ شام کو صرف میٹھا ہی بنتا ہے۔

بیف ہمارے گھر میں کوئی کھاتا نہیں اس لیے بکرا یا بکری ہی قربان گاہ میں لائی جاتی ہے۔ البتہ بڑے بھائی بیف کھا لیتے ہیں، وہ اس کی قربانی دیتے ہیں۔ لہٰذا ان کے گھر گوشت صرف جاتا ہے آتا نہیں۔

سوال نمبر 3۔ بہت ہی خوب صورت اور اہم سوال، پسندیدہ ڈش۔ چند گنی چنی ڈشز ہمارے ہاں بنتی ہیں۔ زیادہ کا تردد ہمارے ہاں ہوتا نہیں۔ یہ گنی چنی ڈشز تو تقریباً ہر گھر میں بنتی ہیں۔ ذائقہ ہر ہاتھ کا الگ ہوتا ہے۔ یہی انفرادیت ہوتی ہے۔ میری پسندیدہ ترین ڈش یخنی پلاؤ ہے بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا ہمارے گھر کے ہر فرد کی پسندیدہ ہے۔

چاول کی مقدار کے برابر گوشت کی یخنی ڈال کر بنایا جاتا ہے۔ صرف سبز اور کالی مرچ میں، گوشت بوائل کرتے وقت وافر مقدار میں لہسن ڈالتے ہیں جس سے ذائقہ اچھا بنتا ہے اور کچھ لہسن کے ثابت جوے پیاز فرائی کرتے وقت ڈالے جاتے ہیں۔ ڈبے والا مسالہ ہم یخنی پلاؤ میں شامل نہیں کرتے صرف ثابت مسالہ جات استعمال کرتے ہیں حفظان صحت کے اصولوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ہماری اماں جان بھی بازاری ڈبوں والے مسالوں سے اجتناب کرتی تھیں۔ یہی خوبیاں وہ اپنی بیٹیوں میں منتقل کر گئیں۔ یخنی پلاؤ عید کے دوسرے دن بنایا جاتا ہے۔

ایچ ایس ایچ...... سمبڑیال

سروے دیکھا تو سوچا چلو ہم بھی شمولیت کر لیتے ہیں۔

سوال نمبر 1۔ نہیں، ہم کبھی ان کے ساتھ جانور خریدنے نہیں گئے چونکہ ہم گاؤں میں رہتے ہیں تو جانور ادھر سے ہی مل جاتا ہے ویسے تو ہم بھی گائے بھینسوں والے ہیں تو کبھی ہمارا اپنا جانور ہوتا ہے اور کبھی جب جانور قربانی تک نہ پہنچا ہو تو کسی دوسرے کے جانور میں حصہ ڈالتے ہیں۔

2۔ ویسے تو پہلی ڈش کلیجی ہی ہوتی ہے پھر اس کے بعد دوپہر کو قورمہ، نان، رائتہ سلاد کے ساتھ ہم گھر کے افراد تناول کرتے ہیں۔ ہماری یہی روایت ہے جس میں ردوبدل نہیں ہوا کبھی۔

3۔ ہم انٹرسٹنگ سوال۔ قربانی کا گوشت اتنا لذیذ ہوتا ہے کہ ہم اس سے بنائی جانے والی ساری ڈشیں پسند کرتے ہیں، کسی ایک کا نام لینا مشکل ہے کہ...... پہلے ہم بڑا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ میٹرک کے بعد شروع کیا تھا۔ اب کیا بڑا، کیا چھوٹا سب ہی شوق سے کھاتے ہیں۔

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور

1۔ پہلے سوال کا جواب چلیے جی ہم حاضر ہو گئے جواب دینے کے لیے، تو نہیں جی۔ کبھی نہیں گئے خریدنے کے لیے۔ ابو پردیس میں ہوتے تھے۔ دل کرتا تھا جب چھوٹی تھی کہ جیسے سب اپنے ابو کے ساتھ جاتے ہیں جاؤں لیکن جب ابو پردیس سے آئے، میں کہیں نہیں جا سکتی تھی بیمار ہو گئی۔

بھائی چھوٹے تھے مجھ سے اور شوہر کے ساتھ قربانی کا جانور دیکھنے کیونکہ گاؤں میں لڑکیاں نہیں جاتیں جانور پسند کرنے دوسرا یہ کہ جانور گھر میں پالے ہوتے ہیں سب نے تو اب جب دو سال پہلے میرے ابو، تایا، چچا نے اکٹھی قربانی کی تو بیل کڑمالہ (پٹیاں) سے لے کر آئے پہلے مجھے دکھایا کہ یہ کیسے دیکھے گی لوگ جانور دیکھنے جاتے ہیں لیکن جانور مجھے آ کر دیکھ کر جاتے ہیں (ہاہاہا)۔ اس نے صحن میں گوبر کر دیا امی نے کہا اب صفائی کرنی پڑے گی۔ دو دن تایا ابو کے گھر سب اس کی خدمت کرتے رہے صبح شام وقار بھائی اسے چرانے لے کر جاتا تو مجھے ضرور دکھاتا جانور بہت اچھی عیدیں گزری ہیں، اللہ سے دعا ہے آگے بھی اچھی ہو۔ آمین۔

2۔ عید کے دن بننے والی گوشت کی پہلی ڈش بھنا ہوا گوشت ہے، جو سل پر پیسا جاتا ہے۔ ہڈی بغیر گوشت علیحدہ کر لیتے ہیں۔ باریک کوٹا جاتا ہے۔ ہری مرچ اور لہسن بھی ساتھ میں پیس لیے جاتے ہیں۔ ہاں جی کیا لذت ہوتی ہے اس کی۔

3۔ ویسے تو مجھے امی کی بنائی ہوئی ہر چیز پسند ہے۔ زیادہ مسالے ڈال کر پکاتے ہیں۔ لیکن امی سادہ سی بھی کوئی چیز بنائیں۔ بہت مزے کی بناتی ہیں

ویسے تو بریانی پسند ہے۔ بہت سارا گوشت ہو بریانی میں۔ لیکن جو عید کے حوالے سے ہے تو۔ چربی اور ہڈی والا گوشت امی علیحدہ کرتی رہتی ہیں۔

وہ رات کو سارے گوشت کو بڑے دیگچے میں رکھ دیتی ہیں ابلنے کے لیے جب ذرا سا ابال آتا ہے۔ اس میں پیاز۔ ٹماٹر۔ مرچ ڈال دیتی ہے۔ اور نیچے لکڑیاں جلا دیتی ہیں۔ صبح تک صحیح گل جاتا ہے گوشت۔

ویسے کھائیں یا پراٹھے کے ساتھ کھائیں بہت مزے دار ہوتا ہے۔ مجھے امی کے ہاتھ کا یہ گوشت بہت پسند ہے۔ میں پراٹھے کے بغیر کھاتی ہوں۔

عائشہ علی......کراچی

1۔ جانور کی خریداری میں مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی نہ بچپن میں مجھے کبھی جانور خریدنے جانے کا شوق تھا نہ اب ہے۔ عام بچوں کی نسبت میں تو گائے وغیرہ سے ڈرتی بھی بہت تھی۔ ڈرتی تھی کیا ڈرتی تو میں اب بھی ہوں (ہی ہی ہی) ہاں مجھے قربانی ہوتے ہوئے دیکھنے کا بہت شوق ہے اور میں بچپن میں اپنی بہن ایشاع اور کزنز کے ساتھ مل کر گلی میں اپنی گائے کی قربانی دیکھنے بہت شوق سے جاتی تھی۔

2۔ قربانی ہوتے ہی سب سے پہلے کلیجی بنتی ہے جسے سب نان کے ساتھ کھاتے ہیں اور کلیجی سے بھرپور انصاف کرتے ہیں۔

3۔ گوشت سے بنی ہوئی کوئی بھی چیز مجھے پسند نہیں ہے لیکن کیونکہ یہ سنت نبوی ہے تو میں سب پر احسان کر کے بس کھا لیتی ہوں۔ میرا شمار (بیمار) مرغی کھانے والے لوگوں میں ہوتا ہے۔ (ہاہاہا)

ہما عامر......کراچی

1۔ دلچسپی تو میری بہت ہے قربانی کے جانوروں میں لیکن صرف دیکھنے کی حد تک، بوٹیاں صاف کرنے کی حد تک، کھانے کی حد تک اور پکانے کی حد تک میری بساط اتنی ہی ہے کیونکہ خریدنے کے لیے کوئی لے جاتا نہیں ہے (ہی ہی ہی)۔

2۔ کلیجی......کلیجی......کلیجی

3۔ قربانی کے گوشت سے پکنے والے کھانوں میں جو سب سے پہلی چیز مجھے پسند ہے، وہ کچے قیمے کے کباب ہیں۔ ترکیب بہنوں کے لیے حاضر ہے۔

کچے قیمے کے کباب میں استعمال ہونے والا قیمہ تھوڑا موٹا اور چکنائی والا ہونا چاہیے گوشت کو اچھی طرح دھونے کے بعد اس کا قیمہ بنوائیں۔ قیمہ بنوانے کے بعد قیمے کو دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

چوپ کی ہوئی پیاز، ادرک لہسن کا پیسٹ، نمک، پسا ہوا گرم مسالہ، پسی ہوئی لال مرچ، پسا ہوا زیرہ، موٹا کٹا ہوا ثابت دھنیا ڈالیں ہرا دھنیا اور پودینہ چوپ کر کے ڈالیں قیمے کے تناسب سے بیسن ڈال کر اچھی طرح مکس کریں ضرورت ہو تو تھوڑا پانی ڈالیں آدھے گھنٹے کے بعد بالز کی شکل بنالیں درمیانی آنچ پر فرائی کریں تاکہ قیمہ اچھی طرح اندر تک گل جائے۔

املی کی چٹنی اور کیچپ کے ساتھ چٹخارے دار کباب نوش فرمائیں۔

زرینہ خانم لغاری......مظفر گڑھ

1۔ قربانی کا جانور خریدنے جانا کبھی بھی نہیں ہوا۔ ویسے بھی ہم بہت پہلے جانور خرید کر اپنی زمینوں پر مزارعوں کے حوالے کر دیتے ہیں وہ سارا سال پالتے ہیں۔ عید سے ایک دن پہلے وہ بکریاں لے کر آجاتے ہیں۔ ہاں البتہ ایک دفعہ میں اپنی ایک دوست کے گھر گاؤں گئی وہاں ایک خوب صورت سفید رنگ کی بکری برائے فروخت دیکھی ویسے تو عموماً بکریاں کالے رنگ کی ہوتی ہیں لیکن وہ بہت پیاری سفید بکری تھی مجھے بہت پسند آئی اسی وقت بھاؤ تاؤ کر کے خرید لی پھر وہ خوب صورت بکری میں نے اپنے آقا نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر قربانی کر دی۔

2۔ عیدالاضحیٰ پر پہلی ڈش تو بھنی ہوئی کلیجی ہی بنتی ہے سیخوں میں پرو کر بھونی جاتی ہے۔ نمک اور چاٹ مسالہ ڈال کر کھائی جاتی ہے۔ خود بھی کھاتے ہیں اور کام میں مصروف قصائی حضرات کو بھی کھلاتے ہیں۔

3۔ وائٹ گوشت بناتے ہیں۔ اچھی سی بوٹیاں منتخب کر کے لہسن پیاز، ٹماٹر، ادرک گرم مسالہ ڈال کر گوشت کو گلالیا جاتا ہے پھر دوسری دیگچی میں لچھے دار پیاز گھی میں بادامی کر کے گوشت ڈال کر بھنائی کرتے ہیں، حسب ذائقہ نمک شامل کریں۔ مرچ، ہلدی کچھ نہیں ڈالنا ہوتا جب گوشت بھن جائے تو بغیر روٹی کے بوٹیاں کھائی جاتی ہیں، بہت مزے کا بنتا ہے۔ اگر زیادہ بنالیا اور بچ جائے تو پانی ڈال لیں پانی ابل جائے تو چاول ڈال کر پلاؤ بنا سکتے ہیں۔

انمول دعا عقیل...... کوٹ ادو

1۔ میں کبھی اپنے ابو کے ساتھ قربانی کے جانور لانے نہیں گئی اور نہ ہی ہمارے خاندان میں دوسری عورتیں جاتی ہیں۔ ابو خود ہی جانور لاتے ہیں، میں نے نہ کبھی جانے کی خواہش کی اور نہ کسی نے مجھ سے پوچھا۔

2۔ سب سے پہلے گوشت کی کڑاہی بنتی ہے جس کے ساتھ تندوری روٹی جس کی خوشبو پورے گھر میں ہوتی ہے، اس کے بعد دوپہر میں گوشت کی بریانی بنائی جاتی ہے۔ کیوں کہ بریانی سب گھر والوں کو پسند ہے، شام میں گول گپے، دہی بھلے اور کوٹ ادو کی مشہور ملتانی قلفی دوسرے دن چکن تکہ، سموسے، رول وغیرہ۔

3۔ یہ کیا پوچھ لیا آپ نے، منہ میں پانی آ گیا لکھتے ہوئے، اس سوال کا جواب۔ گوشت کی ڈش تو نہیں، لیکن مجھے مسالے دار بھنڈیاں بہت پسند ہیں۔ آلو کے مزیدار چپس، آلو کے پراٹھے، حلیم نہ جانے اور کیا کیا۔ لکھنے بیٹھوں تو سروے بہت لمبا ہو جائے گا۔ کیا پتا آپ کاٹ دیں یا ردی کی ٹوکری میں ڈال دیں۔

میشے علی خان...... ساہیوال

سب سے پہلے تو ادارہ خواتین و شعاع کے تمام اراکین اور قارئین کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد اس دفعہ تو عید بھی دوہری خوشیاں لے کر آ رہی ایک عید قربان کی خوشی اور دوسرا جو ہمارے رب تعالیٰ نے پاکستان کو دشمنوں کے مقابلے میں شاندار فتح سے ہمکنار فرمایا اللہ ہمارے ملک کو سدا قائم و رکھے۔ آمین

یہ سال تو کرم میرے مولا کا اچھا ہی جا رہا ہے بہن کی شادی بھی ہو گئی اور میں جو دوسرے ادارے میں نوکری جا رہی تھی تنخواہ کی وجہ سے تو الحمدللہ میں نے دوسرا اسکول جوائن کر لیا جس کی تنخواہ پہلے کی نسبت دگنی ہے۔ (تو مبارکباد تو بنتی ہے میری)

1۔ میرے گھر تو قربانی ہوتی نہیں (اللہ نے نوازا اور تو ان شاء اللہ ضرور کریں گے) لیکن قربانی کے جانوروں میں دلچسپی اس لحاظ سے ضرور ہو جاتی ہے کہ ابو لوگ قربانی کا جو جانور جتنے دن بھی پہلے لائیں وہ ہمارے گھر ہی بندھا ہوتا ہے اور باجی منور کی طرف سے خصوصی ہدایت ہوتی ہے جانور کا خیال رکھنے کی تو دلچسپی تو ہوتی ہے کہ یوں نہیں تو یوں سہی۔

2۔ عیدالاضحیٰ کے دن دوپہر کا کھانا تو ابو کی طرف ہوتا ہے تو چونکہ ابو کے ہاں ابو، باجی منور، بھائی، بھابھی سب کی قربانی ہوتی ہے (الحمدللہ) تو پہلی ڈش کلیجی ہی پکتی ہے کہ ان کا روزہ ہوتا ہے تاہم میں گھر میں گوشت سے کچھ بھی بنالیتی ہوں کہ ویسے بھی کم ہی کھایا جاتا ہے عید کے دن۔

3۔ پلاؤ اور شامی کباب یہ وہ کھانا ہے جو مجھے اگر آدھی رات کو گہری نیند سے اٹھا کر بھی دیا جائے تو میں ہرگز برا محسوس نہیں کرتی۔ بچوں میں میرب اور عالیان کو شامی بہت پسند ہیں اور مشعال تو گوشت کی دیوانی ہے۔ تو اوورآل یہ ہمارا فیملی کا پسندیدہ کھانا + ڈش بن جاتی ہے (کہ میاں صاحب گوشت کچھ خاص پسند ہی نہیں کرتے اور گھر میں کوئی ہے ہی نہیں بچوں کی دادی ہیں جو اس دفعہ اپنی بیٹی کے پاس ہیں۔)

☆☆

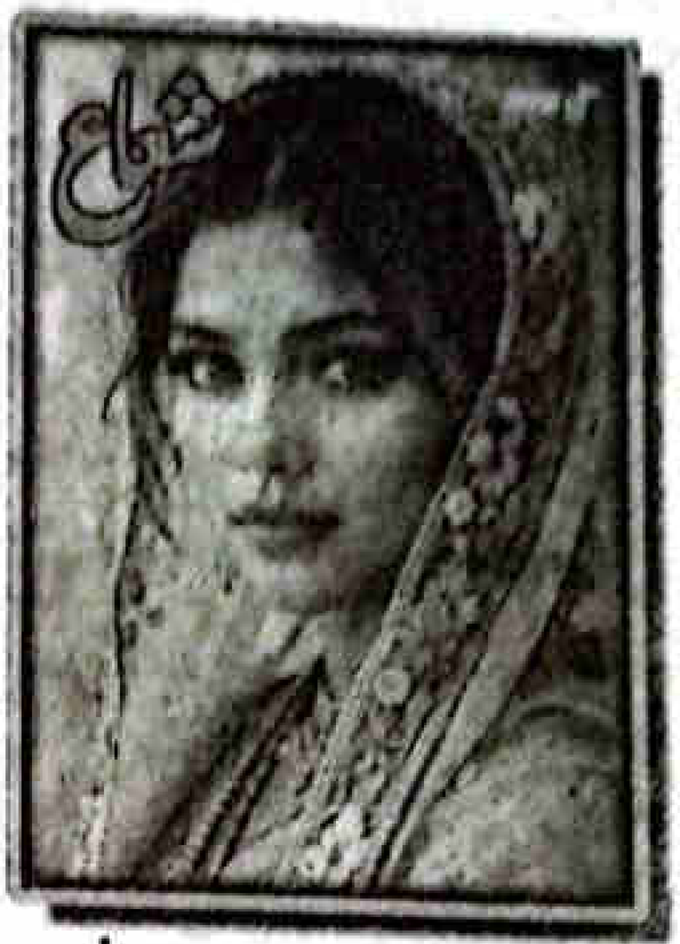

خط آئے

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
ماہنامہ شعاع۔ 37۔اردو بازار کراچی۔
Email:shuaa@khawateendigest.com

فاطمہ بنت ابراہیم کراچی سے شریک محفل ہیں

گرمی، سردی ہو یا ہو خزاں بہار، آپ کے پرچوں سے کبھی رشتہ نہیں ٹوٹا، البتہ کووڈ نائنٹین میں تین پرچے مس ہو گئے تھے جن کا دکھ ابھی تک باقی ہے، (شمارے پر تبصرہ کرنے سے قبل میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ (مدیرہ) بہت خوب صورت فیڈ بیک دیتی ہیں اپنی قارئین کو، چاہے ان کے تبصرے جیسے بھی ہوں۔

شعاع مئی کے ٹائٹل پر ماڈل کافی خوب صورت لگی، پہلی شعاع ایز یوجوئل بہترین، حمد و نعت اے ون، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ہمیشہ کی طرح کافی سبق آموز ہیں، "عید کے رنگ" سروے صائمہ گل (مردان) کا بے ساختہ پن بہت پسند آیا، "سب بہنوں کے ناتے پڑھ کر اپنے کیے گئے فیصلے کو تقویت ملتی ہے۔"

دھوپ دریچہ" فی الحال مصروفیات کی بنا پر پڑھ نہیں پا رہی ہوں (چونکہ سلسلہ وار ہے)، "بس تھوڑی سی بے وفائی" امت العزیز آپی، جب بھی لکھتی ہیں کمال لکھتی ہیں۔ مرکزی کردار داؤد خان، بہت پسند آیا "چاندی کے گھر" ایمن علی، نئی لکھاری ہیں لیکن بہت حقیقی و حالات حاضرہ میں رونما ہونے والے کیسز کی عکاسی کرتا ہوا، لکھا ہے دوسری قسط کا انتظار ہے۔ "ماہ الملوک" نگہت سیما نام ہی کافی ہے۔

افسانوں میں تمام لکھاریوں کی تحاریر پسند آئیں خاص کر قانتہ رابعہ کا افسانہ دل کرتا ہے قانتہ جی کے ہاتھ چوم لوں، قلم کا حق ادا کرنا کسے کہتے ہیں انہیں پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے۔

لازوال بہترین تحریر رہی، اہل غزہ کی جہد مسلسل، صبر و استقلال، استقامت و پائیداری واقعی جس قوم میں یہ خصوصیات موجود ہوں وہ کبھی سرنگوں ہو ہی نہیں سکتی ،حماس کے بہترین کمانڈروں کی شہادت، اسماعیل ہنیہ، یحییٰ السنوار، ابھی کچھ دن پہلے القسام بریگیڈ کے ترجمان ابوحمزہ (ایک بہادر خوب صورت نوجوان) کی شہادت نے اہل غزہ کے حوصلے اور بلند کر دیے ہیں، وہ جدوجہد کر رہے ہیں، اور وہ واقعی مزاحمت کر رہے ہیں دنیا کے سپر پاورز کے سامنے، ان کی مزاحمت ان شاء اللہ العزیز ایک دن اپنا رنگ دکھائے گا، آپ سب قارئین فلسطین کو اپنی ہر وقت کی دعاؤں میں یاد رکھیں، اس طرف سے یک لحظہ کے لیے بھی غافل نہ ہوں، اور جہاں تک آپ کی رسائی ہے (سوشل میڈیا ہو یا پرنٹ میڈیا) اپنے قلم کے ذریعہ جس بھی طریقے سے ان کے لیے آواز بلند کیجیے۔

پیاری فاطمہ! آپ کا ہمیں خط لکھنے کا فیصلہ بالکل درست اور بہت اچھا تھا ورنہ ہم اتنے اچھے خط سے محروم رہتے۔ ہم آپ کو شعاع کی محفل میں خوش آمدید کہتے ہیں۔ آپ کے خیالات بہت اچھے لگے بلاشبہ آپ بہت اچھی سوچ کی مالک ہیں۔

شفقت فردوس نے بھلوال سرگودھا سے لکھا ہے

شعاع مئی 2025ء کا شمارہ پڑھا، افسانے سب ہی اچھے تھے۔ ماریہ غزال کی تحریر ابھی کچھ دن لگیں گے نے آنکھیں نم کر دیں۔ لبنیٰ آصف کا افسانہ ادھوری دعا پڑھ کر سوچا کہ انسان ہل من مزید کی خواہش میں جو موجود ہو اس سے بھی لطف نہیں لے پاتا۔ لبنیٰ آصف کی بعض تحاریر کا اختتام بہت اچانک اور جلدی ہو گیا محسوس ہوتا ہے جس سے ادھورا پن محسوس ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ سب نہیں بعض۔

امت العزیز کی تحریر بس تھوڑی سی بے وفائی نے باندھ کر رکھا کہ ایک ہی نشست میں پڑھے بنا اٹھا نہیں گیا۔ موضوع پرانا تھا لیکن کہانی کی بنت بہترین، کیا واقعی داؤد جیسے کردار حقیقت میں بھی ہوتے ہیں؟ مجھے تو آج تک ایسے کسی کردار کی پرچھائی تک بھی نظر نہیں آئی۔ امید کا کردار کہیں کہیں بچگانہ محسوس ہوا۔ اور تیسرا کردار روشنی جو کہ اس پوری کہانی کی بنیاد تھا اس کو محض سرسری جگہ دی گئی۔ دلکش الفاظ و مناظر لیکن مجھے یہ ایک جملہ پوری کہانی کی جان محسوس ہوا، کیا ہم خاص مواقعوں پر دنیا سے گزر جانے والے اپنے پیاروں کو یاد نہیں کرتے۔

صائمہ نور کا افسانہ ''آخر وہ بھی'' بڑا دل گیر تھا۔ ایسی فطرت کے لوگوں کے ساتھ رہنا کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا۔

شازیہ الطاف کی تحریر کامیاب عورت بھی اچھی تحریر تھی۔ قانتہ رابعہ نے لازوال کو لازوال ہی لکھا دل پھٹا جا رہا تھا اور پھر اس کے بعد کچھ اور پڑھنے کا یارا نہ رہا......؟

آخر میں ایک گزارش کے ساتھ یہ کہنا چاہتی ہوں کہ شعاع، خواتین، کرن ان سب پرچوں سے بچپن سے ناتا جڑا ہے۔ اسی ناتے نے دل میں یہ خیال جاگزیں کیا کہ میں بھی کچھ کہوں کچھ ان کہے احساس لفظوں کے تانے بانے سے کچھ ادھورے خیال تراشوں، دیکھوں کہ وہ مجسم کیسے لگتے ہیں۔ کئی بار خط بھی لکھے لیکن برسوں پہلے 2007 میں سوائے پہلے خط کے کچھ شائع نہ ہوا۔ میں بذریعہ ڈاک تین مرتبہ مختلف افسانے بھیج چکی ہوں۔ ایک افسانہ اسٹیٹس کے عنوان سے ای میل بھی کیا۔

پیاری شفقت! آپ کے خط شائع نہ ہوئے۔ اس کا ہمیں افسوس ہے یہ 2007 کی بات ہے اس لیے نہیں بتا سکتے کہ ایسا کیوں ہوا۔ آپ کا ایک افسانہ موصول ہو گیا ہے جو آپ نے ای میل کیا ہے۔

ایچ ایس ایچ تحصیل سمبڑیال سے شریک محفل ہیں

پچھلے ماہ ہمارا خط مسترد ہو گیا تھا، وہ کیا ہے نا ہم رہ بھی نہیں سکتے اور سہہ بھی نہیں سکتے۔ ماڈل بس ٹھیک تھی ویسے ایک بات تو بتائیں ماڈل کا پورا لک دینے میں کیا قباحت ہے۔ اب آتے ہیں نگہت سیما کے ناول کی طرف تو آزین پہ بہت غصہ ہیں ہم۔ اس کی حرکت کی وجہ سے ہونا تو یہ چاہیے کہ زینیل شایان کو ملے۔ تھوڑی سی بے وفائی مزے کی اسٹوری تھی تینوں کے ناموں (روشنی، دیا اور امید) نے گہرا رنگ دیا اس ناول کو۔ ویری ویل ڈن۔ "چاندی کے گھر" ماہم خواہش نفس کی تکمیل میں رسوائی کے گڑھے میں گر گئی۔

مریم عزیز نے اپنے ناول میں اتنے کرداروں کی بھرمار کر دی ہے۔ کچھ خیال کریں پلیز ہمارے دماغ کی دہی بن رہی ہے۔ افسانے سارے اچھے تھے۔ قانتہ بازی لے گئیں۔ ٹاپ آف دی لسٹ لازوال تھا۔ پرنم آنکھوں سے پڑھا، بہت خوب قانتہ جی، آسیہ جہ میں آپ کی تحریر کی منتظر ہوں جلدی سے لائیں، اور ہماری فرزانہ کھرل نے ناول بھیجا بقول آپ کے طوالت کی بنا پر شائع نہیں کر رہے تو قسط وار کر دیجیے، یہ ظلم نہ کریں ہم پر۔ ہم اتنے مشتاق ہوتے ہیں فرزانہ کی تحریروں کے اور آپ۔

نازیہ رزاق کس گوشے میں چھپی ہیں اب ہمارا انتظار ختم کریں اور لے آئیں اپنی دلکش تحریر۔ اس کو دھونس سمجھیں یا ریکویسٹ۔ اب آتے ہیں اپنے فیورٹ سلسلے کی طرف فرخندہ آپ بہت زندہ دل اور چلبلی سی ہیں۔ خطوط کا سلسلہ سب کا پسندیدہ ہے اور کوئی رشتہ نہ ہوتے ہوئے بھی ہم سب ایک خوب صورت رشتے میں جڑی ہیں جہاں ایک دوسرے کے لیے احساس و فکر اور انسیت سب ہوتی ہے تو جناب اگر کوئی ویلکم نہیں کہہ پاتا تو ملول نہ ہوا کریں۔

پیاری بہن! ماڈل کی پوری تصویر دینے میں کوئی قباحت نہیں لیکن مجبوری یہ ہے کہ ہمارے پاس جو تصاویر آتی ہیں ان میں صرف چہرہ ہی ہوتا ہے۔ اور ہمیں ان میں سے ہی انتخاب کرنا ہوتا ہے۔ تفصیلی تبصرے کے لیے شکریہ۔

مریم عزیز تک آپ کی شکایت پہنچا رہے ہیں۔

رضوانہ وقاص...... کرلاں ہری پور سے لکھتی ہیں

سر پر دوپٹا لیے ماڈل اچھی لگی۔ خواتین اور شعاع میں خط ایک ساتھ بھیج سکتی ہوں؟ آج بچوں کی چھٹی ہے اتوار کی تو لیکن جاگتی میں جلدی ہوں۔ کیونکہ میرے شوہر نے سلیڈا ایبٹ آباد اپنے کام سے جانا تھا۔ تو جلدی اٹھ گئے۔ ناشتا کیا ایک ساتھ۔ یہ چلے گئے۔ میں نے قران پاک کی تلاوت کی۔ بارش بھی ہونے والی ہے۔ بہت پیارا موسم ہو گیا ہے۔ جتنی گرمی تھی لیکن بارش سے موسم

اچھا ہوگیا۔ اللہ خیریت کی رحمت برسائے۔

"پہلی شعاع" پڑھی۔ فلسطین کی غیب سے مدد ہو۔ "پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں" واقعی میں بہت ہی پیاری ہیں۔ "ناتا جوڑا" ع۔ خ۔ بہن کا پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ آپ کی بات ٹھیک ہے پوچھنا چاہیے والدین کو لیکن پوچھ بھی لیں تو وہ کون سا سچ بتاتے۔ اللہ آپ کو مخلص ساتھی عطا کرے کیونکہ ایک لڑکی تنہا رہ کر دنیا کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔ "عید کے رنگ محبتوں کے سنگ" شکریہ جگہ دینے کے لیے انمول دعا خوش آمدید۔

زرینہ خانم لغاری۔ آپ کی بات پڑھ کر مجھے بہت ہنسی آئی۔ میرے گاؤں کا نام ہی آپ نے بدل دیا۔ مجھے چھپکلیوں سے اتنا ڈر لگتا ہے۔ تو میں اپنے گاؤں کے بارے میں لکھ رہی ہوں۔

کرل کا مطلب ہے مٹی میرے گاؤں کی مٹی بہت مشہور ہے۔ گاؤں میں زیادہ تر کچے مکان ہوتے ہیں گھروں کی چھتوں پر مٹی ڈالنے کے لیے لوگ ہمارے گاؤں سے مٹی لے کر جاتے ہیں گھروں کی سجاوٹ کے لیے بھی۔ تندور یا چولہا بنانے کے لیے بھی یہ مٹی استعمال ہوتی ہے۔

میرے شوہر جو کرکٹ کرواتے ہیں تو اس کی پچ کے لیے یہ ہی مٹی استعمال کرتے ہیں اپنے گاؤں کی اور تو اور جو ڈیم بنتے ہیں، ان کے لیے بھی یہی مٹی استعمال ہوتی ہے۔ اب جو نیا ڈیم چمکوا میں بن رہا ہے، تقریباً دو سال سے ٹرک کے ذریعے ادھر سے مٹی لے کر جا رہے ہیں۔ اگر کچھ اور پوچھنا ہو تو نمبر دیا ہے تو آپ کال کرسکتی ہیں یا پوچھ سکتی ہیں۔

کرلاں نام مٹی کی وجہ سے مشہور ہے۔ دور علاقوں سے بھی جن کو کہیں سے مٹی نہ مل رہی ہو۔ وہ ادھر سے لے جاتے ہیں۔

جویریہ حیدر رائٹر بننے کی مبارک باد۔ "ادھوری دعا" لبنیٰ آصف آپ اتنا اچھا لکھتی ہیں لیکن اس دفعہ مجھے سمجھ نہیں آئی جب روزینہ کی دعا قبول ہوگئی تھی تو پھر اس نے یہ کیوں بولا کہ کاش میں پوری دعا مانگتی۔ میرا دل کرتا ہے میری آپ سے بات ہو پلیز رابطہ کرنا ہے شکریہ۔

"بس تھوڑی سی بے وفائی" بہت اچھا لکھا امت العزیز نے۔ سوتیلی ماں امید اچھی لگی۔

میرے شوہر بھی کبھی کبھی مجھے بول دیتے ہیں۔ میں دوسری شادی کروں گا۔ تو میں کہتی ہوں اتنا اچھا کوئی نہیں جو بعد میں اچھا ہو تو بات بنتی ہے۔ لیکن کریں یا نہ کریں یہ ڈر ہمیشہ میرے ساتھ ہے اب۔ کیا کروں اللہ جی زندگی دیتی ہے تو صحت والی۔ بیماری اور محتاجگی والی زندگی کسی کو نہ دینا تھک جاتی ہوں کبھی کبھی بہت زیادہ۔ یہ کہانیاں پڑھ کر حوصلہ مل جاتا ہے۔ لیکن انسان ہوں ناں۔ امت العزیز کا مکمل ناول بہت اچھا لگا۔ "کامیاب عورت" عباس صاحب نے اچھا کیا ایسی بیویوں کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے جنہیں اپنے شوہر کی قدر نہ ہو۔ "ماہ الملوک" زل کا بھائی ہے شیخو بابا۔ مجھے تو پورا یقین ہوگیا ہے۔ شازیہ الطاف ہاشمی اور قرۃ العین ہاشمی کا آپس میں کچھ لگتی ہیں ضرور بتانا ہے۔ فاتحہ رابعہ نے فلسطین پر بہت اچھا لکھا۔ "ایک ہم" ہم مائیں کیا کریں، بچوں کو ہر کام میں اچھا دیکھنا چاہتی ہے۔ لیکن بچے اپنی مرضی کرتے ہیں۔ "باتوں سے خوشبو آئے" سب باتیں ہی بہت اچھی۔ "اس ماہ کی مسکراہٹیں۔" دھمکی میں نے اپنے شوہر کو بھی بولا پڑھیں پڑھ کر دونوں ہنستے رہے۔ گوشی جمال آپ کدھر گم ہوگئی ہیں۔

پیاری رضوانہ! آپ کا خط شائع کررہے ہیں ایڈٹ کرنا ہماری مجبوری ہے۔ اس کے لیے معذرت خواہ ہیں۔

لبنیٰ آصف کے افسانے میں روزینہ مرغن اور نت نئے کھانے بنا بنا کر تھک گئی تھی۔ قرۃ العین خرم ہاشمی اور شازیہ الطاف ہاشمی کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔

خواتین اور شعاع کے لیے ایک لفافے میں ساتھ خط بھیج سکتی ہیں۔

گوشی جمال ...... منڈی یزمان

کچھ بہنوں کی پرزور محبتوں نے گوشی جمال کو دوبارہ قلم آزمائی کا موقع فراہم کیا۔

بہن! رضوانہ وقاص آپ نے مجھے یاد کیا اور میں حاضر! بہنوں کے خطوط میں اپنا تذکرہ پڑھ کر خوش گوار حیرت ہوتی ہے۔ سب کی محبتوں کا تہہ دل سے شکریہ۔ خوش رہیں۔ "جب تجھ سے ناتا جوڑا" فہرست میں زلیخا خان جوں کی توں اٹکی ہوئی ہیں۔ حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں روحانی کیفیت طاری کرگئیں۔ سرورے

دلکشی کا لبادہ اوڑھے ہمراہ خط میں شکوے کے بقیہ رنگ کی بہت پیاری لگی۔ دروازے سے لگی۔ دو خواتین بیان کرتی نظر آئیں۔ "ظفر نکار ائیں نازش اور فاطمہ دستک دیتی نظر آئیں۔ معراج" بہت ہی معتبر شخصیت۔ اچھا کام ان کی پہچان۔ ڈھیر سارے گلابی رنگ کا چھڑکاؤ کرتی کسی آرٹسٹ کے قلم کا جادو جگاتی عورت ٹائٹل کا بہترین نمونہ پیش کرتے نظر آئی۔ اس بار گرمی نے اپریل میں ہی اپنے آگ برساتے جلوے بکھیر دیے۔ مئی میں پہلے آندھیوں نے خیر مقدم کیا پھر بارش کی پھوار سے خطا ہوئے اوسان بحال ہوئے۔

"دھوپ دریچہ" کامیابیوں کے جھنڈے گاڑے آگے بڑھ رہا ہے۔ بس تھوڑی سی بے وفائی نے افسردہ کردیا۔ الجھنوں کی گتھیاں سلجھاتے ہوئے نگہت سیما ماہ الملوک کے ساتھ حاضر ہوئیں، بالآخر اختتامی موڑ آن پہنچا۔ "چاندی کے گھر" دوسری قسط آجائے ایک ساتھ قصہ تمام کریں گے۔ "کامیاب عورت" حقیقت پر مبنی افسانہ سب سے ٹاپ پر لگا۔

گوشی بہن بہت شکریہ آپ نے ہماری محفل کو رونق بخشی۔

کائنات وزیر نے پشاور سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

جب میں ساتویں جماعت میں تھی تب سے شعاع اور خواتین کی مسلسل اور مستقل قاری ہوں۔

ایک مزے کی بات بتاؤں...... جب کسی کہانی یا ناول میں ہم بہنیں کسی کردار پر تبصرہ کرتی ہیں...... امی پلٹ کر پوچھتی ہیں...... "کیا ان کہانیوں میں یہ سب بھی نظر آتا ہے؟" ہم مسکرا کر کہتے ہیں...... "ہاں...... بالکل سب کچھ نظر آتا ہے...... ایسے جیسے ہمارے سامنے سب کچھ چل رہا ہو......"

"امی، اونہہ کر کے اٹھ جاتی ہیں......" بھلا ایسا کب ہوتا ہے...... کتابیں نہ ہوئیں...... ٹی وی ہو گیا...... ہم تادیران کی باتوں پر مسکراتے رہتے ہیں...... کبھی کبھار چڑ کر کہتی ہیں۔

"تم پاگل ہو گئی...... ان کتابوں نے تمہیں دیوانہ کردیا...... اب انہیں کون سمجھائے...... کہ کتابیں تو زندگی کے اصول وضوابط سکھاتی ہیں...... آپ کو معلوم ہے...... میں نے آج تک جو سیکھا ان رسالوں سے سیکھا...... بات کرنا، اٹھنا بیٹھنا...... میری شخصیت کے سنوارنے میں زیادہ تر ہاتھ آپ کے رسالوں یعنی شعاع وخواتین کا ہے۔

2021ء تک کے سارے رسالے پڑھتی رہی...... پھر کچھ مسائل کی بنا پر چند سال نہیں پڑھے۔ اب جنوری 2025ء سے دوبارہ لینا شروع کیا ہے...... ماشاء اللہ چند سالوں پہلے جس طرح چھوڑا تھا...... اتنے عرصے بعد اٹھایا تو بالکل ویسا ہی پایا...... زندگی میں اتنی تبدیلیاں آگئیں لیکن شعاع وخواتین کا معیار آج تک ویسے ہی برقرار ہے۔ جیسے پہلے تھا...... باتیں شروع ہو جائیں تو پھر ختم ہونے کا نام نہیں لیتی...... "ایک بات آپ سے کہنا چاہتی ہوں...... آپ کے پاس کسی بھی بہن کا کوئی خط...... کوئی افسانہ...... یا پھر نظم وغیرہ...... جو بھی پہلی بار آپ کے رسالے میں شرکت کرتا ہے...... ردی کی ٹوکری میں نہ ڈالیے...... پہلی بار نظر انداز کرنے کا ریجیکٹ کرنے کا دکھ بہت ہوتا ہے...... اور ہم آپ سے محبت کرتے ہیں۔ محنت کرنے والوں کا دل نہیں توڑتے......

پیاری کائنات! شعاع کی محفل میں خوش آمدید۔ ایک طویل عرصہ بعد آپ نے اپنی خاموشی توڑی اور شعاع کی محفل میں شرکت کی ہمیں بہت اچھا لگا۔

آپ جانتی ہیں آپ کے خط کی کون سی بات ہمیں بہت اچھی لگی اور اسے پڑھ ہمیں بے حد خوشی بھی ہوئی آپ نے لکھا، زمانے گزر گئے، وقت آگے بڑھ گیا لیکن شعاع اور خواتین کا معیار آج بھی برقرار ہے۔ اب آپ ہی کہیے کیا ہم کوئی بھی تحریر جو معیار کے مطابق نہ ہو صرف یہ سوچ کر لگا دیں کہ پہلی تحریر ہے مصنفہ کی؟ ہم ہر ماہ نئی مصنفین متعارف کراتے ہیں لیکن ہر تحریر تو شائع نہیں کرسکتے۔

صدف ناصر جڑانوالہ سے شریک محفل ہیں

سرورق گلابیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ "پہلی شعاع" نے تلخ حقائق اور سچائیاں بتا کر اداس کردیا۔ حمد اور نعت بہت اچھی خاص طور پر "ناصر کاظمی" کی نعت بہت پسند آئی۔ "پیارے نبی کی پیاری باتیں" دل میں اتر گئیں۔

"ناتا جوڑا" نے تو دل دہلا کر رکھ دیا۔ بہت اچھا اور بروقت فیصلہ کیا ماہ نور بہن نے۔

''عید کے رنگ'' اپنی دوستوں صائمہ گل، رضوانہ وقاص اور زرینہ خانم کے ساتھ پسند آئے۔
''دستک'' کی مہمان ''نازش جہانگیر'' اور ''فاطمہ آفندی'' اچھی لگتی ہیں۔ ''ظفر معراج'' سے تو ہم سب بہت متاثر ہوئے۔ تعلیم، پرسنالٹی اور سب ہی ڈرامے شان دار ہیں۔
شمارے لیٹ ملے تو تبصرے بھی لیٹ پوسٹ ہوئے۔ رضوانہ، فرخندہ، زرینہ، یسریٰ اور جویریہ حیدر نے محفل کو خوب سجایا ہے۔ ''انمول دعا، آساء فیاض اور ماہ رخ بلند سواتی کی شرکت بھی پسند آئی۔ جویریہ حیدر کی شکایت پر ہنسی آ گئی کہ افسانے پر دعا ایوب کا نام لکھا گیا۔
ناہید اسماعیل کی کمی رہی۔
''دھوپ دریچہ'' میں جا کر کچھ دیر ستائے کردار بہت زیادہ ہو گئے ہیں تحریر میں، مگر پھر بھی سب ہی اپنی جگہ شان دار سب سے اچھی اسٹوری زیمل کی ہے، زیمل کے ساتھ پوری فیملی کا سلوک قابل رشک ہے سیکنڈ فیورٹ کریکٹر ضامن اور اس کی فیملی کا ہے۔ اس کی پھوپھو کی بیماری نے افسردہ کر دیا۔
''چاندی کے گھر'' ایمن علی نے انتہائی نازک اور سنجیدہ ٹاپک کو بے حد روانی اور ہلکے پھلکے لکھ ڈالا۔ (ویل ڈن) ماہم کی اونچی اڑان نے اسے منہ کے بل گرانے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔
''تھوڑی سی بے وفائی'' بہترین تحریر، داؤد خان بہترین انسان اور شوہر، اس کی ''دیا'' کے ساتھ محبت نے از حد متاثر کیا، مگر تھوڑی سی بے وفائی نے دل بھی توڑ دیا، لیکن چلیں جانے والے تو چلے گئے۔ ''ماء السلوک'' کی اگلی آخری قسط کیسے اور کیوں کر بھئی؟؟ تاحال زین صاحب بگڑے ہوئے ہیں، وجدان غائب ہے، سمیرا کی اصلیت بے نقاب نہیں ہوئی، ثمرہ کا کوئی انجام نہیں، مرتضیٰ کسی طرف لگا نہیں، شانزے کی خوشیاں ادھوری ہیں، امان کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔
اتنا سب کچھ آدھا ادھورا ہے تو کہانی ختم کیوں نگہت؟
''فاتحہ رابعہ'' کو سلیوٹ پیش کرتے ہیں، جب جب لکھتی ہیں، چھا جاتی ہیں۔ فلسطین اور غزہ پر ان سے بڑھ کر کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔
''ایک ہم'' قرۃ العین خرم کا بہترین افسانہ۔
'ادھوری دعا' دلچسپ اور مزے کا افسانہ رہا۔ دعا ادھوری نہیں تھی۔ روزینہ ناشکری تھی۔
''ابھی کچھ دن لگیں گے۔'' نے اداس کر دیا۔
''آخر وہ بھی نے ہنسا دیا، کیونکہ ''ثومیہ'' کی ساس جیسے لوگوں سے ہمارا بھی بڑا واسطہ پڑتا رہا۔'' کامیاب عورت'' نے متاثر کیا۔
'مستقل سلسلوں'' کی رونق ملاحظہ فرمائی۔ ''ذرا سا ہجر سہتے ہیں۔'' شازیہ رباب کا انتخاب اچھا لگا۔
''باتوں سے خوشبو'' میں گئے تو ''یونانی کہاوت بیٹی اور درخت'' نے دم بخود کر دیا۔ بقول یونان۔
''ایک بیٹی اور ایک درخت، دونوں کا گھر میں ہونا ضروری ہے، کیونکہ درخت ہمیشہ دھوپ میں سایہ دیتا ہے اور بیٹی ہمیشہ درد میں ساتھ رہتی ہے۔''
بہت بڑی بات لکھ ڈالی۔ ویل ڈن!
پیاری صدف! پچھلے ماہ آپ کا خط نہ ملنے پر ہم تشویش میں مبتلا ہو گئے تھے۔ لیکن ہماری تشویش اس وقت افسوس میں بدل گئی جب آپ کا خط موصول ہوا کیونکہ اس وقت تک پرچا پریس جا چکا تھا۔
اس ماہ بھی ہم نے شعاع کی محفل میں آپ کا پچھلے ماہ کا خط شامل کر لیا تھا کہ آپ کا خط مل گیا۔ ہم نے آپ پچھلا خط روک کر تازہ خط شامل کیا ہے۔ اگر یہ ایک دن بھی لیٹ ملتا تو شامل نہ ہو پاتا۔

بہن ریحانہ چودھری نے مدو کے اندھیر سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

غیر حاضری لمبی ہی ہو گئی بڑے بھائی جان (چوہدری اعجاز خالد وڑائچ) کی وفات کے بعد تعزیت کے لیے آنے جانے والوں کی مصروفیت اور کچھ دل کی حالت بھی بہت دگر گوں تھی۔ مگر پھر وہی بدلتی رتیں بدلتے رشتے، بدلتے چہرے وقت کے ساتھ کیا کچھ نہیں انسان دیکھ لیتا مگر خیر جہاں اور بہت کچھ دیکھا آپ سب مخلص لوگوں کی محبت اور احمل کی حوصلہ افزائی اور ہمت افزائی نے مجبور کر دیا قلم اٹھانے کو۔ میں صدف ناصر، ناہید اسماعیل اور خاص طور پر پشتو میں لکھی گئی اردو غزل جیسی پیاری ماہ رخ بلند سواتی کی ممنون ہوں کہ

آپ سب نے مجھے یاد رکھا۔ آپ پہ تو پیار آتا ہی ہے اپنے اوپر بھی پیار آجاتا ہے۔

صبح لگ بھگ ساڑھے تین بجے اٹھ جاتی ہوں نوافل وغیرہ ادا کر کے نماز تلاوت سے فراغت کے بعد سوا چار سے ساڑھے چار کے درمیان صبح کی سیر کے لیے مہناز، نویلہ۔ اسماء، عائشہ کے ساتھ قریبی گاؤں پیر کوٹ تک جاتے ہیں۔ اڑھائی میل واک کر کے گھر آتی ہوں تو ناشتا تیار ہونے کے لیے میرا منتظر ہوتا ہے۔ جلدی سے لسی بنا کے ایک چولہے پہ چائے کے لیے دودھ میں پتی الائچی اور دار چینی ڈال کے رکھتی ہوں اور دوسرے پہ کبھی خشک پراٹھے کہ پراٹھے کے اندر دیسی گھی لگاتی ہوں اوپر سے فرائی نہیں کرتی بلکہ کھمن روٹی توے سے اتار کے پھر لگاتی ہوں، توے پہ ہی انڈے فرائی اور آملیٹ کھانے والوں کی حسب منشا بناتی ہوں۔

دو تین روٹیاں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے پیک کر لیتی ہوں اور اسکول میں کھاتے وقت دعا کرتی ہوں یا اللہ جس کے نصیب میں یہ رزق لکھا ہے، اسے اسٹاف روم میں بھیج دے۔ سالن گھر سے لے جاتی ہوں سلاد وہیں بنا لیتی ہوں ساتھ چٹنی اور سبز مرچ نمک بھر کے فرائی کی ہوئی کیا ہی مزہ دیتی ہیں۔ کھجوریں بسکٹ وغیرہ میرے بیگ میں ہی ہوتے ہیں اب آٹھ اور نو پریڈ لگاتار پڑھاتی ہوں تو کھائے پیے بغیر تو کام نہیں چلتا ناں۔

ہمارے گاؤں کے کھیت سونا اگل کے اب مکئی کی سر بلند فصلوں کی سرسبز قطاروں سے سج چکے ہیں۔ جن کے پہلو سے مکئی کے ٹھٹے جھانکنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں ہمارے گھر کے سامنے ایک کھیت چھوڑ کے پانی کی ایک چھوٹی سی جھیل ہے جو گرمی کی شدت کی وجہ سے پانی کی قلت کا شکار ہے۔

میرے آنگن کے باغیچے میں کیاریوں میں فصلیں تبدیل ہو چکی ہیں۔ جہاں سردیوں میں پالک، میتھی، شکرے وغیرہ تھے اب وہاں سبز مرچوں، ٹماٹروں اور بینگن کے پودے پھلوں سے دامن بھرے بہار دکھا رہے ہیں۔ سبز مرچوں کے چھوٹے چھوٹے پودے مرچوں سے بھرے ہوتے ہیں، اسی طرح ٹماٹروں پہ بھی ماشاء اللہ بہت پھل لگا ہوا ہے۔ لیموں، مالٹے اور امرود کے پیڑ پھولوں سے بھر چکے ہیں رات کی رانی اپنی خوشبو سے پورے محلے کو معطر کرتی ہے مگر کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو، رضوانہ وقاص آپ کی ہمت قابل داد تحسین ہے۔ آسماء بنت محمد فیاض دعا اور مبارک باد آپ یقیناً ایک دن ایک نامور مصنفہ بنیں گی۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ انہی صفحات میں زینب نور کو بھی پیشگی مبارک باد دی تھی اور دعا بھی۔

پیاری بلکہ بہت ہی پیاری جویریہ حیدر ملغانی آپ کو مصنفہ بننے کی بہت بہت مبارک باد، آپ والا معاملہ ہمارے ساتھ بھی ہو چکا ہے۔ آپ کا اخروٹی حلوہ اور دودھ پتی کا بہت مزہ آیا بہت تکلیف کی آپ نے مگر آپ کی تواضع کا بہت لطف آیا۔

ایچ ایس ایچ ہم ایک ہی علاقے سے ہیں، ہوسکتا ہے کبھی کسی تاج مارکیٹ یا نیڈز یا مال آف سمبڑیال کے آس پاس ایک دوسرے کے اریب قریب سے بھی گزر رہا ہو۔ مگر چہروں سے نا آشنا ہونے کی وجہ سے پہچان نہ سکے ہوں بلکہ آپ نے تو نام کا بھی پردہ رکھا ہوا ہے۔ چلیں جی جو مزاج یار میں آئے۔ رضوانہ وقاص آپ کا انتخاب کردہ شعر پڑھا مگر آپ خوابوں کو حقیقت میں بدلنے والی ہستی ہیں آپ تو پھولوں کو دامن میں بھرے خود ایک گلستان ہیں جہاں تتلیاں آپ کے تعاقب میں ہیں۔ سلامت رہیں۔

نازش جہانگیر اور فاطمہ آفندی سے ملاقات اچھی لگی۔ اور ظفر معراج جیسے ڈرامہ نگار کے خیالات و افکار سے آگاہی ان کے اندر چھپے ایک اچھے سچے انسان کو جاننے کا باعث بنی۔

دھوپ دریچہ کی پچھلی اقساط نہیں پڑھ سکی جس کی وجہ آپ کو بتا چکی ہوں۔

ذرا سا ہجر سہتے ہیں۔ شازیہ رباب خوب صورت خیالات کی ترجمان شاعری۔

نام ہی کافی ہے تحریر کے بہترین ہونے کے لیے جی ہاں میں ذکر کر رہی ہوں فاتنہ رابعہ کے افسانے لازوال پیتل کو سونا کرنے والی لازوال تحریر

احسن العزیز شہزاد کا مکمل ناول (بس تھوڑی سی بے وفائی) بہترین مکالموں پر مشتمل بہترین کہانی

ایمن علی کا مکمل ناول چاندی کے گھر پڑھا ماہم کی کم

بقیہ صفحہ نمبر 204 پر

مریم عزیز

دھوپ دریچہ

لاہور کے ایک بڑے بزنس مین غلام عباس کی خوب صورت بیٹی یونی ورسٹی میں پڑھتی ہے جہاں ایک لڑکا ثاقب اس میں دلچسپی لیتا ہے ہالہ اسے نظر انداز کرتی ہے۔ غلام عباس کا بڑا بیٹا حارث بزنس میں باپ کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ اس کی ناہید خالہ جو لاہور کے پسماندہ علاقے میں رہتی ہیں اپنی ماں کے کہنے پر ان کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے ان کی بڑی بیٹی کومل حارث کے خواب دیکھتی ہے جبکہ حارث کی منگنی بچپن ہی میں اپنے مرحوم چچا ایاز کی بیٹی زیمل سے ہو چکی ہے۔ زیمل کی ماں فرحانہ کی شادی اس کے لالچی بھائی وحید نے عبدالقدوس سے کر دی تھی زیمل اپنے ماموں کے پاس رہتی تھی اس کے ماموں ممانی اس کی شادی پیسوں کے لالچ میں کسی غنڈے سے کرانا چاہتے تھے۔

بیرون ملک سے آئی شاہانہ اپنی بھتیجی زیمل کو غلام عباس کے گھر لے آتی ہیں۔ ضامن اور فرقان

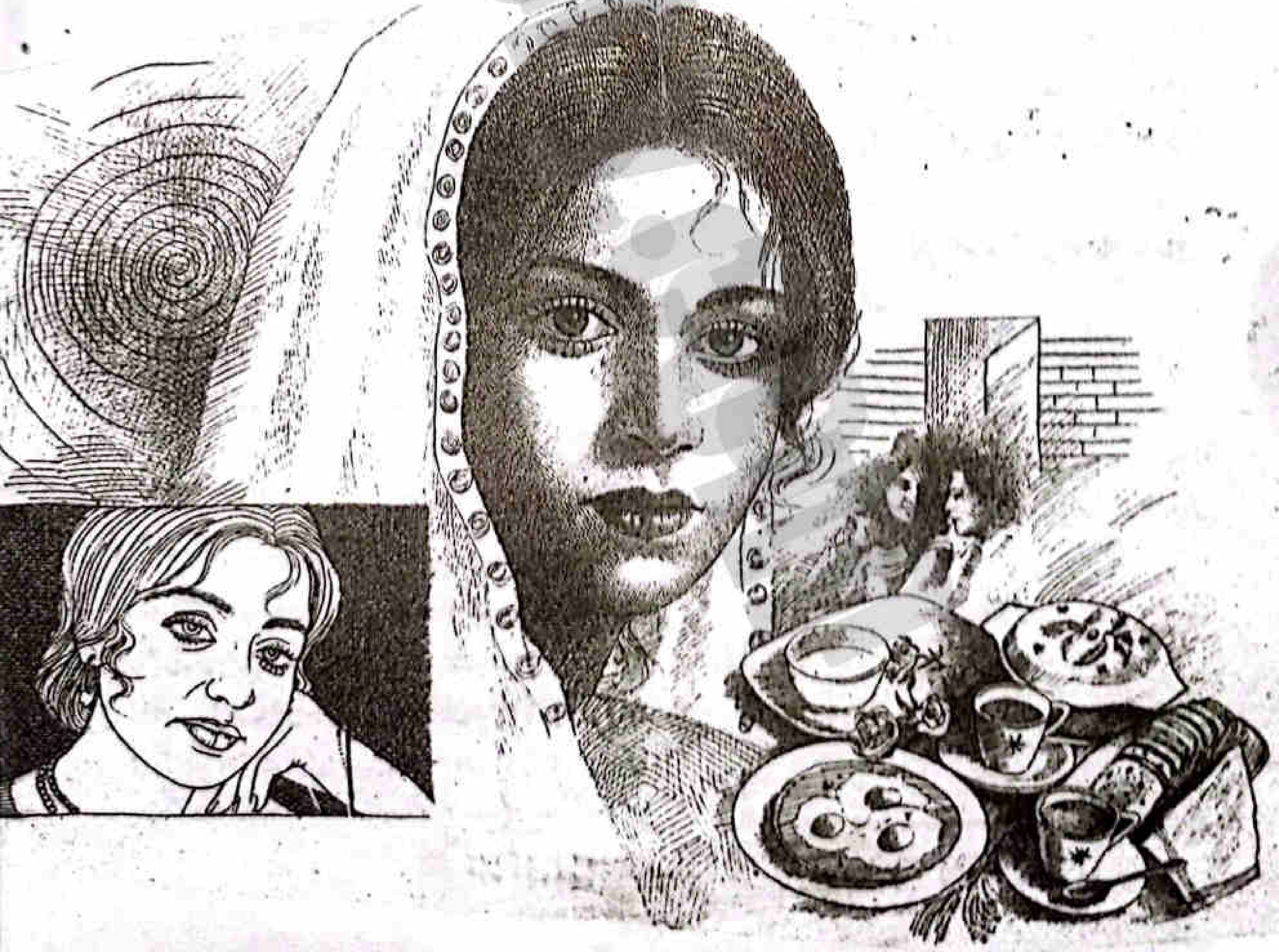

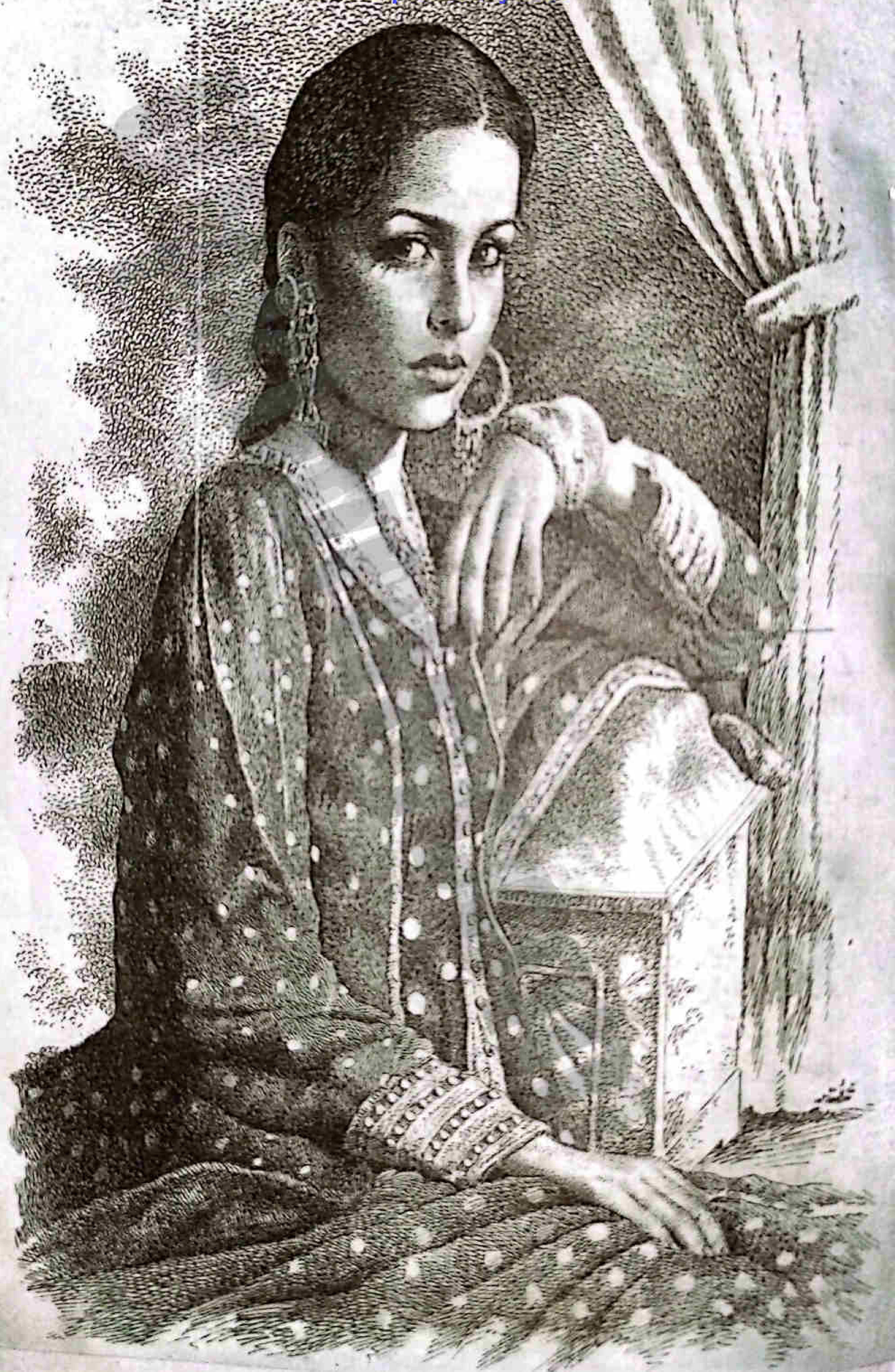

گہرے دوست ہیں ضامن کا باپ ہاشم اپنی بیوی شاہینہ سے رہتے ہیں جن کی کئی بہنیں کینیڈا میں رہتی ہیں۔
ضامن کی دوست علیزہ اب اس سے شادی کی خواہش مند ہے ایک فنکشن میں وہ ڈرنک کرتی ہے ضامن اس سے ناراض ہوتا ہے اور وہ معافی مانگتی ہے۔
کومل زیمل کے آنے پر خوف زدہ ہے وہ ہر حال میں حارث کو پانا چاہتی ہے اس کے لیے وہ نیند کی گولیاں کھا لیتی ہے مجبوراً حارث اس کو شادی کے لیے اپنا پہلا آپشن بتاتا ہے۔
عالیہ حارث کو زیمل کے خلاف بھڑکاتی ہے۔
علیزہ کا کزن سمیر پاکستان سے امریکا جاتا ہے اسے علیزہ پسند آجاتی ہے۔ جو اس کی ماں کی بھی پسند ہے۔
یونی ورسٹی کے چیئرٹی فنکشن میں فائن آرٹس کا پاسٹ لڑکا ثاقب کا ہاتھ دیکھ کر سچ بتاتا ہے۔ جسے ثاقب جھوٹ قرار دیتا ہے جبکہ ہالہ کو کسی سازش کا شکار بتاتا ہے۔
ضامن کی پھوپھو اور ان کا بیٹا اسد امریکہ جاتے ہیں پھوپھو کو کینسر ہے اور وہ اپنے بھائی سے چھپاتی ہیں لیکن ضامن اسد سے اگلوا لیتا ہے۔ زیمل کے ماموں وحید کے گھر اس کا نام نہاد منگیتر سردار اپنے غنڈوں کے ہمراہ زیمل کی تلاش میں آتا ہے۔

ساتویں قسط

بارش کے بعد موسم خوش گوار ہو گیا تھا۔ وہ چھت پر آ گئیں جہاں تیز چلتی ٹھنڈی ہوا انہیں سکون دے رہی تھی۔ قدیم طرز پر بنا لیکن جدید سہولتوں سے مزین یہ گھر وسیع رقبے پر پھیلا ہوا تھا۔ جس میں تین خاندان آباد تھے۔ ان کی ساس بیوہ نند اور اس کے دو بچے......
دوسرے پورشن میں ان کے جیٹھ جیٹھانی بچے اور اوپر والے پورشن میں وہ ان کا شوہر اور بیٹی...... ان کے شوہر مقصود زیادہ تر شہر سے یا ملک سے باہر آتے جاتے رہتے تھے گھر میں ان کا قیام کم ہوتا تھا جبکہ ان کا لاڈلا چہیتا بیٹا، ان سے دور دوسرے شہر میں تعلیم کے سلسلے میں گیا تھا۔
کوئی بھی اس کے حق میں نہیں تھا کہ ثاقب اتنی دور جا کر پڑھے یہاں بھی بہت سی اچھی اچھی یونی ورسٹیاں تھیں...... ثاقب بھی ان سے خاص طور پر اپنی ماں سے دور نہیں جانا چاہتا تھا لیکن ان کی ضد کے آگے کسی کی نہیں چلی سب کافی عرصہ ان سے ناراض رہے۔ انہیں بے حس، سنگ دل کٹھور پتا نہیں کیا کیا القاب ملے لیکن یہ وہ ہی جانتی تھیں، کیسے اپنے دل پر پتھر رکھ کر انہوں نے اپنے بیٹے کو خود سے دور کیا ہے۔ دنیا اور گھر والوں کے لیے وہ تعلیم کے حصول کے لیے اپنوں سے دور گیا تھا جبکہ حقیقت میں وہاں جانا کیوں ضروری تھا یہ صرف وہ اور ثاقب ہی جانتے تھے۔
''ممی''! چہل قدمی کے ساتھ ان کا دماغ بھی مختلف سوچوں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا جب کنزہ کی آواز پر وہ چونکیں۔
''پاپا آگئے ہیں۔'' کنزہ کی بات پر وہ حیران ہوئیں کیونکہ مقصود اتنی جلدی واپس نہیں آتے تھے۔
''کہیں ثاقب کی کوئی شکایت تو نہیں آئی۔'' اس خیال کے آتے ہی وہ پریشانی سے تیز تیز چلتی سیڑھیوں کی طرف بڑھیں...... راہداری کے کونے پر کھڑے ہو کر انہوں نے اپنے اور حواسوں کو بحال کیا کہ اگر کچھ گڑ بڑ ہوئی ہو تو وہ اس بگڑی سچویشن کو سنبھالنے کے لیے بالکل تیار تھیں...... بالوں کو ہاتھوں سے سنوار کر چہرے پر مسکراہٹ لیے وہ لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ جہاں مقصود صاحب ریلکس انداز میں صوفے پر بیٹھے تھے۔ وہ سلام کرتی چند قدم آگے بڑھیں۔
انہوں نے سنجیدہ انداز میں جواب دیتے ہوئے غور سے انہیں دیکھا وہ بھی غور سے ان کی جانب دیکھتی کچھ

اخذ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔
"مجھے دیکھ کر پریشان لگ رہی ہو۔" ان کے تیکھے انداز پر وہ الرٹ ہوئیں۔
"نہیں آپ اتنی جلدی آتے نہیں تو حیران تھی بس۔ آپ آرہے تھے تو خبر کر دیتے۔"
"کیوں تم کوئی پلاننگ کر رہی تھیں جو میرے آنے سے خراب ہوگئی۔" وہ طنزیہ انداز میں بولے۔
"عجیب باتیں کر رہے ہیں۔" وہ برا مان کر بولیں۔ "میں تو اس لیے کہہ رہی تھی آپ کے لیے کچھ خاص بنوا لیتی۔" ان کی تفصیل پر مقصود صاحب نے جیسے سر جھٹک کر خود کو مزید کچھ کہنے سے روکا۔
"چائے بنواؤں آپ کے لیے۔" انہوں نے گھڑی دیکھ کر پوچھا جہاں چار بج رہے تھے۔
"نہیں نیچے امی کے ساتھ پی کر آرہا ہوں۔" کہہ کر انہوں نے پاس رکھا اپنا موبائل اٹھا لیا جبکہ وہ ابھی تک وہیں کھڑی تھیں۔
"بیٹھ جاؤ۔" وہ موبائل اسکرین سے نظریں اٹھائے بغیر بولے تو وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں چلتی ان سے کچھ فاصلے پر جا کر بیٹھ گئیں۔
"ثاقب سے بات ہوئی تھی؟" وہ جورات کو پکانے کے بارے میں سوچ رہی تھیں چونک کر انہیں دیکھا۔
"جی تقریباً روز ہی ہوتی ہے۔"
"اچھا......" وہ جیسے حیران ہوئے۔
"مجھے تو فون نہیں کرتا اور میں اگر فون کروں تو اتنی مختصر بات کرتا ہے جیسے مجھ پر احسان کر رہا ہو۔"
"آپ کو پتا تو ہے وہ کم ہی بات کرتا ہے۔"
"ہاں ہر ایک کے لیے اس کے اصول مختلف ہیں باپ دادی سے بات کرتے ہوئے اس کے لفظ ختم ہو جاتے ہیں۔" ان کا تند لہجہ ان کے غصے کی ترجمانی کر رہا تھا۔ کنول نے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا تھا۔
"اگلے مہینے اس کی سالگرہ ہے تو اس سے کہو یہاں آجائے میں چاہتا ہوں اسی بہانے سب مل کر بیٹھ جائیں گے امی بھی اسے بہت یاد کر رہی ہیں۔ دنیا سے عجیب پڑھائی کر رہا ہے کہ گھر آنے کو دل ہی نہیں کرتا سات ماہ سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے اسے گئے۔ درمیان میں چھٹیاں بھی آئیں لیکن وہ لڑکا پتا نہیں وہاں بیٹھا کون سا خزانہ دریافت کر رہا ہے۔"
"میں بات کروں گی اس سے۔" ان کی دھیمی آواز پر مقصود صاحب نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔
"امی چاہتی ہیں کہ جب وہ آئے تو اس کی منگنی کر دی جائے۔" منگنی کے نام انہوں نے حیرت سے شوہر کو دیکھا۔
"منگنی مگر کس سے" وہ اب پریشان ہوئیں۔
"فیاض بھائی نے بھی بات کی تھی لیکن امی کی مرضی ثمینہ کی بیٹی کے لیے ہے۔" انہوں نے اپنی بہن کا نام لیا اب کہ انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔
"ابھی تو ثاقب پڑھ رہا ہے۔"
"ہاں تو ابھی کون سا شادی ہو رہی ہے۔ رسم ہی تو کرنی ہے اور پھر گھر کی ہی بات ہے۔" کہہ کر وہ رکے۔
"کیوں تمہیں کوئی اعتراض ہے۔" انہوں نے ابرو اچکا کر کنول کو دیکھا۔
"اگر اعتراض ہو ابھی تو کیا۔ ماں ہوں اس کی لیکن مجھ سے پوچھنے کی، صلاح کرنے کی کسی نے ضرورت محسوس نہیں کی۔" وہ اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے تحمل سے گویا ہوئیں۔
"اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں تمہیں اعتراض ہے؟"

"میرے لیے ثاقب کی خوشی سب سے اہم ہے اگر ثاقب کو اعتراض نہیں تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔"
"اور تمہیں کیا لگتا ہے کیا اسے اعتراض ہوگا؟" مقصود صاحب کا لہجہ سوالیہ سے زیادہ جانچتا ہوا تھا۔
"میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی جوان لڑکا ہے اس کی کوئی پسند بھی ہو سکتی ہے۔" وہ لاپرواہی سے کندھے اچکا کر بولیں۔ان کی بات سن کر وہ کتنی دیر خاموش رہے۔کنول کو لگا جیسے انہوں نے اپنی بات ان تک پہنچا دی ہے اور یہ ٹاپک یہاں ختم ہو گیا ہے۔وہ مطمئن ہو کر کھڑی ہوئیں جب مقصود کی آواز پر ان کے قدم رکے۔
"اگر ایسا ہے تو اس سے کہہ دینا کہ کوئی پسند ہو بھی تو بھول جائے اسے...... امی نے مجھ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ میں انہیں ہاں کر آیا ہوں اب۔اس کی پسند کی وجہ سے میں اپنی ماں کو انکار کر کے ان کی نظروں میں ذلیل نہیں ہو سکتا۔ پہلے ایک دفعہ اپنی من مانی کر کے ذلیل ہو چکا ہوں۔" ان کی آخری بات پر کنول کو لگا جیسے برسوں پہلے کسی کا مارا تھپڑ دوبارہ ان کے گال پر پڑا ہے،انہوں نے زخمی نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھا جو کبھی ان کی محبت تھا آنکھوں میں آنے والی بے ساختہ نمی کو چھپانے کے لیے وہ تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گئیں۔
ان کے جاتے ہی مقصود صاحب نے سر اٹھا کر اس طرف دیکھا جہاں وہ گئی تھیں ان کے چہرے پر اذیت کے تاثرات واضح تھے۔

☆☆☆

سگریٹ ہونٹوں میں دبائے وہ طائرانہ نظروں سے اردگرد کا جائزہ بھی لے رہا تھا۔پھر اس نے سگریٹ انگلیوں میں دبایا اور سامنے رکھا مشروب کا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔دو گھونٹ لے کر اس نے گلاس دوبارہ کاؤنٹر پر رکھ دیا اور ایک بار پھر نظروں کو کلب کی رونقوں پر جما دیا۔تبھی اس کے دونوں دوست مائیکل اور رمیز اسے اپنی طرف آتے دکھائی دیئے اور ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی جو یقیناً ایشین تھی وہ تینوں اس کے قریب آ کر رکے تو اس نے مسکرا کر ان تینوں کا استقبال کیا۔
"کب سے انتظار کر رہا ہوں۔" وہ انگریزی میں مائیکل سے بولا۔
"میں تو ریڈی تھا رمیز نے لیٹ کیا۔" مائیکل کی وضاحت پر حارب نے سوالیہ نظروں سے رمیز کو دیکھا تو اس نے ساتھ کھڑی لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔
"میٹ مائی کزن عروج۔" اس کے تعارف کروانے پر عروج نے مسکرا کر ہاتھ حارب کی طرف بڑھایا جو حارب نے مسکرا کر تھام لیا۔
"اس کی وجہ سے لیٹ ہوا ہوں یہ میرے ساتھ نیویارک گھومنا چاہتی تھی لیکن میں نے تم لوگوں کو ملنا تھا تو اسے بھی ساتھ لے آیا۔"
"کوئی بات نہیں آپ ہمیں جوائن کر سکتی ہیں۔" حارب نے اس سے اردو میں بات کی۔وہ چاروں اب ایک ٹیبل پر بیٹھ گئے تھے۔تھوڑی دیر بعد مائیکل کی گرل فرینڈ بھی آ گئی تو وہ اٹھ کر اس کے ساتھ ڈانس فلور کی طرف چلا گیا اب ٹیبل پر رمیز، حارب اور عروج تھے۔
"وہ ورک ویزا پر یہاں آئی تھی کافی کانفیڈنٹ اور فرینڈلی لڑکی تھی۔حارب کو اس کی کمپنی اچھی لگ رہی تھی۔واپسی پر رمیز اور عروج مائیکل کے بجائے اس کے ساتھ کار میں آئے تھے، باتوں کے دوران حارب اور عروج نے ایک دوسرے کے فون نمبر بھی ایکسچینج بھی کر لیے تھے انہیں ڈراپ کرتے ہی وہ گاڑی بھگا لے گیا تھا جبکہ وہ دونوں وہیں کھڑے اس کی جاتی گاڑی کو دیکھ رہے تھے۔عروج نے گردن گھما کر رمیز کو دیکھا۔
"تمہارا دوست تو کافی ہینڈسم ہے جیسا تم نے بتایا تھا اس سے زیادہ اچھا۔"
"اچھا اور ہینڈسم ہونے کے علاوہ امیر بھی بہت ہے اور پلس پوائنٹ یہ ہے کہ شوقین مزاج ہونے کے

ساتھ دلدار بھی ہے، اپنی گرل فرینڈ کو بہت خوش رکھتا ہے۔" رمیز نے خباثت سے ایک آنکھ دبا کر کہا۔
"مثلاً کیسے خوش رکھتا ہے۔" عروج نے بھی اسی کے انداز میں پوچھا۔

"مہنگے مہنگے گفٹس دے کر اور باقی...... تم خود سمجھ دار ہو۔" کہہ کر رمیز نے قہقہہ لگایا تو وہ بھی کھل کر ہنسی۔
"تو اس کا مطلب ہے مزہ آنے والا ہے" وہ دل ہی دل میں اگلی ملاقات کی پلاننگ کرنے لگی۔
"یہ تو اب تمہیں ہی پتا ہوگا آگے کیا کرنا ہے میرا کام تھا تمہیں اس سے ملوانا وہ میں نے کر دیا۔ اور اس سے مال سمیٹتے ہوئے مجھے مت بھول جانا جو اور جتنا مال بھی اس سے بٹورو گی ففٹی ففٹی ہوگا۔" وہ دونوں اب اپنی مطلوبہ بلڈنگ کی طرف چل رہے تھے۔
"تمہیں کیسے پتا کہ وہ مجھ سے دوستی کرے گا ابھی تو ایک ملاقات ہوئی ہے۔ وہ بھی نارمل۔"
"مجھے پتا ہے تم اسے پسند آئی ہو۔ اسی لیے تو اس نے تمہیں اپنا نمبر دیا ہے۔"
"ہوں۔" عروج نے سمجھ کر سر ہلایا اور لفٹ کے اندر داخل ہوگئی۔
"اب اس کی کال کا انتظار مت کرتی رہنا۔" لفٹ سے نکل کر وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی جب اس نے پیچھے سے رمیز کی آواز سنی تو رک کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
"مطلب۔"
"مطلب یہ کہ اس کی طرف سے پیش قدمی کے انتظار میں وقت ضائع مت کرنا خود سے رابطہ کر لینا۔"
"ٹھیک ہے۔" سر ہلا کر وہ لاک کھولنے لگی۔

☆☆☆

وہ فریش ہو کر باتھ روم سے باہر آیا تو سائیڈ ٹیبل پر رکھا اس کا موبائل بج رہا تھا۔ اس نے تولیے سے منہ صاف کرتے ہوئے موبائل پر نظریں ڈالی جہاں امی لکھا تھا۔ اس نے تولیہ صوفے پر پھینکا اور موبائل کان سے لگا کر بیڈ پر لیٹ گیا۔
"السلام علیکم امی۔"
"وعلیکم السلام، صبح سے کتنی کالز کر چکی ہوں حارب...... تمہیں اتنی توفیق نہیں ہوئی ماں کو کال ہی کر لو۔" دوسری طرف سے ماں کی ناراض آواز پر وہ مسکرا دیا تھا۔
"امی، صبح میں بزی تھا، اس لیے کال ریسیو نہیں کر سکا۔ غیاث سے بات ہوئی تھی، میری میں نے اس سے کہا تھا آپ کو بتا دے میں رات کو فون کروں گا۔"
"اس نالائق کو کہاں کچھ یاد رہتا ہے، سوائے مصباح سے باتیں کرنے کے۔" اس بات کا جواب دینا اسے مناسب نہیں لگا کیونکہ اگر یہاں وہ غیاث کی حمایت کرتا تو مزید شکوے سننے کو ملتے۔
"آپ کو مجھ سے ضروری بات کرنی تھی۔" وہ مدعے کی بات پر آیا۔
"کوئی خاص بات تو نہیں کرنی تھی...... بس اس دن تمہارے ابا بڑے مشکوک انداز میں تم سے بات کر رہے تھے۔ میں اندر گئی تو خاموش ہو گئے۔ کیا کہہ رہے تھے تم سے۔" انہیں تجسس تو بہت تھا جاننے کا کہ باپ بیٹے میں کیا بات ہوئی لیکن لہجہ انہوں نے سرسری سا رکھا۔
"کس دن کی بات کر رہی ہیں امی۔" حارب نے الجھ کر پوچھا۔
"تین چار دن پہلے...... جس دن تمہارے تایا آئے تھے، وہ ہالہ کے رشتے کی بات کر رہے تھے۔ بس یہ سننا تھا کہ تمہارے ابا یوں پریشان ہوئے جیسے ہالہ کا رشتہ نہیں، عمر قید کی سزا اسے سنائی جانے والی ہے۔" ان کی بات

سن کر وہ ہنس پڑا تھا۔
"مجھ سے بھی انہوں نے بات کی تھی۔اور مجھے بھی لگا کہ وہ ہالہ کے رشتے کی وجہ سے پریشان ہیں۔"
"تم سے ہالہ کے متعلق کیا کہا انہوں نے۔" وہ مزید اپنا تجسس نہیں چھپا سکی تھیں۔
"پوچھ رہے تھے اگر میری مرضی ہو تو وہ تایا ابا سے میرے اور ہالہ کے رشتے کی بات کریں۔"
"پھر تم نے کیا کہا۔"
وہ دانت پیس کر بولیں۔"مجھے کیا کہنا تھا میں نے منع کر دیا۔"
"شاباش۔" وہ بے ساختہ خوش ہوئی تھیں۔"تمہارے ابا نے تمہیں مجبور تو نہیں کیا؟"
"امی آپ کو پتا ہے وہ میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔اور پھر جیسا آپ مجھے ہالہ کے بارے میں بتاتی ہیں آپ کو لگتا ہے۔ایسی بے باک لڑکی سے میں شادی کروں گا۔" حارب کے جملے پر ایک پل کے لیے وہ سٹپٹا کر رہ گئیں وقتاً فوقتاً من گھڑت کہانیاں جو وہ حارب کو سناتی رہی تھیں، وہ خود کو بھول گئی تھیں لیکن حارب کو یاد تھیں۔اگر وہ یہ باتیں باپ کے سامنے کر دیتا تو یقیناً ان کی خیر نہیں تھی پر انہیں پتا تھا حارب کو ہالہ میں دلچسپی ہے نہیں تو وہ باپ تو کیا کسی اور سے بھی ہالہ کے متعلق کوئی بات نہیں کرے گا۔
"امی۔" ان کی خاموشی پر زور سے بولا۔
"ہاں۔" وہ چونکیں۔"بالکل صحیح کیا۔مجھے پتا تھا میرا بیٹا اتنا بے وقوف نہیں کہ باپ کی باتوں میں آجائے پھر بھی تمہارے باپ کی خاموشی پر مجھے پریشانی ہو رہی تھی۔سمجھ میں نہیں آرہا تھا ان کے دماغ میں چل کیا رہا ہے۔"
"جو بھی ہے امی، میں ابا کو بتا چکا ہوں۔مجھے ہالہ پسند نہیں اور مجھے لگتا ہے وہ سمجھ بھی گئے ہیں۔" حارب کے کہنے پر فضیلت نے بے ساختہ سکھ کا سانس لیا تھا۔
"چلو اچھا ہے" اب ان کی آواز مطمئن لگ رہی تھی۔
"تم کب آرہے ہو۔"
"دیکھیں۔" اس کا انداز ٹالنے والا تھا۔
"دیکھیں کیا......اتنے سال سے دیکھ ہی تو رہے ہیں مجھے سمجھ میں نہیں آتی حارب تم واپس کیوں نہیں آرہے۔"
"کیا ہو گیا ہے امی۔ آپ نے بھی ابا والے سوال کرنے شروع کر دیئے وہاں آکر کیا کروں گا۔بزنس سنبھال لوں گا زیادہ سے زیادہ۔وہ ابا بھی سنبھال رہے ہیں۔غیاث بھی آپ کے پاس ہے۔دوسرا مجھے آتا وہی ہے لیکن ابھی میں زندگی انجوائے کرنا چاہتا ہوں، ایسی روٹین والی بورنگ لائف کے لیے ابھی وقت ہے۔"
"تو کیا تم نے شادی بھی نہیں کرنی۔"
"کرنی ہے امی، لیکن بتایا تو ہے ابھی انجوائے کرنا چاہتا ہوں، شادی کے بعد زندگی بور ہو جاتی ہے۔"
"پتا نہیں کس بدبخت نے تمہیں شادی کے متعلق ایسی خبریں دی تھیں کہ تم نے شادی کا نام ہی بورنگ رکھ دیا ہے۔" ان کے لہجے پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
"اپنے دوستوں کے ایکسپیرینس بتا رہا ہوں۔"
"ان کی قسمت ان کے ساتھ ہے تمہارے دوستوں نے یہاں کی گوری چمڑی والی لڑکیوں سے شادیاں کیں جو سارا وقت باہر گزار دیتی ہیں نہ مذہب کا پتا نہ گھرداری کا......اچھی عورت زندگی میں آجائے تو وہ زندگی کو گلزار بنا دیتی ہے، معمولی سے گھر کو جنت بنا دیتی ہے دکھ سکھ کی ساتھی بنتی ہے تو مرد کی آدھی فکریں کم ہو جاتی ہیں۔"
"اچھا" دوسری طرف اس نے اپنی مسکراہٹ روک کر کہا۔

”ہاں تو اور کیا۔“ وہ سمجھیں جیسے ان کی باتیں اسے سمجھ آ گئی ہیں۔
”پر امی، آپ کو یہ باتیں کیسے پتا کیونکہ ابا تو ہر وقت شکایت ہی کرتے رہتے تھے پتا نہیں کیسی نکمی عورت میری زندگی میں آ گئی ہے۔“ اس کے کہنے پر دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔
”امی۔ اس نے مسکراتی آواز میں انہیں پکارا۔
”جیسا ناشکرا باپ ویسی ناشکری اولاد، میں ان کی فکروں میں کڑھ کڑھ کر ہلکان ہوتی رہتی ہوں اور یہ ماں کا دل جلا رہے ہیں۔“ ان کی ناراض آواز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔
”مذاق کر رہا تھا امی۔“
”اپنے بیہودہ مذاق اپنے پاس رکھا کرو۔“ ان کی آواز اب بھی برہم تھی۔ ”اتنے سالوں سے تم انجوائے ہی کر رہے ہو۔ ہم نے کبھی تمہیں روکا نہیں اب سیدھی طرح بتاؤ پاکستان آنا ہے یا نہیں۔“ ان کی دھمکی والے انداز پر وہ ہنسا۔
”دانت نکالنا بند کرو سیدھی طرح جواب دو پاکستان آنا ہے یا ماں کے مرنے پر آؤ گے۔“
”امی۔“ اب کے اس نے سنجیدگی سے انہیں پکارا۔ ”کیوں ایسی بری باتیں منہ سے نکال رہی ہیں۔“
”کیونکہ تم لوگوں کو یہی زبان سمجھ میں آتی ہے۔“
”اچھا اب دل برا نہ کریں، میں ان شاء اللہ جلدی پاکستان آؤں گا۔“
”ہاں کوشش کرو جلدی پاکستان آنے کی...... کیونکہ غیاث نے بھی کہہ دیا ہے وہ تمہارے بغیر کوئی فنکشن نہیں کرے گا۔“
”آپ کیا اس کی شادی کر رہے ہیں۔“ وہ چونک کر پوچھنے لگا۔
”پاگل ہو تمہارے بغیر شادی کیسے ہو سکتی ہے ابھی بس منگنی کریں گے۔ لیکن غیاث کہہ چکا ہے وہ تمہارے بغیر کچھ نہیں کرے گا۔“
”اور ایسا ہو سکتا ہے امی، بھائی کی خوشی میں، میں شریک نہ ہوں، ایک ہی میرا بھائی ہے۔“
”خوش رہو۔“ وہ مسکرا کر بولیں۔ ”اب تم آؤ گے تو میں نے تمہاری بات بھی پکی کر دینی ہے۔ آگے ہی سب رشتے دار باتیں کرتے ہیں بڑے کو چھوڑ کر چھوٹے کی منگنی کر رہی ہوں۔ ادھر عباس بھائی اپنے بیٹے اور بیٹی دونوں کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں حارث اور ہالہ دونوں تم سے چھوٹے ہیں، حارث نے اپنے باپ کا سارا بزنس سنبھالا ہوا ہے، ایک اس کے ماں باپ اس کی تعریف کرنے کے لیے کم تھے۔ تمہارے ابا بھی ہر آئے گئے کے سامنے حارث کی مثالیں دینا شروع کر دیتے ہیں۔“ فضیلت کے لہجے میں حسد محسوس کر کے حارب نے ہنکارا ابھرا۔
”تم نے اپنے لیے کوئی لڑکی تو پسند نہیں کی۔“ فضیلت کے سوال پر وہ مسکرایا۔
”فی الحال تو نہیں۔“
”تو کرنا بھی مت...... میں تمہارے لیے تمہاری ٹکر کی خوب صورت لڑکی ڈھونڈوں گی۔“
”ٹھیک ہے امی...... جیسے آپ کی خوشی۔“ وہ جمائی لیتے ہوئے بولا۔
”امی، میں سارا دن بہت بزی تھا، تھک گیا ہوں۔ نیند بھی آ رہی ہے، آپ سے کل بات کروں۔“
”ہاں ہاں بیٹا آرام کرو۔ خیال رکھنا اپنا۔“ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔
ابھی اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ آف کر کے آنکھیں بند کی تھیں جب بیل دوبارہ بج اٹھی۔
”اف۔“ اس نے کوفت سے موبائل اٹھایا اور دیکھے بغیر فون کان سے لگایا۔
”امی، میں نے آپ سے کہا بھی تھا، سونے لگا ہوں۔“

"اوسوری حارب" مجھے پتا نہیں تھا آپ اتنی جلدی سو جاتے ہو۔" دوسری طرف سے خوب صورت نسوانی آواز پر اس نے نہ صرف چونک کر آنکھیں کھولیں بلکہ فون کان سے ہٹا کر اسکرین پر فون کرنے والے کا نام بھی دیکھا۔

"عروج۔" اس نے کچھ حیرت سے اس کا نام لیا۔

"یس عروج۔" اس کی حیرت محسوس کر کے وہ شرارتی انداز میں بولی۔

"آپ اتنے حیران کیوں ہو رہے ہیں۔"

"کیونکہ میں ایکسپیکٹ نہیں کر رہا تھا کہ آپ اتنی جلدی کال بھی کر دیں گی۔" اس کی بات پر وہ شرمندہ ہونے کے بجائے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ہائے داوے آپ کو میرا اتنی جلدی کال کرنا برا لگا۔"

"خوب صورت لڑکی سے بات کرنا کسے برا لگتا ہے۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"آپ ہینڈسم ہونے کے ساتھ اویسٹ بھی ہیں...... یہ کومپلیمنٹ مجھے اچھا لگا۔"

"مجھے بھی آپ کا کومپلیمنٹ اچھا لگا۔" حارث کا اشارہ ہینڈسم کی طرف تھا۔

"ویسے میں معذرت چاہتی ہوں میں رات کے اس وقت اچانک کال کر دی، سونے لگی تو بار بار آپ کی صورت آنکھوں کے سامنے آ رہی تھی جب نیند نہیں آئی تو اٹھ کر بیٹھ گئی نیند آپ کی وجہ سے اڑی تھی تو سوچا آپ کی بھی نیند اڑائی جائے۔ لیکن اب لگ رہا ہے غلط کر دیا میں آپ کو مس کر رہی تھی ضروری تو نہیں آپ بھی مجھے یاد کر رہے ہوں، کون ایک ملاقات میں میری طرح پاگل ہو جاتا ہے سوری آپ آرام کریں۔" آخر میں وہ اپنی آواز میں افسردگی پیدا کرتے ہوئے بولی۔

"نو اٹس او کے میں ویسے بھی لیٹا تھا ابھی سویا نہیں تھا آپ کریں بات۔" وہ اب اٹھ کر بیٹھ گیا تھا اور بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی۔

"پہلے تو یہ آپ آپ کہنا بند کریں۔ آپ کو کیا میں اتنی بڑی لگتی ہوں۔" اس کے کہنے پر وہ کھل کر ہنسا۔

"آپ صرف بڑے کے لیے استعمال نہیں ہوتا، یہ رسپکٹ دینے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔"

"لیکن میرے نزدیک آپ سے زیادہ تم میں اپنائیت ہوتی ہے اور مجھے آپ سے عزت نہیں اپنائیت چاہیے۔ اس لیے مجھے تم کہیں۔"

"او کے...... تم۔" وہ تم پر زور دے کر بولا۔

"اور اگر میں تم سے بھی یہی ڈیمانڈ کروں کہ مجھے تم بولو تو۔"

"تو کیا میں تمہیں تم کہوں گی کہا نا تم میں اپنائیت ہے اور تم مجھے اپنے اپنے سے لگتے ہو۔" عروج کے کہنے پر حارب نے ابرو اچکائے وہ اب اس سے مزید باتیں کر رہی تھی...... اور وہ جو تھوڑی دیر پہلے تھکن محسوس کر رہا تھا اب بڑے خوش گوار انداز میں عروج سے باتیں کر رہا تھا۔

☆☆☆

چھوٹے سے کمرے میں تین نفوس کی موجودگی کے باوجود خاموشی چھائی تھی اور اس خاموشی میں اکتاہٹ اور تلخی کا رنگ شامل تھا اور کچھ ایسے تاثرات ناہید بیگم کے چہرے پر بھی نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے بے زار نظروں سے سامنے بیٹھے اپنے شوہر کو دیکھا جو شاید آٹھ ماہ بعد آئے تھے۔ آٹھ ماہ بعد بھی ان کی یہ حاضری ناہید کو پسند نہیں آئی تھی وہ منتظر تھیں کہ آخر اتنی مدت بعد اپنی شکل دکھانے کا مقصد کیا ہے تب ہی عالیہ کچن سے ٹرے لیے باہر آئی جس میں چائے کے ساتھ سموسے اور کیک رکھا تھا" برتنوں کی آواز پر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا۔

"ابو، چائے۔"

"جیتی رہو۔" انہوں نے مسکرا کر عالیہ کو دیکھا وہ ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔

"ابو آپ رکیں گے نا۔" عالیہ نے بڑی آس سے پوچھا اس سے پہلے سلیم صاحب کوئی جواب دیتے ناہید بیگم بول پڑی تھیں۔

"کوئی ضرورت نہیں رکنے کی، جہاں سے آئے ہیں وہیں چلے جائیں تو بہتر ہے۔" عالیہ نے ناراضی سے ماں کو دیکھا جنہوں نے ہنہ کر کے منہ موڑ لیا، عالیہ نے طاہر کی طرف دیکھا کہ شاید وہ کچھ کہے لیکن وہ بڑے مگن انداز میں موبائل دیکھ رہا تھا۔

"ابو۔" ان دونوں کی طرف سے مایوس ہو کر اس نے دوبارہ سلیم صاحب کو پکارا۔

"جیسا میری بیٹی کہے گی۔" انہوں نے اسے بازو کے حلقے میں لے کر کہا تو وہ بے ساختہ خوش ہو گئی پیار کے اس مظاہرے پر طاہر نے موبائل سے نظر اٹھا کر سامنے باپ اور بہن کو دیکھا اور اٹھ کر باہر نکل گیا، عالیہ سے باتیں کرتے سلیم صاحب نے سنجیدگی سے جاتے ہوئے طاہر کی پشت کو دیکھا۔

"اپنے گھر میں سکون نہیں ہے میرے بچوں کا سکون برباد کرنے آ گئے۔" طاہر کے اٹھتے ہی ناہید بھی بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں، ان کی بڑبڑاہٹ سلیم صاحب نے بھی سن لی تھی۔ ان کے ہونٹ بھنچ گئے۔

"ابو چھوڑیں انہیں...... یہ ہر وقت بے زار ہی رہتے ہیں۔ آپ میرے کمرے میں چل کر آرام کر لیں اور یہ بھی بتا دیں کیا کھائیں گے میں منگوا لوں گی۔" سلیم صاحب نے شفقت سے اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں بیٹا، باہر سے منگوانے کی ضرورت نہیں جو بھی گھر میں بنا ہے کھا لوں گا۔"

"کومل نظر نہیں آ رہی۔"

"آپی گھر پر نہیں۔"

"کیوں۔" انہوں نے چونک کر پوچھا۔

"جاب پر گئی ہیں۔"

"اس وقت۔" وہ حیران ہوئے جہاں شام کے چار بج رہے تھے۔

"اسکول تو دو بجے بند ہو جاتا ہے۔"

"اسکول کی جاب تو آپی نے چھوڑ دی کہہ رہی تھیں محنت زیادہ اور معاوضہ کم ملتا ہے تو حارث بھائی نے یہ جاب ریفر کی تھی۔"

"حارث۔" انہوں نے پرسوچ انداز میں یہ نام لیا۔

"نفیسہ خالہ کے بیٹے۔" عالیہ نے ان کی الجھن رفع کی۔

"ہم۔" انہوں نے سنجیدگی سے ہنکارا بھرا اور دوبارہ نظر چھوٹے سے گھر پر ڈالی جس میں رہنے والوں کا دل بھی ان کے لیے اس گھر کی طرح چھوٹا تھا۔

"السلام علیکم امی۔" وہ سلام کرتی ہوئی ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

جب سامنے سے جواب نہ آیا تو اس نے نظریں اٹھا کر ماں کا چہرہ دیکھا جو غصے سے تنا ہوا تھا۔

"آپ کو کیا ہوا ہے۔"

"مجھے کیا ہونا ہے، یہ جا کر اپنے باپ سے پوچھو اسے کیا ہوا ہے جو یوں منہ اٹھا کر یہاں آ گیا ہے۔" ان کا لہجہ بیزاریت لیے ہوئے تھا جبکہ وہ باپ کی آمد کا سن کر خوش ہوئی تھی۔

ناہید نے غصے سے اسے گھورا۔

''یہ تو اچھی بات ہے کہ وہ آئے ہیں آپ کیوں اتنا ناراض ہو رہی ہیں؟'' ناہید نے غصے سے اسے گھورا۔

''تمہارا باپ جو مرضی کرتا رہے وہ کوئی بات نہیں اور میں ناراضی کا اظہار بھی نہیں کر سکتی، آٹھ مہینے بعد اپنی شکل دکھا رہا ہے تمہیں کیا لگتا ہے اسے اولاد کی محبت کھینچ لائی ہے۔ نہیں بلکہ ضرور اس کی پٹاری میں کوئی سانپ ہو گا جو ابھی تھوڑی دیر بعد نکالے گا پھر جب تم سب ناچو گے تب پتا چلے گا۔''

''امی آپ بھی بس ہر وقت ان کے خلاف بولتی ہیں۔ ابو نے ہمیں نہیں چھوڑا تھا بلکہ آپ انہیں چھوڑ کر آئی تھیں۔'' کومل کے کہنے پر ناہید نے آنکھیں پھاڑتے اسے گھورا۔

''واہ بی بی، واہ دو پیسے کیا کمانے لگی ہو تمہاری زبان کے ساتھ پر بھی نکل آئے ہیں۔ تم لوگوں کے فیوچر کے لیے اس دقیانوسی خاندان سے نکلی تھی جہاں پابندیاں اور رونے ہی ختم نہیں ہوتے تھے یہ جو تم تینوں اپنی مرضی سے زندگی جی رہے ہو یہ میری وجہ سے ہے اور آج تم مجھے طعنہ دے رہی ہو کہ میں تمہارے باپ کو چھوڑ آئی۔'' غصے کے مارے ناہید کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''آپ ہمارا فیوچر بنانے وہاں سے نکلی تھیں فیوچر کا پتا نہیں بنا ہے یا نہیں ہاں البتہ باپ کی شفقت سے ضرور محروم ہو گئے۔'' کہنے کے ساتھ اس نے صوفے پر رکھا اپنا بیگ اور دوپٹہ اٹھایا اور ننگے پاؤں چلتی اپنے کمرے کی طرف بڑھی جبکہ ناہید تلملائی ہوئیں اسے گھور رہی تھیں۔

رات کا کھانا لگ چکا تھا لیکن پہلے کے برعکس اب ماحول میں اتنی تلخی اور بے زاری نہیں تھی۔ ناہید کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اٹھا کر اس آدمی کو باہر پھینک دیں لیکن اپنی اولاد کے ہاتھوں مجبور تھیں، ان کی نفرت کے برعکس عالیہ کو باپ سے پیار تھا، کومل کبھی ماں کی طرف ہوتی تو کبھی باپ کی طرف، جبکہ طاہر غیر جانب دار تھا وہ باپ کے آنے پر اگر خوش نہیں تھا تو ناراض بھی نہیں تھا ہاں لیکن انداز میں بیگانگی نمایاں تھی ابھی بھی دونوں بیٹیاں باپ کے ساتھ باتوں میں مشغول تھیں ان کی دیکھا دیکھی طاہر بھی کوئی نہ کوئی بات کر رہا تھا۔ جبکہ بظاہر خاموشی سے کھانا کھاتی ناہید کا بی پی ہائی ہو رہا تھا۔

''اسکول کی جاب کیوں چھوڑ دی، وہ تو اچھی تھی گھر بھی جلدی آ جاتی تھی؟'' روٹی کا نوالہ توڑتے ہوئے سلیم صاحب نے کومل سے پوچھا۔

''پیسے بہت کم تھے ابو۔''

''ہاں بیٹا، وہ ٹھیک ہے لیکن تمہاری پاکٹ منی تو چل رہی تھی۔'' اس سے پہلے کومل کوئی جواب دیتی ناہید نے غصے سے پانی کا گلاس ٹیبل پر پٹخنے کے انداز میں رکھا۔

''جب کسی بات کا پتا نہ ہو تو مشورے نہیں دیتے۔ اس نے پاکٹ منی کے علاوہ گھر کے کتنے خرچے، دیکھنے ہوتے ہیں۔''

''کیا مطلب گھر کے خرچے میں ہر مہینے پیسے بھیجتا تو ہوں۔'' وہ کھانے سے ہاتھ روک کر ناہید کو دیکھنے لگے اور ان کی حیرت پر وہ طنزیہ انداز میں مسکرائی تھیں۔

''چند ہزار روپوں میں مہینہ نہیں گزرتا، اندازہ تو ہو گا مہنگائی کا کیا عالم ہے، بجلی کے بل ہی کمر توڑ دیتے ہیں، کھانا، کپڑا کوئی بیمار ہو جاتا ہے، کسی شادی، دعوت میں لین دین کرنا پڑتا ہے، تمہیں کیا لگتا ہے تمہارے چند ہزار سے ہمارا گھر چل رہا ہے؟''

''اگر ایسی بات ہے تو مجھے کہہ دیتے۔''

''ہاں...... وہ طنزیہ بولیں۔'' ہر بات تمہیں بتانی پڑتی ہے خود تو تمہیں کبھی پتا نہیں چلتا۔''

''امی پلیز کھانا کھائیں آرام سے۔'' کومل نے ناراضی سے ماں کو دیکھا۔

"ہاں ماں کو ہی ٹوکتی رہنا باپ کو کچھ نہ کہنا جسے کوئی ہوش ہی نہیں جو نجانے کس دنیا میں مگن ہے توفیق نہیں ہوتی حال، احوال پوچھنے کی آج پتا نہیں کیوں منہ اٹھا کر اور یہاں آ گیا۔ کھوا پنے باپ سے جو بم ہمارے سروں پر پھوڑنا ہے اب پھوڑ دے۔" ناہید بیگم نے بھڑاس نکالنے کے بعد سامنے دیکھا تو وہ تینوں انہیں دیکھ رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں بس کر دیں گے امی۔

"لعنت ہو تم جیسی اولاد پر۔" جب باتوں کا نتیجہ حسب منشاء نہ نکلا تو وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھ گئیں، جانتی تھیں ان کے بولنے کا کڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں اگر وہ آدمی نیت کر کے آیا ہے کہ وہ رکے گا تو وہ جتنی مرضی جلی کٹی سنا لیں۔ وہ مقررہ وقت پر ہی جائے گا۔

☆☆☆

تیزی سے چلتے ہوئے اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی، جہاں گیارہ بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔ اس کی سائیکالوجی کی کلاس پورے گیارہ بجے اسٹارٹ ہوتی تھی۔ اور سائیکالوجی کی پروفیسر مس عشرت سخت گیر ہونے کے ساتھ وقت کی پابند تھیں۔ زیمل کو ان سے بہت ڈر لگتا تھا۔ سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ میں چار بڑے ہال نما کمرے تھے اور چاروں میں سائیکالوجی کی کلاسیں ہوتی تھیں۔ ساری کلاسوں میں طالبات شور شرابا کر رہی تھیں۔ صرف ایک کمرے کا دروازہ بند تھا اور وہ کمرہ اس کی مطلوبہ کلاس تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے ہلکا سا دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔ تب ہی مس عشرت نے سر گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔

"یس کم ان۔" مس عشرت کی کرخت آواز سنائی دی۔ وہ اندر داخل ہوتے خالی کرسی کی تلاش میں آگے بڑھی۔ جب مس عشرت کی آواز پر اس کے قدم رکے۔

"کلاس دس منٹ پہلے شروع ہو چکی ہے۔ کہاں تھیں آپ۔" وہ اب عینک کے پار سے اسے گھور رہی تھیں۔

"میم میری لاسٹ کلاس ابھی ختم ہوئی ہے۔" وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"رول نمبر کیا ہے آپ کا 801 ٹھیک ہے آج آپ کی اٹینڈنس نہیں لگے گی۔" کہہ کر انہوں نے دوبارہ لیکچر شروع کر دیا جبکہ وہ مرے مرے قدموں سے سب سے آخر میں رکھی خالی کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔ لیکچر ختم ہوتے ہی وہ تیزی سے باہر کی طرف بڑھی۔ لیکن دو قدم کے بعد وہ منہ کے بل گری۔ منہ کا بچاؤ تو کر لیا تھا پر کہنی اور گھٹنوں پر بڑی زور سے لگی تھی۔ اوپر سے ان چار لڑکیوں کے قہقہوں پر اس کا خون مزید خشک ہوا۔

"کیا ہوا مس ہڑلونگ دھیان کہاں تھا تمہارا...... اتنی بڑی ٹانگ نظر نہیں آئی۔" اس لڑکی نے اپنی ٹانگ کی طرف اشارہ کیا جس نے اسے گرایا تھا۔ زیمل نے گہرا سانس لے کر اپنے زخمی گھٹنے اور کہنی کو دیکھا۔

"اتنی بڑی بڑی آنکھوں میں جو سبز نگینے فٹ ہیں ان سے دکھائی بھی دیتا ہے یا نہیں۔" اس کی دوسری دوست نے اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا۔ زیمل نے خاموشی سے اپنا بیگ اٹھایا جو مٹی میں گرنے کی وجہ سے گندا ہو گیا تھا۔

"ارے تم تو یوں دوپٹہ لپیٹ کر آتی ہو جیسے تمہارا یہاں لڑکیوں سے بھی پردہ چل رہا ہے۔" کہنے کے ساتھ اس تیسری لڑکی نے جھٹکے سے اس کے سر پر لیا ہوا دوپٹہ کھینچا۔ اتنی بدتمیزی پر زیمل کی آنکھیں بے ساختہ نم ہوئی تھیں۔

"مسئلہ کیا ہے تم لوگوں کے ساتھ؟" اس نے ایک غصیلی آواز سنی تو زیمل نے بے ساختہ دھندلی نظروں سے اسی طرف دیکھا۔

وہ فریحہ تھی۔ اس کی کلاس فیلو جو چلتی ہوئی ان چاروں کے سامنے آ کر رکی۔

"کیوں تنگ کر رہی ہو اسے۔"
"تنگ تو نہیں کر رہے، بات ہی کر رہے ہیں۔" پہلی والی فریحہ کو صفائی دیتے ہوئے بولی۔
"وہ جب تم لوگوں سے بات نہیں کرتی تو تمہیں بھی اس سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے بس اتنا ہی سنا تھا وہ ان سب کو بحث کرتا چھوڑ کر وہاں سے نکل آئی تھی۔
گراؤنڈ کے آخری سرے پر بے بینچ پر بیٹھ کر اس نے آنکھوں میں امڈنے والے آنسوؤں کو بہہ جانے دیا۔ کیونکہ فٹ بال گراؤنڈ کا یہ سرا اندر سے سنسان تھا۔ اسے داخلہ لیے چھ ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا۔ شروع میں صرف کتابیں مشکل لگتی تھیں لیکن آہستہ آہستہ جب وہ آسان لگنے لگیں تو ارد گرد کا ماحول مشکل لگنے لگا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی اکیلی تھی۔ کیونکہ غلام عباس نے کہہ دیا تھا انہیں فضول کی دوستیاں پسند نہیں تو اس نے کسی سے دوستی کرنے کی کوشش نہیں کی...... لیکن پچھلے کچھ عرصے سے یہ چار لڑکیوں کا گروپ اسے بہت تنگ کر رہا تھا، وہ اس کی ہر کلاس میں پہنچ جاتی تھیں چاہے وہ ان کی ہو یا نہ ہو۔ پہلے انہوں نے اس سے دوستی کرنے کی پوری کوشش کی جب اس نے نظر انداز کیا تو وہ یوں اسے چھیڑنے لگی تھیں۔ ان لڑکیوں کا شمار کالج کی بدنام لڑکیوں میں ہوتا تھا۔ نئی لڑکیوں کو تنگ کرنا۔ ان سے پیسے چھیننا، لڑکیوں سے دوستی کر کے انہیں غلط کاموں کے لیے مجبور کرنا۔ غرض ہر برا کام ان سے جڑا تھا۔ زیمل کو ان سے بہت ڈر لگتا تھا، وہ جہاں انہیں دیکھتی، ڈر کر چھپ جاتی پر کب تک۔ وہ اسے ڈھونڈ لیتی تھیں اور تنگ کرتی تھیں۔ اسے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیسے وہ گھر میں بتائے، اگر وہ گھر میں بتاتی تو شاید سب اس کا مذاق اڑاتے کہ وہ لڑکیوں سے ڈرتی ہے پر وہ کیا کرتی اسے ہر برے انسان سے جس کی آنکھوں میں یا لمس سے غلاظت محسوس ہوتی ڈر لگتا تھا۔
جب بھی اس نے کسی ایسے انسان کا پردہ فاش کرنے کی کوشش کی تو الٹا اسے ہی مارا اور ڈرایا گیا تھا۔ کوئی اس کی مدد نہیں کر پایا تھا۔ حتیٰ کہ اس کی سگی ماں بھی نہیں۔ اس نے دوپٹے سے اپنے گیلے چہرے کو صاف کیا۔ تبھی کوئی دھپ سے اس کے قریب آ کر بیٹھا۔ ڈر کے مارے زیمل کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔
"ریلیکس یار میں ہوں۔" اس کی اڑی رنگت دیکھ کر فریحہ نے اسے ریلیکس ہونے کا اشارہ کیا، زیمل نے جلدی سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر آنسوؤں کو صاف کیا۔
"تم رو رہی ہو؟" فریحہ نے چہرہ جھکا کر اس کا چہرہ دیکھا۔
"نہیں۔" اس نے جلدی سے نفی میں سر ہلایا۔
"رو تو تم رہی ہو اب یہ الگ بات ہے کہ تم مجھے بتانا نہیں چاہتی۔" زیمل نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔
"میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہی تھی۔" زیمل نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
"ہماری انگلش کی کلاس سیم ہے اور میں اکثر تمہارے ساتھ بیٹھتی ہوں یقیناً تم نوٹس نہیں کیا ہوگا؟" آخر میں وہ شرارتی انداز میں مسکرائی جبکہ زیمل سنجیدگی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کی سنجیدگی دیکھ کر فریحہ بھی سنجیدہ ہوئی۔
"کلاس کیوں نہیں لی۔" وہ اس سے ایسے بات کر رہی تھی جیسے پتا نہیں کتنی بے تکلفی ہو۔
"آج ٹیسٹ تھا۔ میری تیاری اچھی نہیں تھی۔" زیمل شرمندگی سے بولی۔
"تیاری تو میری بھی اچھی نہیں تھی لیکن میں نے جو بھی سمجھ آئی لکھ کر آ گئی۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔
زیمل دل ہی دل میں اس کی بہادری سے متاثر ہوئی ان کے درمیان پھر خاموشی چھا گئی وہ دونوں اب دور گراؤنڈ میں بیٹھی لڑکیوں کو دیکھنے لگیں جو فٹ بال کھیل رہی تھیں۔
"میں نے آپ کو تھینکس بھی بولنا تھا۔" زیمل کے کہنے پر فریحہ نے گردن گھما کر ارد گرد دیکھا اور پھر دوبارہ

زیمل کو۔

"مجھ سے کہہ رہی ہو۔"

"جی۔" زیمل کو فریحہ کی حیرت پر حیرانی ہوئی کیونکہ ان کے علاوہ اور وہاں کوئی نہیں تھا۔

"تم نے مجھے آپ کہا تو مجھے لگا پیچھے کوئی سینئر اسٹوڈنٹ کھڑی ہوگی۔" فریحہ نے کہتے ہوئے سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا تو زیمل اس کے انداز پر بے ساختہ مسکرائی تھی۔

"میں تمہیں تم کہتی ہوں تم بھی مجھے تم کہہ کر مخاطب کرسکتی ہو۔ ہم کلاس فیلو ہیں تو ظاہری بات ہے اچھے فیلو بھی ہوں گے۔"

"ہوں۔" زیمل نے مسکرا کر سر ہلایا۔

"مجھ سے دوستی کرو گی۔" فریحہ نے اپنا دایاں ہاتھ زیمل کی طرف بڑھایا جسے دیکھ کر زیمل کے چہرے پر کشمکش کی کیفیت۔

"ارے دوستی کرنا اتنا مشکل نہیں جتنا تم سوچ میں پڑ گئی ہو۔ یقین مانو میں بہت اچھی لڑکی ہوں اور بہت اچھی دوست ثابت ہوں گی۔" زیمل بھی اپنے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتی تھی کہ وہ انسانوں کو پہچان سکتی ہے لیکن دل کہہ رہا تھا کہ یہ لڑکی اچھی دوست بنے گی، اس نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

☆☆☆

دل دیا ہے جان بھی دیں گے اے صنم تیرے لیے

گاڑی میں محمد عزیز کی سریلی آواز گونج رہی تھی۔ فرقان کو پرانے گانے اتنے پسند نہیں تھے لیکن آواز اتنی سریلی تھی کہ وہ خاموشی سے پورا گانا سن رہا تھا۔ گانا ختم ہوتے ہی اس نے کار ڈرائیو کرتے ضامن کو دیکھا جو ضرورت سے زیادہ سنجیدہ لگ رہا تھا۔

"خیریت ہے مکھڑے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔"

"خیریت ہی ہے۔" وہ اب بھی سنجیدہ تھا۔

"اچھا۔" فرقان کا اچھا ایسا تھا جیسے یقین نہ آیا ہو۔

"یہ اتنا پرانا گانا کہاں سے ملا تمہیں۔"

"ڈیڈی کا فیورٹ ہے۔ لیکن مجھے بھی پسند ہے۔"

"وہ تو مجھے پتا ہے تمہارا اوپر کا ڈھانچہ ماڈرن اور جوان ہے پر اس جسم کے اندر کوئی بہت ہی بوڑھی روح کا بسیرا ہے۔" اس نے بہت پرزور دے کر کہا۔

"تمہیں برا لگ رہا ہے تو بدل لو۔"

"برا تو خیر نہیں لگ رہا بس تمہاری خاموشی بری لگ رہی ہے۔"

"میں پہلے بھی کوئی اتنی باتیں تو نہیں کرتا تھا۔" وہ سنجیدہ ضرور تھا پر اس کی ہر بات کا جواب دے رہا تھا۔

"کوئی پریشانی ہے؟" مذاق چھوڑ کر اب فرقان بھی سیریس ہوا تھا۔

"میں پریشان ہوں۔"

"انکل آنٹی کی لڑائی ہوئی ہے۔" وہ اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ تھا۔

"فی الحال تو نہیں ہوئی، مما پھوپھو کے ساتھ زیادہ فرینڈلی بی ہیو تو نہیں کر رہیں لیکن اگنور بھی نہیں کر رہیں۔ شاید مشی خالہ نے سمجھایا ہے۔"

"تو اس میں پریشانی والی بات کیا ہے۔" ساری بات سن کر فرقان بولا۔

''میں پھوپھو کے لیے پریشان ہوں انہیں کینسر ہے۔''
''اوہ''فرقان کے منہ سے نکلنے والی اوبے ساختہ تھی۔
''ان کے مالی حالات اتنے اچھے نہیں لیکن اس کے باوجود وہ صرف ڈیڈی سے ملنے آئیں۔شاید وہ اپنی بیماری کو لے کر ڈر گئی ہیں۔''
''یار''ڈرنا تو بنتا ہے۔''فرقان بھی سن کر اداس ہوا۔
''پھوپھو نے اسد کو بتانے سے منع کیا تھا لیکن میرے مجبور کرنے پر اس نے مجھے بتا دیا۔پر اس نے مجھ سے وعدہ لیا ہے کہ میں کسی سے بات نہ کروں کیونکہ پھوپھو نہیں چاہتیں وہ اپنے بھائی سے اتنا پیار کرتی ہیں کہ اس تکلیف اور مشکل کے باوجود ان سے ملنے آگئیں۔کتنی خواہش ہوگی ان کی کہ اپنے بھائی کو اپنی تکلیف اپنا درد بتائیں لیکن......صرف مما کی وجہ سے وہ کچھ نہیں کہہ سکتیں۔''
''اس میں آنٹی کا کیا ذکر۔''فرقان نے الجھ کر اسے دیکھا۔
''مما ڈیڈی کی فیملی کو پسند نہیں کرتیں اس لیے ڈیڈی اتنے سال پاکستان بھی نہیں گئے۔اب اگر پھوپھو اپنی بیماری کا ذکر کریں تو شاید مما کو لگے وہ ڈیڈی سے فنانشلی کوئی ہیلپ چاہتی ہیں۔
''لیکن اگر روبی آنٹی ایسا سوچتی ہیں تو اس میں حرج تو کوئی نہیں۔''
''بالکل صحیح پھوپھو کا ڈیڈی پر پورا حق ہے۔اور ڈیڈی کا بھی فرض ہے۔وہ اپنی بہن کی مدد کریں بغیر جتائے......بغیر کسی کی ناک میں لائے۔اگر ڈیڈی کو لگتا ہے مما کو پرابلم ہو سکتی ہے تو نہ بتائیں انہیں۔''
کہتے ہوئے اس نے گاڑی کا موڑ احتیاط سے کاٹا جبکہ فرقان پرسوچ انداز میں سامنے سڑک کو دیکھنے لگا۔
تھوڑی دیر بعد پھر ضامن کی گھمبیر آواز گاڑی میں گونجی۔
''میں پھوپھو کی ہیلپ کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے میں کسی کو جواب دہ نہیں اور نہ ہی میں ڈیڈی کی طرح مما سے ڈرتا ہوں......اور اگر مما کو پتا بھی چلا تو وہ میرے سامنے تو پھوپھو کو کچھ نہیں کہیں گی پیچھے سے باتیں سنا سکتی ہیں۔جو میں بالکل نہیں چاہتا میں بالکل نہیں چاہتا پھوپھو کی سیلف ریسپکٹ ہرٹ ہو۔''
''تو تم نے کیا سوچا ہے۔''فرقان کے پوچھنے پر اس نے گہرا سانس لیا۔
''میں نے سوچا ہے کہ میں اسد سے پوچھ کر پھوپھو کے اکاؤنٹ میں اماؤنٹ ٹرانسفر کردوں۔''
''اور اگر انہیں برا لگا تو۔''
''میں ان سے بات کرلوں گا۔''
''اگر تم سوچ چکے ہو تو پریشانی کس بات کی ہے۔''
''اسد نے مجھے منع کیا ہے کہ پھوپھو کی بیماری کے بارے میں کسی سے بات نہ کروں لیکن میرے خیال میں ڈیڈی کو اس بات کا علم ہونا چاہیے اب مجھے سمجھ میں نہیں آرہا انہیں بتاؤں یا نہ بتاؤں۔''
''میرے خیال میں چھپانے سے زیادہ بتانا زیادہ ضروری ہے۔ان کی بہن ہے اگر خدانخواستہ پاکستان جا کر پھوپھو کو کچھ ہو گیا تو ساری عمر تمہیں افسوس رہے گا کہ وقت پر تم نے ان کی بیماری کا انکل کو بتا دیتے میرے خیال میں تمہیں بتا دینا چاہیے۔آگے انکل پر ڈیپنڈ کرتا ہے وہ کیسے اس سچویشن کو ہینڈل کرتے ہیں۔''فرقان کے گھر کے آگے وہ گاڑی روک چکا تھا اور اب اضطرابی انداز میں اپنی پیشانی مسل رہا تھا۔
''ڈیڈی پھوپھو سے بہت پیار کرتے ہیں۔مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کیسے انہیں بتاؤں۔میں ان کو دکھی نہیں دیکھ سکتا۔''
''ضامن، اتنی ہمت تو تمہیں کرنی پڑے گی۔''فرقان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے جیسے دلاسا

اور حوصلہ دیا تھا۔

''تم ایسا کرو اندر چلو میں انکل کو یہاں بلا لیتا ہوں تم آرام سے بات کر لینا اور جہاں تمہیں لگا تم بات نہیں کر سکو گے میں ہینڈل کر لوں گا۔'' ضامن نے محبت بھری ممنون نظروں سے اسے دیکھا۔

''کھانے کو بھیج رہا ہوں کھا لینا۔'' فرقان کے نکلتے ہی اس نے صوفے سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں اور دل ہی دل میں وہ لفظ ترتیب دینے لگا جس سے اس کے باپ کو کم سے کم تکلیف کا احساس ہو۔

☆☆☆

وہ فرقان کے کمرے میں بیٹھا تھا جب دروازہ کھول کر پہلے فرقان اور اس کے پیچھے پریشان سے ہاشم علی اندر داخل ہوئے۔ اس پر نظر پڑتے وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔

''ضامن تم ٹھیک ہو نا۔'' انہوں نے اسے دونوں بازوؤں سے تھامتے اس کا مکمل جائزہ لیا۔

''میں ٹھیک ہوں ڈیڈی۔'' اس نے مسکرا کر انہیں تسلی دی۔

''فرقان، نے مجھے اچانک فون کر کے یہاں اتنی ایمرجنسی میں بلایا۔ میں ڈر گیا تھا۔'' وہ واقعی گھبرائے ہوئے لگ رہے تھے۔ ضامن نے بے چارگی سے فرقان کی طرف دیکھا۔ وہ صرف اچانک بلائے جانے پر اتنے پریشان ہو گئے تھے اور جب انہیں اکلوتی بہن کی بیماری کا پتا چلے گا تو ان پر کیا بیتے گی۔ اس کی شکل دیکھ کر فرقان نے نظروں سے اسے تسلی دی۔ ہاشم علی نے ان دونوں کو نظروں سے اشارے کرتے دیکھ لیا تھا۔

''کوئی بات ہوئی ہے ضامن...... کچھ چھپا رہے ہو تم لوگ۔'' انہوں نے ضامن کو دیکھنے کے بعد فرقان کو دیکھا۔ اس سے پہلے ان دونوں میں سے کوئی بات کرتا، فرقان کی بہن دستک دے کر اندر آ گئی اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں تین مگ تھے اور ایک پلیٹ میں سینڈوچ تھے۔ اس نے ٹرے ہاشم علی کے سامنے ٹیبل پر رکھی۔

''تھینک یو بیٹا۔'' ان کے کہنے پر وہ مسکرا کر باہر نکل گئی۔

''فرقان مجھے سسپنس سے الجھن ہو رہی ہے بیٹا...... تم ہی کچھ بولو۔''

''انکل، ضامن نے آپ سے بات کرنی ہے۔'' فرقان کے کہنے پر ہاشم علی نے پریشانی سے ضامن کے جھکے سر کو دیکھا۔ ایسی کون سی بات تھی جس کے لیے ضامن کو اپنے دوست جیسے باپ سے بات کرتے ہوئے جھجک ہو رہی تھی۔

''ضامن۔'' ان کی پکار میں ہزاروں اندیشے جھلک رہے تھے۔ ضامن نے سر اٹھا کر اپنے باپ کو دیکھا جو بے حد پریشان لگ رہے تھے۔ وہ گہرا سانس لے کر اٹھا اور ان کے قریب صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔

''مجھے ٹھیک ٹھیک بتانا ضامن، تم ٹھیک ہو نا۔ تمہیں کوئی پریشانی تو نہیں کچھ ہوا ہے۔'' وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہے تھے ''ضامن نے گہرا سانس لے کر خود کو بات کرنے کے لیے تیار کیا۔

''میں ٹھیک ہوں ڈیڈی۔ مجھے آپ سے پھوپھو کے متعلق بات کرنی ہے۔'' روبی کے متعلق وہ چونکے۔

''تمہاری ماں نے پھر کچھ کیا ہے۔'' ان کے ماتھے پر بل پڑے۔

''نہیں...... وہ بات نہیں۔''

''تو پھر کیا ہے۔'' اس کے انداز انہیں حیران اور پریشان کر رہے تھے۔

''ڈیڈی، پھوپھو کو کینسر ہے۔'' تیزی سے کہنے کے بعد اس نے ان کا چہرہ دیکھا جن کے چہرے پر نا سمجھی اور بے یقینی کی کیفیت تھی۔ ان کو مسلسل خاموش دیکھ کر اس نے ان کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے ہمارے تو پورے خاندان میں کسی کو ایسی بیماری نہیں ہوتی اور وہ تو بالکل ٹھیک ہے ضامن تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''اگر ایسا ہوتا تو وہ مجھے ضرور بتاتی تمہیں کس نے کہا کیا روبی نے تمہیں بتایا۔''

''نہیں ڈیڈی، مجھے اسد نے بتایا ہے۔ فرسٹ اسٹیج پر ہے جلدی پتا چل گیا ہے۔ ڈاکٹر نے ٹریٹمنٹ شروع کرنا تھا پھر کیمو ہونی تھی، پر پھوپھو نے کہا پہلے وہ اپنے بھائی سے ملیں گی۔ انہیں ڈر تھا اگر انہیں ٹریٹمنٹ کے دوران کچھ ہو گیا تو وہ آپ سے مل نہیں سکیں گی۔'' ہاشم علی ایک دم بلک بلک کر رونے لگے ان کو یوں روتا دیکھ کر ضامن کی آنکھیں، چھلک پڑی تھیں، اس نے بے ساختہ انہیں اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیا وہ بچوں کی طرح اس سے لپٹ گئے تھے۔ دیوار سے لگے فرقان کی آنکھیں بھی نم ہوئی تھیں۔

''میری بہن اتنے درد میں ہے اور مجھے پتا ہی نہیں۔'' وہ بار بار یہ فقرہ دہرا رہے تھے ''لعنت ہے مجھ جیسے بھائی پر'' وہ روتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''ڈیڈی، پلیز حوصلہ کریں۔''

''کیسے حوصلہ کروں ضامن کیسے...... اتنے سال میں اس سے بے خبر رہا۔ اب بھی اگر وہ نہ آتی تو مجھے پتا ہی نہ چلتا۔ اور اگر اسے کچھ ہو جاتا تو میں جیتے جی مر جاتا۔'' وہ اب بھی رو رہے تھے۔

''ڈیڈی، پھوپھو کو دیکھیں کتنی بہادر ہیں۔ انہوں نے کسی کو اپنی بیماری کا نہیں بتایا یقیناً وہ نہیں چاہتیں کہ کوئی ان سے ہمدردی کرے یا ترس کھائے، ہمیں بالکل شو نہیں کرنا کہ ہمیں یہ بات پتا ہے۔''

''میں کیسے خود کو حوصلہ دوں۔'' وہ تھکے ہوئے انداز میں صوفے کی بیک سے ٹیک لگا گئے۔

''ڈیڈی، پھوپھو نہیں چاہتیں تو ہمیں ان کی خواہش کا احترام کرنا چاہیے، مجھے بھی پتا نہ چلتا اگر اسد کے منہ سے اچانک نہ نکلتا، اس نے مجھے منع کیا تھا کہ میں کسی سے کوئی بات نہ کروں۔ لیکن مجھے مناسب نہیں لگا کہ آپ کو لاعلم رکھا جائے۔ پھوپھو کی فنانشلی حالت بھی اتنی اچھی نہیں، یہاں آنے کے لیے شاید انہوں نے اپنا زیور بیچا ہے۔'' ضامن کی بات سن کر ہاشم علی نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

''میں پھوپھو کی مدد کرنا چاہتا ہوں لیکن اس طرح کہ پھوپھو کی سیلف ریسپکٹ ہرٹ نہ ہو۔'' ہاشم نے سر نفی میں ہلایا۔

''نہیں...... وہ میری ذمہ داری ہے، میں خود اس کا علاج کراؤں گا، کوئی کمی نہیں آنے دوں گا۔ اس سے بے خبر رہ کر جو گناہ میں کر چکا ہوں اس کی تلافی کروں گا۔ کہہ کر انہوں نے دوبارہ ضامن کو دیکھا اور دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھام کر چوما۔

''بہت شکریہ میرے بچے، میرا احساس کرنے کے لیے...... میری بہن کی اتنی عزت کرنے کے لیے۔''

''ڈیڈی۔'' وہ دکھ سے بولا۔ ''آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، آپ میرے ڈیڈی ہیں، میں آپ سے جتنی محبت کرتا ہوں کبھی بتا نہیں سکتا نہ لفظوں سے اور نہ ہی اپنے کسی ایکشن سے...... وہ میری پھوپھو ہیں آپ کی وجہ سے وہ مجھے بہت عزیز ہیں میں اگر ان کے لیے کچھ کروں گا تو احسان نہیں ہوگا، ہر بیٹا اپنی ماں کے لیے کرتا ہے۔''

ہاشم علی کتنی دیر تک اس کا خوب صورت چہرہ دیکھتے رہے۔ پتا نہیں وہ ان کی کون سی نیکی کا صلہ تھا۔

''مما سے اس سلسلے میں آپ کوئی بات نہیں کریں گے۔'' ضامن کے کہنے پر انہوں نے گہرا سانس لیا۔ ''اور ان شاء اللہ پھوپھو بالکل ٹھیک ہو جائیں گی۔ میں نے پھوپھو اور اسد کے لیے کچھ اور بھی سوچا ہے، لیکن وہ میں آپ کو وقت آنے پر بتاؤں گا۔'' ضامن کے کہنے پر ہاشم علی نے سر ہلایا۔ انہوں نے تفصیل نہیں پوچھی کہ اس نے کیا سوچا ہے، کیونکہ وہ ابھی تک الجھے تھے۔

''ضامن، میں اگر روبی سے بات نہیں کروں گا تو مجھے لگتا ہے میرا دل پھٹ جائے گا۔'' ان کی آواز میں

اضطراب نمایاں تھا۔ فرقان جو خاموشی سے سب سن اور دیکھ رہا تھا، ضامن کو کشمکش میں دیکھ کر آگے بڑھا اور ان کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔

''انکل، اگر آپ روبی آنٹی سے بات کرنا چاہتے ہیں ضرور کریں، آپ جوان کو تسلی دے سکتے ہیں وہ کوئی نہیں دے سکتا، ضامن بس اس لیے منع کر رہا تھا کہ روبی آنٹی کی فیلنگز ہرٹ نہ ہوں۔''

''میں سمجھ رہا ہوں فرقان...... لیکن مجھے اسے گلے لگا کر تسلی دینی ہے، اس کی ساری فکریں سننی ہیں اور انہیں دور کرنے کی یقین دہانی کروانی ہے تاکہ وہ کوئی اسٹریس نہ لے، میں اسے بتانا چاہتا ہوں، اس کا بھائی اس قابل ہے کہ اسے علاج کے لیے کچھ بھی بیچنے کی ضرورت نہیں۔'' ان کا لہجہ تکلیف زدہ تھا، جو ضامن اور فرقان دونوں نے محسوس کیا۔

''ٹھیک ہے ڈیڈی جیسے آپ کو ٹھیک لگے۔ واقعی آپ سے بات کر کے پھوپھو کو زیادہ اچھا لگے گا۔'' اس نے ایک بار پھر انہیں بازو کے حلقے میں لے لیا تھا۔

☆☆☆

''یہ پیراگراف جو میں نے انڈرلائن کیا ہے، اس کو یاد کر لو۔ بلکہ ایسا کرو پہلے اس کو پڑھو اچھی طرح سمجھو پھر اسے اپنے لفظوں میں لکھنے کی کوشش کرو۔'' ہالہ کے کہنے پر زیمل نے کتاب اس کے ہاتھ سے لے لی۔ ہالہ نے بغور اس کا اترا چہرہ دیکھا۔

''طبیعت ٹھیک ہے زیمل۔''

''ہوں۔''

''پھر اتنی چپ چپ کیوں ہو۔''

''آج میرا ٹیسٹ تھا انگلش کا، میں تیاری نہیں کر سکی حماد بھائی نے مجھے کہا تھا، وہ مجھے سمجھا دیں گے لیکن کل وہ لیٹ آئے تو مجھے اچھا نہیں لگا، انہیں ڈسٹرب کرنا، تم بھی بزی تھیں۔ تو کچھ غلط نہ لکھ بیٹھوں میں نے کلاس ہی نہیں لی۔'' ہالہ نے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔

''بس اتنی سی بات ایسا ہو ہی جاتا ہے اس میں اتنی پریشانی والی کیا بات ہے۔ میں خود اکثر کوئی کلاس چھوڑ دیتی ہوں۔'' ہالہ کے کہنے پر زیمل نے حیرت سے اسے دیکھا۔

''تم بھی ٹیسٹ یاد کر کے نہیں جاتیں۔''

''ہاں تو اور کیا میں کوئی جینئس تھوڑی ہوں، مجھے بھی کئی باتیں سمجھ میں نہیں آتیں۔''

''پھر ٹھیک ہے۔'' ہالہ کے کہنے پر زیمل نے خوشی سے سر ہلایا اور اس کے ایسا کرنے پر ہالہ بے ساختہ مسکرائی وہ واقعی بہت بھولی تھی۔

''ایک اور بات بھی کرنی تھی۔'' وہ ہالہ کے تھوڑے قریب ہو کر سرگوشی کے انداز میں بولی تو ہالہ بے ساختہ انداز میں الرٹ ہوئی۔

''بابا نے مجھے منع کیا تھا کوئی دوست نہیں بنانی، کالج صرف پڑھائی کے لیے ہوتا ہے اور ہالہ میں نے کسی سے دوستی نہیں کی لیکن ایک لڑکی ہے فریحہ وہ بہت اچھی ہے، میری انگلش اور سائیکالوجی کی کلاس میں ہوتی ہے۔'' اتنی لمبی تمہید پر ہالہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

''وہ مجھ سے دوستی کرنا چاہتی ہے، اس نے آج دوستی کے لیے اپنا ہاتھ بڑھایا تو میں منع نہیں کر سکی۔'' کہہ کر اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

''اگر اچھی لڑکی ہے تو پھر کیا مسئلہ ہے۔'' ہالہ اب بھی نہیں سمجھی۔

"بابا نے دوستی سے منع کیا تھا۔"
"او۔" ہالہ نے سمجھ کر سر ہلایا۔
"بابا کا وہ مطلب نہیں تھا، بابا بس یہ چاہتے ہیں تم پڑھائی پر دھیان دو اور تم یہاں نئی ہو، کسی کو جانتی نہیں تو بس اس لیے وہ چاہتے ہیں، تم نئے لوگوں سے دور رہو، کیا پتا، کون اچھا ہے کون برا ہے۔"
"ہوں۔" زیمل نے سمجھ کر سر ہلایا۔
"لیکن فریحہ اچھی ہے۔"
"تو یہ تو اچھی بات ہے۔"
"تو کیا میں اس سے دوستی کر سکتی ہوں۔"
"ہاں کر سکتی ہو، دوست تو اچھے ہوتے ہیں، اگر وہ آپ سے مخلص ہوں تو اس سے بڑی نعمت کوئی نہیں آپ اپنا دکھ درد انہیں بتا سکتے ہیں۔" زیمل غور سے ہالہ کو سن اور دیکھ رہی تھی اسے لگا اسے ہالہ کو ان لڑکیوں کے بارے میں بھی بتانا چاہیے اس سے پہلے وہ کچھ بولتی ہارن کی آواز کے ساتھ گیٹ کھلنے کی آواز آئی تھی۔
"بابا آگئے۔" ہالہ تیزی سے کھڑی ہوئی اور اس کے ساتھ زیمل بھی تیزی سے اپنی کتابیں سمیٹتے ہوئے اٹھی۔ وہ ابھی لاؤنج میں ہی تھیں جب عباس صاحب اندر داخل ہوئے۔
"السلام علیکم بابا۔" ان دونوں نے اکٹھے سلام کیا۔
"وعلیکم السلام۔" وہ سنجیدگی سے سلام کا جواب دیتے صوفے پر بیٹھ گئے، تبھی نفیسہ لاؤنج میں داخل ہوئیں، وہ نماز پڑھ کر آ رہی تھیں۔
"کھانا لگاؤں؟"
"نہیں میں غیور کی طرف سے کھا کر آیا ہوں۔"
"اچھا۔" وہ کچھ حیران ہوئیں کیونکہ وہ کھانا ہمیشہ گھر آ کر کھاتے تھے۔
"چائے پئیں گے......؟"
"نہیں۔" اب کہ نفیسہ نے بغور ان کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔
"حارث آ گیا ہے۔"
"نہیں ابھی تک نہیں آیا۔"
"اور حماد۔"
"وہ شاہانہ کے ساتھ گیا ہے۔ اسے بچوں کی کچھ شاپنگ کرنی تھی۔"
"ہوں۔" ان کی بات سن کر انہوں نے ہنکارا بھرا۔ وہ کچھ الجھے الجھے لگ رہے تھے۔
"فرحانہ کا فون آیا تھا۔" فرحانہ کے نام پر سائیڈ کاؤچ پر بیٹھی زیمل نے چونک کر عباس صاحب کی طرف دیکھا۔ جبکہ نفیسہ نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔
"فرحانہ کا...... کیا اس کا فون آنا تھا۔" وہ حیران ہونے کے بعد الٹا ان سے پوچھنے لگیں تو عباس صاحب نے زیمل کی طرف دیکھا، جو ان کو آس بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے فرحانہ کا نمبر ملا کر موبائل زیمل کی طرف بڑھایا اور خود اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔
"تسلی سے بات کرو بیٹا۔" نفیسہ بھی اس کا کندھا تھپتھپا کر کمرے کی طرف چلی گئیں ہالہ پہلے ہی جا چکی تھی۔ اب لاؤنج میں وہ اکیلی تھی فرحانہ کی ہیلو سنتے ہی اس کی آنکھیں بے ساختہ نم ہوئیں۔
"امی۔"

''زیمل۔'' فرحانہ نے بے چین ہو کر اس کا نام لیا۔
''کیسی ہو میری جان...... کتنا یاد کرتی ہوں تمہیں۔'' وہ شاید رو پڑی تھیں، رو تو وہ بھی رہی تھی۔
''بولو میری گڑیا...... میرے کان ترس گئے ہیں تمہاری آواز سننے کے لیے۔''
''میں آپ کو بہت یاد کرتی ہوں۔'' وہ گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔
''میں خود تمہیں بہت یاد کرتی ہوں۔ بہت اداس ہوں۔ لیکن مطمئن ہوں تم اپنے گھر ہو، اپنوں کے پاس، یہ احساس، کہ اب تم محفوظ ہو، مجھے راتوں کو سونے دیتا ہے ورنہ جب تم وحید بھائی کے گھر تھی یا، یہاں تھی۔ تو میں سو نہیں پاتی تھی، سارا دھیان تمہاری طرف رہتا تھا۔'' اس وقت کو یاد کر کے اس نے خوف سے آنکھیں بند کیں۔
''وہاں سب کیسے ہیں زیمل تمہیں پیار کرتے ہیں۔'' ان کا سوالیہ لہجہ اندیشوں سے بھرا تھا۔
''سب بہت اچھے ہیں امی...... یہاں سب مجھے پیار کے ساتھ عزت بھی دیتے ہیں۔ بہن، بیٹی، دوست ہر لحاظ سے...... بابا نے میرا ایڈمیشن شہر کے سب سے اچھے کالج میں کروایا ہے۔ پھوپھو میرے لیے ڈھیر سارے کپڑے خریدتی ہیں۔ ان کے ساتھ میچنگ جیولری اور جوتے، آپ کو پتا ہے نا مجھے چوڑیاں کتنی پسند ہیں، پھوپھو نے مجھے اتنی چوڑیاں لے کر دی ہیں، میرے پاس اتنے کپڑے ہیں امی جتنے میں نے سولہ سالوں میں نہیں پہنے۔'' اس کی باتیں سن کر فرحانہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں لیکن زیمل اب بھی بول رہی تھی۔
''تائی امی مجھے بہت پیار کرتی ہیں، ہالہ کی طرح اور انوری بوا وہ بہت اچھی ہیں امی، بہت پیار کرتی ہیں مجھے، ان کے پاس اتنی کہانیاں اور قصے ہوتے ہیں کہ گھنٹوں گزرنے کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ میرے سر میں تیل کی مالش کرتی ہیں ہالہ کے بال مجھ سے لمبے ہیں نا تو بوا چاہتی ہیں میرے بھی ہالہ جیسے لمبے ہو جائیں۔'' وہ کہہ کر مسکرائی۔
''مجھے صبح اپنے ہاتھوں سے ناشتا بنا کر دیتی ہیں، آپ کو یاد ہے نا امی، آپ کو اجازت نہیں تھی میرے لیے کچھ بنانے کی یا آپ کو ٹائم نہیں ملتا تھا کیونکہ فہد اور ارم نے اسکول جانا ہوتا تھا انکل اور ان کی امی ابو کو ناشتا دینا ہوتا تھا شاید اس لیے آپ مجھے ناشتا دینا بھول جاتی تھیں۔'' زیمل کی بات پر فرحانہ نے اپنے ہونٹوں پر زور سے ہاتھ رکھ کر اپنی چیخ کو روکا۔
''حماد بھائی۔'' دوسری طرف وہ کہہ رہی تھی۔
''حماد بھائی بالکل بڑے بھائیوں کی طرح میرا خیال رکھتے ہیں، مجھے تنگ بھی کرتے ہیں جیسے ہالہ کو کرتے ہیں۔ ہالہ ان کی شرارتوں کا برا مان جاتی ہے لیکن...... امی مجھے برا نہیں لگتا ان کی شرارت میں بھی عزت ہوتی ہے۔'' اس کی آواز آہستہ آہستہ رندھ رہی تھی۔
''اور امی ہالہ کی شکل بالکل میرے جیسی ہے۔ ہم بالکل بہنیں لگتی ہیں بس انیس بیس کا فرق ہے۔'' کہہ کر وہ روتے روتے ہنس دی۔ اور اس کی ہنسی سن کر فرحانہ بھی روتے روتے مسکرائیں۔
''اور وہ انیس بیس پتا ہے کیا ہے؟''
''آنکھیں۔ ہالہ کی بہت خوب صورت آنکھیں ہیں۔''
''میری بیٹی کی کم خوب صورت آنکھیں ہیں۔'' فرحانہ محبت سے بولیں۔
''تمہیں یوں خوش دیکھ کر ایک سکون سا اتر آیا ہے میرے اندر مجھے افسوس ہو رہا ہے کیوں میں نے اتنے سال برباد کیے، بہت پہلے مجھے تمہیں تمہارے اصل کی طرف بھیج دینا چاہیے تھا۔'' ان کی آواز میں یاسیت اور افسردگی محسوس کر کے زیمل نے انہیں تسلی دی۔
''امی، میری قسمت میں وہ وقت ایسے ہی لکھا تھا، لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ میں اب محفوظ ہوں، زندگی

میں اب بھی ان برے لوگوں اور برے حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔'' اس کی بات پر فرحانہ بے ساختہ بولیں۔

''میری بیٹی سمجھ دار ہوگئی ہے۔'' وہ جو ہر وقت ڈری سہمی رہتی تھی ٹھیک طرح سے بات نہیں کر پاتی تھی کتنی خوداعتمادی سے بات کر رہی تھی۔ یقیناً اس گھر میں رہنے والوں نے اسے اپنا لیا تھا۔

''حارث کیسا ہے۔'' وہ جواب بڑے آرام سے ہو کر بات کر رہی تھی اس نام پر بوکھلا کر رہ گئی۔

''وہ......وہ بھی اچھے ہیں۔''

''میں نے بچپن میں دیکھا تھا اسے تب تو بہت کیوٹ سا تھا۔ اب کیسا لگتا ہے۔'' وہ بڑے اشتیاق سے پوچھ رہی تھیں جبکہ اس کے بارے میں بتاتے ہوئے زیمل کی زبان جیسے تالو سے چپک کر رہ گئی اور گال تپنے لگے تھے۔

''زیمل۔'' اس کی مسلسل خاموشی پر فرحانہ نے زور سے اسے پکارا۔

''امی اب بھی پیارے ہیں۔'' اس کے شرمیلے انداز پر وہ کھل کر ہنسی تھیں۔

''اللہ تعالیٰ تمہیں یونہی خوش اور آباد رکھے، میری دعا ہے حارث اور تمہارا ساتھ تا زندگی رہے وہ تمہیں اتنی محبت اور خوشیاں دے کہ تمہارا دامن تنگ پڑ جائے۔ اللہ تم دونوں کی جوڑی بنائے رکھے۔'' وہ اسے دعائیں دے رہی تھیں اور وہ ہر دعا پر دل سے آمین کہہ رہی تھی۔

فون بند کرنے کے بعد فرحانہ کتنی دیر تک ویسے ہی بیٹھی رہیں وہ اسے آنے والے خطرے سے آگاہ کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن پہلی بار انہوں نے اس کی آواز میں اتنی خوشی محسوس کی تھی وہ اسے کوئی بری خبر دے کر اس کی خوشی برباد کرنا نہیں چاہتی تھیں اور پھر...... یہ ایک وہم بھی تو ہو سکتا تھا اور اگر ایسا کچھ ہے بھی تو بھی وہ غلام عباس کو سب بتا چکی ہیں اور انہیں یقین تھا وہ اپنوں کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔

☆☆☆

''مجھے سمجھ میں نہیں آیا تم گھر کیوں نہیں گئے۔ میں گھر گیا تھا وہاں سب تمہیں کتنا یاد کر رہے تھے۔'' معین نے بیگ سے چیزیں نکالتے ہوئے صوفے پر نیم دراز ثاقب سے کہا۔

''جانتا ہوں اور یہ چھٹیاں آئی بھی اچانک، ملکی حالات خراب نہ ہوتے تو یونیورسٹیاں بھی بند نہ ہوتیں اور ان دس چھٹیوں میں ہوتا کیا، آنے جانے میں دو دن ویسے ہی برباد ہو جاتے، چھ سات دن بچتے جو خیر سے رشتے داروں سے ملنے میں گزر جاتے فائدہ کیا ہوتا۔'' اس نے اٹھتے ہوئے انگڑائی لی۔

''میری سوچ سے زیادہ ست ہو تم۔'' اس کے انگڑائی لینے پر معین نے بڑا سا منہ بنایا۔

''تمہاری طرح ایکٹو ہونے کا شوق بھی نہیں مجھے۔'' ثاقب نے آنکھیں گھما کر اس کا مذاق اڑایا۔

''مطلب کیا ہے تمہارا۔'' معین سارا کام چھوڑ کر لڑاکا عورتوں کی طرح کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے گھورنے لگا۔

''اب مطلب بھی میں بتاؤں، سمجھ دار ہو سمجھ جاؤ۔''

''نہیں میں سمجھ دار نہیں تم مجھے بتاؤ یہ آنکھیں گھما کر بات کرنے کا کیا مطلب تھا۔'' اس کے تلملانے پر ثاقب کی ہنسی نکل گئی۔

''کوئی مطلب نہیں تھا۔''

''نہیں تھا تو......اب پھوٹو گے تو جان چھوڑں گا۔''

''میرے کہنے کا مطلب ہے جانا تو تم نے بھی نہیں تھا۔ یہ تم ہی تھے نا جس نے کہا تھا اب کیا دس چھٹیوں کے لیے انسان بے آرام ہو اور ایک فون آتا ہے اور محترم سب بھول کر اپنے آرام کی ایسی تیسی کر کے گھر کی

طرف دوڑ لگاتے ہیں۔" ثاقب کے کہنے پر معین کتنی دیر اسے گھورتا رہا۔
"ویسے اتنے بے خبر ہو نہیں تم...... جتنے لگتے ہو۔"
"بیٹا جی یہ بھی ایک آرٹ ہے۔"
"ہنہ یہ آرٹ نہیں میسنا پن ہے۔" معین سر جھٹک کر کہنے کے بعد دوبارہ بیگ کھنگالنے لگا۔
"اب بتاؤ گے کہ ملاقات کیسی رہی۔"
"خاک ملاقات ہوئی تھی۔ میں گھر گیا تو اس کے والد محترم جلاد کی طرح سارا وقت سر پر مسلط رہے۔ اس کی تو ایک جھلک بھی نہیں ملی۔ چائے تک چھوٹی بہن لے کر آئی۔" اس کے مایوس لہجے پر ثاقب قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"اس کا مطلب ہے۔ میرا بھائی ناکام واپس آیا ہے۔"
"یہی سمجھ لو۔" معین نے ساری چیزیں نکال کر میز پر رکھیں۔
"یہ کیا ہے؟" ثاقب کچھ کچھ جان تو گیا تھا پھر بھی پوچھ لیا۔
"آنٹی نے تمہارے لیے کچھ سامان بھیجا ہے۔ تمہارے گھر کے کپڑے ہیں۔ سوئیٹر، جیکٹ، ڈرائے فروٹ اور پتا نہیں ان ڈبوں میں کتنی قسم کے لڈو ہیں۔" ثاقب نے آنکھوں میں نمی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے ان چیزوں کو دیکھا جہاں ہر چیز میں اس کی ماں کی محبت اور ممتا جھلک رہی تھی۔ اس نے میز پر سے بلیک لیدر کی جیکٹ اٹھائی جو اس کی پسندیدہ تھی۔
"کیا میں تمہارے ساتھ یہ چیزیں شیئر کر سکتا ہوں۔" معین نے ہونٹوں پر زبان پھیرتے للچائی نظروں سے کھانے کے ڈبوں کو دیکھا۔
"کیسی باتیں کرتے ہو۔ یہ بھی پوچھنے والی بات ہے تمہیں کیا لگتا ہے ممی نے یہ اتنا زیادہ سامان میرے اکیلے کے لیے بھیجا ہوگا۔ انہیں پتا ہے ہم ساتھ رہتے ہیں تو ظاہر سی بات ہے اس میں تمہارا بھی حصہ ہے۔" ثاقب نے سوہن حلوہ اور چنے کی دال کے حلوے کے ڈبے اس کی طرف بڑھائے۔
"اور پلیز یہ چلغوزے سوچ سمجھ کر کھانا۔ اتنے مہنگے ہیں کہ خریدنے کا تصور محال ہے یہ تو آنٹی کی محبت ہے اتنے زیادہ بھیج دیئے یقیناً اس کے لیے انہوں نے اپنا زیور بیچا ہوگا اب اسے صرف رات کو سونے سے پہلے صرف دو دانے تبرک کے طور پر کھانا" معین نے سوہن حلوے کا بڑا سا چمچہ منہ میں ڈالتے ہوئے ثاقب کو تاکید کی، جو چلغوزے کا ڈبہ اپنی طرف کھسکائے کھانے میں مشغول تھا۔
"یہ بتاؤ میرے پیچھے کیا کیا؟" معین کے سوال پر اس نے چلغوزہ منہ میں رکھ کر اسے دیکھا۔
"کرنا کیا ہے جو لیکچر مس تھے ان کو اسٹڈی کیا اور نیو چیپٹرز کے نوٹس بنائے کچھ پوائنٹس نوٹ لیے، اسائنمنٹ کے لیے۔"
"یار۔" معین نے بیزار سا منہ بنایا۔
"تم زیادہ پڑھاکو نہیں ہو گئے، لوگ چھٹیاں انجوائے کرتے ہیں تم اس دوران بھی اگلے پچھلے لیکچرز کو ہی رگڑتے رہے ہو۔"
"اب ایسا بھی نہیں شاپنگ بھی کی ......اور موویز بھی دیکھی تھیں۔ کچھ یوٹیوب سے ریسپی دیکھ کر کھانے بھی بنائے تھے۔"
"اور زیادہ تر جلائے تھے۔" معین کے ٹکڑا لگانے پر ثاقب نے رک کر اسے دیکھا۔
"تمہیں کیسے پتا چلا۔"

"میں آتے ہی سب سے پہلے کچن میں گیا تھا......اور تم نے سنک والی کیبنٹ کے نیچے جو کڑاہی اور فرائی پین چھپائے ہوئے تھے، وہ خیر سے میری گناہ گار آنکھوں نے دیکھ لیے تھے۔" معین کے طنز پر وہ کھسیانے انداز میں ہنس پڑا تھا۔

"جو کام نہ آتا ہو وہ نہیں کرنا چاہیے۔"

"یار، روز روز باہر کا کھانا نہیں کھایا جاتا، اب میں تمہاری طرح اتنا اچھا کک۔ تو ہوں نہیں کوشش کی تھی پکانے کی۔ تھوڑا جلا ضرور تھا لیکن کھانے لائق بن ہی گیا تھا۔"

"اب شام کا کیا پروگرام ہے۔" ثاقب نے معین کی طرف دیکھا جو کھانے کے بعد اب قالین پر ہی پھیل کر لیٹ گیا تھا۔

"کچھ خاص نہیں تم بتاؤ۔" وہ نیم وا نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"مووی دیکھنے چلتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے مجھے آدھا گھنٹہ پہلے جگا دینا۔" اس نے صوفے سے کشن اٹھا کر سر کے نیچے رکھا۔ ٹیبل پر رکھا ثاقب کا سویٹر کھینچ کر منہ پر ڈالا اور تھوڑی دیر بعد اس کے خراٹے بھی سنائی دینے لگے تھے۔ ثاقب نے ابرو اچکا کر رشک سے اس کی نیند کو دیکھا۔ پھر نظر ٹیبل پر رکھی چیزوں پر پڑی تو مسکرا کر موبائل اٹھایا۔ تبھی اس کا موبائل بج اٹھا۔ معین کی نیند کے خیال سے اس نے جلدی سے فون سائلنٹ پر کیا اور فون کان سے لگا کر کمرے میں آ گیا۔

"السلام علیکم ممی! کیسی ہیں آپ۔" وہ ان کی آواز سن کر خوش گوار لہجے میں بولا۔

"میں ٹھیک ہوں میری جان تم کیسے ہو۔" وہ گلا کھنکھار کر بولیں۔

"الحمدللہ......ابھی آپ کو ہی یاد کر رہا تھا۔ کہنے والے نے بالکل ٹھیک کہا ہے، دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔" ثاقب کی مسکراہٹ محسوس کر کے وہ بھی مسکرائیں۔

"میں تو تمہیں ہر پل یاد کرتی ہوں" ان کا بجھا لہجہ محسوس کر کے اس کی بھنویں سکڑی تھیں۔ اس سے پہلے وہ کچھ پوچھتا کہ وہ دوبارہ بولیں۔

"تمہاری پسند کی چیزیں اور کپڑے بھیجے تھے، دیکھے تم نے۔"

"جی ممی، سب بہت اچھا ہے، لیکن کیوں آپ نے اتنی محنت کی۔" اسے اندازہ تھا وہ حلوے بنانے میں کتنا ٹائم لگتا ہے۔

"اپنے بچوں کے لیے ان کی پسند کی چیزیں بنانے میں ماں کو خوشی ہوتی ہے۔ یہ سب چیزیں میں نے اپنے سکون اور تسلی کے لیے بنائی ہیں۔ اب یہ نہ ہو پڑے پڑے وہ چیزیں سڑتی رہیں۔ انہیں کھا لینا۔" ان کی بات پر وہ ہنس پڑا تھا۔

"بے فکر رہیں ممی......آپ کو پتا تو ہے معین، میرے ساتھ ہے تو آپ فکر نہ کریں، کچھ بچنا ہی نہیں تو سڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" اس کی بات سن کر وہ ہنس پڑی تھیں۔

"معین بہت اچھا بچہ ہے۔ وہ تمہارے ساتھ ہے تو مجھے تسلی رہتی ہے، ابھی کدھر ہے۔"

"آپ کا بچہ خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہے۔"

"تم ابھی اکیلے ہو۔" ان کے پوچھنے پر وہ چونکا۔

"جی کمرے میں ہوں معین باہر لاؤنج میں ہے۔"

"تمہارے پاپا کا کوئی فون آیا۔"

"نہیں......کیوں کوئی بات ہوئی ہے۔" اس نے چونک کر پوچھا۔

"کہہ رہے تھے تمہاری سالگرہ سے پہلے تمہیں یہاں پر بلالوں تمہاری سالگرہ سیلیبریٹ کرنا چاہتے ہیں۔"
اب کی بار وہ حیران ہوا۔
"میری سالگرہ تو ہر سال آتی ہے۔ اس دفعہ ایسا خاص کیا ہے جو سیلیبریشن کی بات ہو رہی ہے۔"
"کیونکہ اس دفعہ تمہیں بلی کا بکرا جو بنانا چاہتے ہیں۔"
"جی۔" وہ حیران ہوا۔
"تمہاری دادی نے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے کہ...... ثمینہ کی بیٹی کی منگنی تم سے کر دی جائے، دوسری طرف تمہارے چچا بھی تمہیں اپنا داماد بنانے میں بھرپور دلچسپی دکھا رہے ہیں۔" ان کی بات پر وہ خاموش رہا تو فون کی دوسری جانب کنول کو جیسے بے چینی ہوئی۔
"تم کچھ کہو گے نہیں ثاقب۔"
"کیا کہوں۔" اسے واقعی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ کیا کہے۔
"تم اپنی مرضی بتاؤ۔"
"میری مرضی...... آپ بتائیں ممی...... آپ کیا چاہتی ہیں۔"
"میں تو تب کچھ کہوں گی ثاقب جب مجھ سے پوچھا جائے گا۔ مجھے صرف بتایا گیا ہے اور آج تک اپنا تو چھوڑ، اپنے بچوں کی زندگی کے فیصلے تک میں نہیں کر سکتی۔ ان کو کیا پہننا ہے۔ کیا پڑھنا ہے، کہاں جانا ہے، کس سے ملنا ہے، اس کا فیصلہ تمہاری دادی، پھپھی اور باپ کرتے رہے ہیں، صرف تمہیں لاہور بھیجنے کا فیصلہ میرا تھا جس پر کتنا عرصہ مجھے یہ لوگ ذلیل کرتے رہے ہیں۔"
"ممی، کوئی کیا سوچتا ہے۔ یا کیا کرنا چاہتا ہے مجھے پرواہ نہیں، میری زندگی کا فیصلہ آپ کریں گی اور پاپا میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔" اس کے دوٹوک انداز پر کنول نے گہرا سانس لیا۔
"میں بس کوئی بدمزگی نہیں چاہتی اور نہ یہ چاہتی ہوں کہ تم اپنے باپ کی ڈس ریسپکٹ کرو۔ میں بس یہ چاہتی ہوں تم کسی دباؤ میں آ کر کوئی فیصلہ مت کرنا، یہ ساری زندگی کا سوال ہوتا ہے۔ اگر تمہیں اپنی کزنوں میں سے کوئی پسند ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں" جبکہ ان کی بات سنتا ثاقب اضطرابی انداز میں اپنے ہاتھ کو کبھی کھولتا اور کبھی مٹھی کی صورت میں بند کر رہا تھا۔
"میری پسند" وہ زیر لب بڑبڑایا، آنکھوں کے سامنے بڑا واضح چہرہ آیا تھا اور اس کے تصور سے ہی سارا اضطراب غائب ہو گیا تھا اس کی جگہ چہرے پر آنے والی مسکراہٹ بے ساختہ تھی۔
"ہاں ثاقب تمہاری پسند...... کیونکہ میرے لیے تمہاری خوشی ہر چیز سے بڑھ کر ہے۔"
"مجھے یقین ہے ممی، آپ میری خوشی کے لیے کچھ بھی کر سکتی ہیں لیکن ابھی میں اپنی اسٹڈی کمپلیٹ کرنا چاہتا ہوں، شادی یا منگنی ایسا کوئی پروگرام نہیں۔ لیکن آپ بتائیں آپ کیا چاہتی ہیں۔"
"میں چاہتی ہوں تم اپنی منگنی کو ٹال دو مجھے یقین ہے تمہارے پاپا تمہیں ضرور فون کریں گے۔ قائل کرنے کی بھی پوری کوشش کریں گے ہوسکتا ہے مجھ سے فون کروائیں۔ تو تم سمجھ جانا کہ اس میں میری مرضی نہیں اور تم جانتے ہو تمہیں کیا جواب دینا ہے کیونکہ انہیں پتا ہے اگر میں کہوں گی تو تم مان جاؤ گے اس لیے مجھ پر دباؤ ڈالا جائے گا۔"
"جی ممی، میں سمجھ گیا آپ پریشان نہ ہوں۔"
"جیتے رہو میری جان۔" وہ اب مطمئن ہو کر بولیں۔
"کنزہ ٹھیک ہے۔"

''ہاں ٹھیک ہے، روز تو بات کرتے ہو اس سے۔'' وہ ہنس کر بولیں تو وہ بھی مسکرا دیا۔
''اس کے پاس سنانے کو بہت سی کہانیاں ہوتی ہیں۔'' اس کے لہجے میں بہن کے لیے پیار تھا۔
''ہاں وہ بولتی ہے تو گھر میں رونق رہتی ہے۔'' انہوں نے بھی پیار سے اس کا ذکر کیا۔
''اچھا ثاقب، ایک اور بات بھی کرنی تھی۔'' کچھ یاد آنے پر وہ دوبارہ بولیں۔
''تم اپنی سالگرہ ضرور سیلیبریٹ کرنا۔ لیکن یونی ورسٹی فیلوز کے ساتھ اور ہالہ کو ضرور بلوانا۔'' ثاقب اس فرمائش پر کچھ حیران ہوا۔
''ممی، کیا یہ مناسب ہوگا۔''
''اس میں غیر مناسب کیا ہے۔''
''میری عمر ہے کہ یوں کیک سامنے رکھ کر موم بتی پر پھونکیں مارتا پھروں۔'' اس کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ بے ساختہ انداز میں کھلکھلا کر ہنس پڑیں اور ان کی ہنسی سن کر اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی تھی۔
''ہاں میں تصور کر سکتی ہوں بہت کیوٹ لگو گے۔'' وہ شاید اب بھی مسکرا رہی تھیں۔
''اور اس سالگرہ کا مقصد کیا ہوگا۔''
''ہالہ کو پروپوز کرنا۔'' کنول کی بات پر ثاقب کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔
''ممی پروپوز...... یہ بہت ارلی ہو جائے گا۔ ابھی اتنی مشکل سے تو وہ مجھ سے بات کرنے لگی ہے۔ اور مجھے نہیں لگتا وہ آئے گی۔''
''تم بات کیے بغیر...... اس کی مرضی جانے بغیر خود ہی اندازے لگا رہے ہو۔'' وہ جھنجھلا کر بولیں۔
''میں اندازے نہیں لگا رہا ممی...... میں اسے جانتا ہوں وہ نہیں آئے گی۔ میری کلاس فیلو فائزہ اس کی بیسٹ فرینڈ ہے۔ وہ شاید کبھی اس کے گھر نہیں گئی تو میرے بلانے پر کیسے آ جائے گی۔''
''چلو یہ تو اچھا ہے...... اس کا ایک فیصلہ ہم پر یہ واضح کر دے گا کہ اس کی نظر میں تمہاری ویلیو کیا ہے۔'' ان کے چیلنج کرنے والے انداز پر وہ ہونٹ بھینچ گیا۔ کیونکہ وہ ابھی آر یا پار والی کیفیت سے گزرنا نہیں چاہتا تھا۔ ابھی وہ دلفریب خوش گمانی میں رہنا چاہتا تھا کہ اس منفرد لڑکی کے لیے وہ خاص ہے۔ اس کی خاموشی طویل ہوئی تو کنول کو اسے پکارنا پڑا۔
''ثاقب۔''
''جی ممی۔'' وہ دھیرے سے بولا اس کے لہجے میں پہلے والی شوخی مفقود تھی۔
''مجھے بھی لگ رہا ہے تم ٹھیک کہہ رہے ہو ابھی پروپوز کرنا۔ شاید ٹھیک نہیں ہوگا۔ پر تم اسے انوائیٹ تو کر سکتے ہو، اگر تمہیں لگتا ہے وہ اکیلی نہیں آئے گی تو ٹھیک ہے اپنے سارے فرینڈز کو انوائیٹ کر لو خاص طور پر ہالہ کی دوست...... کیا نام بتایا تھا اس کا......''
''فائزہ۔''
''ہاں فائزہ...... اس پر دباؤ ڈالو کہ وہ ہالہ کو منا کر لے کر آئے۔''
''آپ کو لگتا ہے وہ آئے گی۔'' وہ اب تصور میں اسے اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔
''اگر اس کے دل میں تمہارے لیے جگہ بن چکی ہے تو وہ ضرور آئے گی۔''
''اور اگر وہ نہ آئی تو......'' اس کے لہجے میں اندیشہ تھا۔
''تو......'' وہ رکیں۔ میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا ثاقب مجھے میری مرضی کا رزلٹ چاہیے۔ کیا تم اپنی ماں کی ایک خواہش پوری نہیں کر سکتے۔'' وہ اب ہذیانی انداز میں چیخیں تو ثاقب جیسے ہوش میں آیا۔

"ریلیکس ممی...... جیسا آپ چاہتی ہیں ویسا ہی ہوگا۔ آپ پلیز اپنی طبیعت خراب نہ کریں۔" وہ اب گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔

"میں راتوں کو سو نہیں پاتی ثاقب...... ایک آگ لگی ہے میرے اندر اور ایسی ہی آگ میں غلام عباس کے سارے خاندان کو جلانا چاہتی ہوں۔ اس نے ساری روایات توڑ کر اپنی بیٹی کو یونی ورسٹی بھیجا ہے جس کا مطلب ہے اسے اپنی بیٹی پر بہت مان ہے۔ اور اسی مان کو میں اپنے قدموں تلے روندنا چاہتی ہوں۔" ان کے لہجے میں غلام عباس کے لیے نفرت اور غصہ تھا۔ جو وہ بچپن سے سنتا اور دیکھتا آ رہا تھا۔ اسے نہیں پتا تھا غلام عباس کون ہے۔ بس اتنا پتا تھا کہ اس نے اس کی ماں کو بہت تکلیف دی تھی اور اسے ہر اس انسان سے نفرت تھی جو اس کی ماں کی تکلیف کا سبب بنتا تھا۔

☆☆☆

"سرور آج کل تم دھیان سے کام نہیں کرتیں جو چیز جہاں پڑی ہے وہ پڑی رہتی ہے۔ اب آگے پیچھے گھوم کر تم نے پونچھا لگا دیا۔ اتنا نہیں ہوا کرسی کو ہٹا کر نیچے سے صاف کر لو...... اور یہ قالین پر کس نے جھاڑو لگانا ہے۔" نفیسہ جو کب سے سرور کو دیکھ رہی تھیں آخر کار بول ہی پڑیں۔

"بھابھی، جی کل ہالہ باجی نے ویکیوم مارا تھا تو اسی لیے میں نے جھاڑو نہیں مارا۔"

"کل ویکیوم کیا ایک سال کی مٹی جھاڑ دی تھی جو آج قالین پر مٹی نہیں پڑی ہو گی۔ کل جو گلشن نے کپڑے دھوئے وہ بھی کسی کام کے نہیں، بیڈ شیٹس میں سے سرف ہی نہیں نکلا ہوا تم لوگ انوری کے سامنے ہی ٹھیک رہتے ہو۔ دو دن وہ سر پر نہیں کھڑی ہوئی، پورا گھر الٹ پلٹ کر رہ گیا ہے۔"

وہ سخت جھنجھلائی ہوئی تھیں۔ وہ کچن میں کھانا پکانے کے لیے جاتی تھیں وہ بھی زیادہ تر انوری ہی کرتی تھیں۔ اس کے علاوہ صفائی، کچن، کپڑوں کی دھلائی، کچن کی گروسری، پرندوں اور خرگوشوں کی خوراک کا خیال سب انوری اپنی نگرانی میں کرواتی تھیں۔ دو دن سے ان کو کھانسی اور زکام تھا اور آج بخار بھی ہو گیا تو نفیسہ نے تختی سے انہیں کسی بھی کام سے منع کر دیا تھا لیکن اب جب خود سب دیکھنا پڑ رہا تھا تو دماغ گھوم کر رہ گیا تھا۔ ایک عرصہ تک وہ ان نگرانی والے کاموں سے بے فکر رہی تھیں۔

"یہ میٹ جھاڑ کر باہر لان میں رکھو، تھوڑی دھوپ لگے انہیں۔" کہنے کے بعد وہ اٹھ کر کچن میں آئیں جہاں گلشن برتن دھو رہی تھی۔

"گلشن، فارغ ہو کر لہسن پیاز کاٹ کر مجھے آواز دے دینا میں پیچھے لان میں ہوں۔"

"جی بھابھی۔" وہ کچن کے ساتھ راہداری سے ہوتی ہوئی باہر آئیں۔ ہالہ اور زیمل دونوں وہیں گھاس پر آلتی پالتی مار کر بیٹھی تھیں دونوں خرگوش ان کے گرد بھاگ رہے تھے جبکہ وہ دونوں درمیان میں پنجرہ رکھے اس میں موجود طوطے کے ساتھ راز و نیاز کر رہی تھیں۔ وہ بھی چلتی ان کے قریب جا کر کھڑی ہو گئیں۔ زیمل نے انہیں کھڑا دیکھا تو جلدی سے اٹھی اور تخت کے پاس رکھی پلاسٹک کی کرسی اٹھا کر ان کے قریب رکھی کیونکہ ٹانگوں میں درد کی وجہ سے وہ نیچے بیٹھ نہیں سکتی تھیں۔

"جیتی رہو۔" انہوں نے پیار سے اسے دیکھا تھا۔

"اماں، دیکھیں یہ ہمارا نام لیتا ہے۔"

"مٹھو بولو ہالہ۔" ہالہ کے کہنے پر طوطے نے اپنی گول گول آنکھیں گھمائیں۔

"مٹھو بولو ہالہ۔" مٹھو صاحب ایک بار پھر خاموشی سے اپنے پاؤں میں پڑے امرود کے ٹکڑے کو چونچ سے کترنے لگے۔

''مٹھو بولو ہالہ۔'' ہالہ اب غصے سے دانت پیس کر بولی تو زیمل کے ساتھ نفیسہ بھی کھل کر ہنسیں جبکہ ان کو یوں ہنستا دیکھ کر ہالہ نے ناراضی سے طوطے کو گھورا۔

''ہالہ۔'' طوطا جو پہلے ایٹی ٹیوڈ دیکھا رہا تھا۔ ہالہ کے گھورنے پر فوراً بولا اور اس نے بچوں کی طرح خوش ہو کر نفیسہ کا گھٹنا ہلایا۔

''دیکھا اماں، یہ بولا۔ اس نے میرا نام لیا۔''

''تم تو ایسے خوش ہو رہی ہو جیسے بچہ پہلی بار اپنی ماں کا نام لیتا ہے۔'' نفیسہ کے مذاق اڑانے پر زیمل کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ شاہی طوطا ہے، مغرور، یہ بس ان لوگوں کے نام لیتا ہے جن کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے اس نے میرا نام لیا اور پھر میں نے اسے پورا امرود کھلایا تھا۔ کیوں مٹھو۔'' اس نے جھک کر طوطے کو پکارا۔ لیکن وہ ایک بار پھر پنجرے میں گھومنا شروع ہو چکا تھا۔

''ہالہ، کبھی کبھی تم بالکل بچوں والی حرکتیں کرتی ہو، لگتا ہی نہیں یونی ورسٹی کی اسٹوڈنٹ ہو۔''

''اماں یونی ورسٹی اسٹوڈنٹ کون سے خلائی مخلوق ہوتے ہیں ہماری طرح کے انسان ہی ہوتے ہیں۔ اور انسان جتنا مرضی بڑا ہو جائے ایک بچہ ہمیشہ اس کے اندر موجود رہتا ہے۔''

''اچھا تم دونوں ادھر ہو تو انوری کے پاس کون ہے اس کا بخار کم ہوا یا نہیں۔''

''میں گئی تھی انہیں دیکھنے وہ سو رہی تھیں تو میں نے انہیں جگایا نہیں۔ ماتھا چیک کیا تو اتنا گرم نہیں تھا۔''

''دو دن سارا گھر دیکھنا پڑا۔ میرا دماغ گھوم کر رہ گیا ہے انوری کی ہمت ہے پتا نہیں کیسے سب مینج کرتی ہے۔'' نفیسہ کے کہنے پر ہالہ نے سر ہلایا۔

''اور وہ لیٹی ہوئی تو بالکل اچھی نہیں لگتیں۔'' زیمل کو بھی ان کے بغیر اداسی ہو رہی تھی۔

''زیمل بیٹا تم جا کر انوری سے کہو کپڑے بدل لے۔ میں ڈرائیور کے ساتھ انوری کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہوں۔'' ان کے کہنے پر وہ سر ہلاتی اندر کی طرف بڑھ گئی جبکہ نفیسہ ہالہ کو دیکھنے لگی جو اب بھی طوطے کو انگلش میں کچھ سکھا رہی تھی۔

''تمہاری یونی ورسٹی کب اسٹارٹ ہو رہی ہے۔''

''پرسوں۔'' وہ اب ان کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئی تھی۔

''سردیاں شروع ہونے والی ہیں میں نے جانا تھا شاپنگ کرنے لیکن ٹائم نہیں مل رہا اور آج کل کیا فیشن چل رہا ہے مجھے اتنا پتا نہیں...... تم ایسا کرو زیمل کو ساتھ لے جاؤ اور اس کی پسند کی شاپنگ کر لو ابھی اس نے تمہارا سوئیٹر پہنا ہوا تھا مجھے اچھا نہیں لگا۔''

''اماں، میں کوئی اچھوت ہوں جس کے کپڑے وہ نہیں پہن سکتی۔ بہنیں ایک دوسرے کے کپڑے پہن لیتی ہیں۔ اس میں برا لگنے والی کیا بات ہے۔''

''بری بات نہیں لیکن بس میں چاہتی ہوں زیمل کا دل برا نہ ہو۔''

''کیا اس نے آپ کو کچھ کہا۔''

☆☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

قانتہ رابعہ

کہکشاں جگمگ

دونوں بہنیں، زارا اور سارہ صرف بہنیں ہی نہیں تھیں ایک دوسرے کے دکھ سکھ کی ساتھی اور ایک دوسرے کی خوشی میں خوش اور غمی میں ایک ساتھ آنسو بہانے والی، ان کی زندگی کا ایک خوش گوار دن وہ تھا جب زارا کی ساس نے اپنے چھوٹے بیٹے اویس کے رشتے کے لیے سارہ کا نام لیا۔ خوشی کے مارے وہ تو سکتے ہی میں تھی۔

ساس نے دوبارہ مخاطب کر کے پوچھا تو وہ ہوش وحواس کی دنیا میں لوٹ آئی اور خوشی کے آنسو پونچھتے ہوئے بولی۔

"اور تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی سوائے اس کے کہ سارہ مجھ سے بلکہ ہم پانچوں بہن بھائیوں میں سب سے اچھی ہے......"

ساس مسکرائیں پھر توقف سے بولیں۔

"اس کی نیک دلی اور اچھی عادتوں نے ہی تو گرویدہ کیا ہے، لیکن یاد رکھو جتنا بھی سلوک اتفاق ہو دیورانی جیٹھانی کا رشتہ بن ہی جاتا ہے میں تو اویس سے پوچھ کر ہی رشتہ ڈال رہی ہوں لیکن اسے اس کی نزاکتوں کے ساتھ قائم رکھنا تمہارا کام ہے۔"

"ان شاء اللہ اس رشتے میں کبھی دراڑ نہیں آئے گی میں پہلے سے لکھ کر دیتی ہوں۔" زارا نے سرشاری کے عالم میں ساس سے کہا۔

اس کے بس میں نہیں تھا وہ اٹھ کر ساس کا منہ چوم لے کیونکہ اس کے اپنے گھر میں اس کی تائی امی

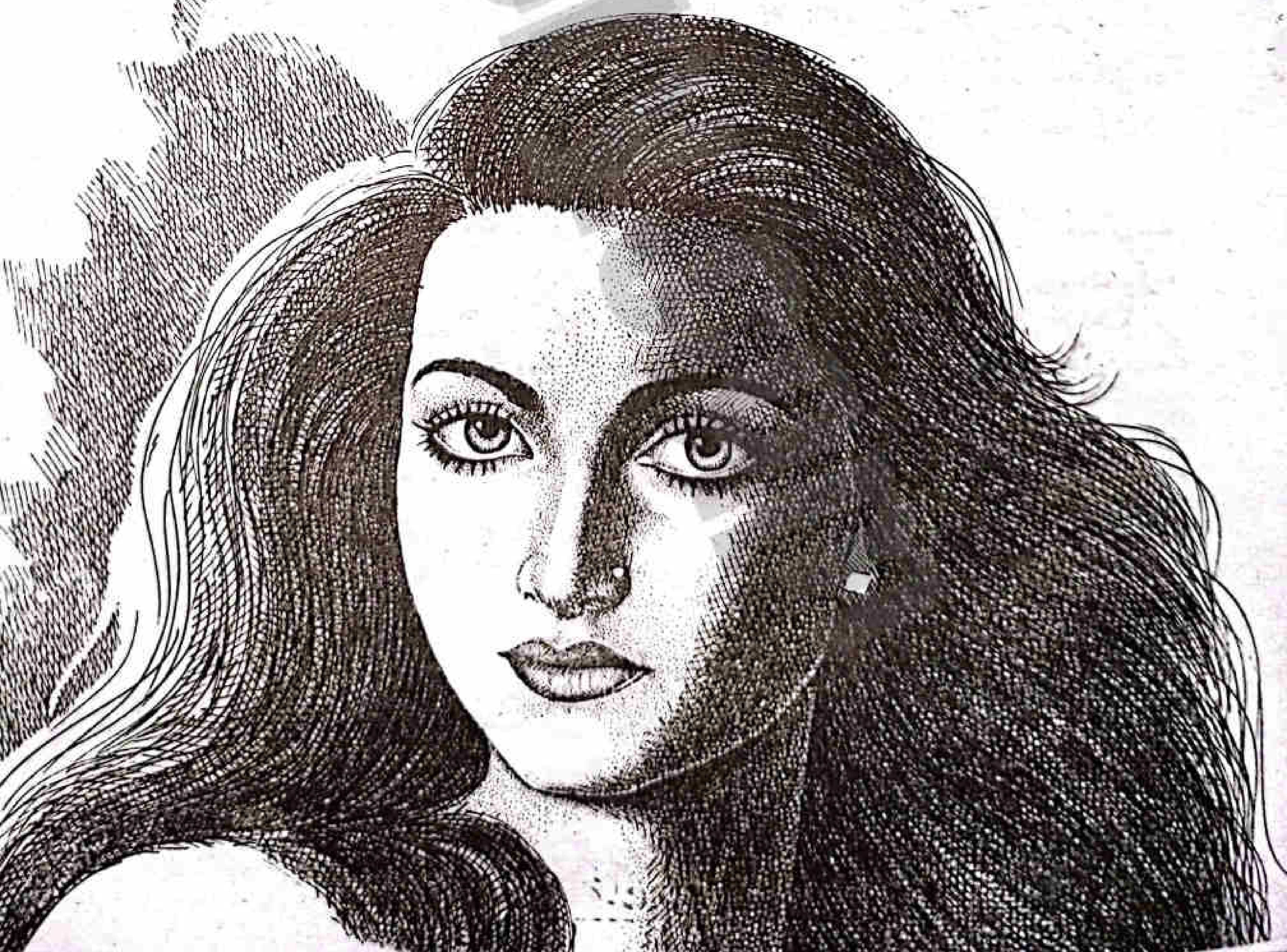

اور سب سے چھوٹی چچی زینب سگی بہنیں تھیں اور دیورانی جیٹھانی کے رشتے میں بندھنے کے بمشکل دو تین ماہ کے بعد، دونوں کے تعلقات میں سردمہری آ گئی تھی۔

ساس سسر کے ساتھ زارا اور بچے بھی رشتے کے لیے گئے۔

☆☆☆

تقریب نکاح میں سارہ پر اتنا روپ آیا ہوا تھا کہ اس کی طرف جو دیکھتا ماشاءاللہ پڑھنے کے بعد پہلا سوال یہ کرتا کہ سارہ کس پارلر سے تیار ہوئی ہے؟"

زارا مسکرا کر سب کو یہی جواب دیتی رہی کہ

"خود ہی تیار ہوئی ہے اور اتنے روپ کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو سارہ نے کبھی میک اپ نہیں کیا، دوسرا اس کے اندر کا حسن آج چہرے پر سب کو دکھائی دے رہا ہے۔"

شادی کی تقریبات سے فرصت ملی تو شادی کی دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

زارا نے نوٹ کیا کہ شادی شدہ زندگی کے یہ چار سال، جو اس نے سارہ سے دور رہ کر گزارے ان میں سارہ مزید میچور ہو گئی ہے۔

جلد ہی سارہ کو بھی ڈاکٹر نے خوش خبری سنا دی۔ دونوں بہنیں ہر جگہ ساتھ جاتیں۔ ہر وقت اور ہر کام میں ایک دوسرے سے مشورہ کرتیں گھر گرہستی میں زارا بہت آگے تھی تو سارہ بھی پیچھے نہیں تھی۔

وہ کام جو لوگوں کے گھروں میں بارہ تیرہ گھنٹوں میں لٹک لٹک کر پایہ تکمیل کو پہنچتے تھے ان کے ہاں بمشکل دو سوا دو گھنٹے میں مکمل ہو جاتے۔

ایک مسالہ تیار کرتی دوسری سبزی کاٹ چھیل کر تیار کر لیتی۔ ایک کپڑے دھونے کے لیے جمع کر کے لانڈری تک لے کر جاتی تو دوسری لپک جھپک مشین سے نکال کر الگنی پر ڈالتی۔ ایک سوکھے کپڑے اتار کر لاتی تو دوسری تہ لگا کر الماریوں میں منتقل کرتی۔

یہ وہ وقت تھا جب راوی چین ہی چین لکھتا تھا دوسرے گھروں میں ایک کے بعد دوسری بہو کا آنا، مقابلے بازی، حسد جلن کی فضا پیدا کرتا ہے اور ادھر امن و آشتی کی لہریں تھیں سکون تھا اور شکر ہی شکر۔

بس ایک چھوٹی سی بات میں دونوں ماں جاتی بہنوں میں فرق تھا۔

زارا اوڑھنے پہننے کی بہت شوقین تھی۔

اپنے آپ کو لوگوں میں نمایاں کرنے کا زیادہ چاؤ بھی اسے ہی تھا۔ دونوں بہنوں کے میاں مقامی کالج میں معلم تھے، درس و تدریس سے تعلق لوگوں میں تعارف کا باعث بنتا ہے۔

شادی کے، بعد زارا نے اس چیز کا پورا دھیان رکھا کہ اگر کسی بھی تقریب میں جانے کا اتفاق ہو تو وہ خوب بن سنور کر اتنے اچھے حلیے میں جائے کہ لوگ اسے یاد رکھیں، اسی وجہ سے شادی کے تین ساڑھے تین مہینوں کے بعد اس نے نئے کپڑے بھی خرید لیے تھے۔ میچنگ کی جیولری جوتے، سب خریدتی اور عمدہ برانڈ کا لیتی۔

سارہ کے رشتے سے چوتھی کی رسم تک اس نے کم و بیش بارہ جوڑے بنوائے۔ اچھی بات یہ تھی، اچھا پہننا اوڑھنا اس کا شوق تھا اور اس شوق پر سسرال میں کسی کی طرف سے قدغن بھی نہ تھی۔

سارہ کی شادی جاتی گرمیوں میں ہوئی اور شدید سرد موسم سے پہلے وہ تمام دعوتیں بھگتا چکے تھے سارہ نے بھی جہیز اور بری کا شاید ہی کوئی جوڑا ہو جو نہ پہنا ہو۔ جب شادی کو ایک سال مکمل ہوا تو وہ ساڑھے چھ پونڈ وزنی بچے کی اماں جان بن چکی تھی۔

ابھی چلہ بیچ میں ہی تھا کہ رمضان شروع ہوا

پہلے جیسی عبادتیں، ریاضتیں تو ممکن نہ تھیں لیکن اس نے ثواب کمانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ شاید چودھواں یا پندرھواں روزہ تھا، جب اس سے زارا نے پوچھا تھا۔

"عید کے لیے کپڑے آن لائن منگواؤ گی یا خود جاؤ گی؟"

سارہ نے حیرت سے بڑی بہن کی طرف دیکھا۔

"آپی ابھی سال ہی تو ہوا ہے شادی کو اُتنے نئے سوٹ پڑے تو ہیں۔"

"وہ تو سب تم دعوتوں میں پہن چکی ہو! عید کون سا روز روز آتی ہے سال میں یہ دو ہی تو تہوار ہیں۔ میں نے تو سوچا تھا دونوں بہنیں ایک جیسے کپڑے خریدیں گی۔" زارا نے کہا۔

سارہ خاموش رہی۔

عید پر سب نے دیکھا زارا نے جدید تراش خراش کا مہنگے برانڈ کا جوڑا پہنا ہوا تھا۔ ساتھ میں جوتا اور جیولری بھی میچنگ سے لی کہ بے اختیار سب ہی پوچھ بیٹھے۔

"کہاں سے لیا سب کچھ؟"

تیار تو سارہ بھی بہت اچھی طرح سے ہوئی بہت اہتمام تو نہیں کیا تھا مگر اس کی میچنگ بھی بہت عمدہ تھی۔

عید کی شام ہمیشہ کی طرح سب گھر والوں کو ابا نے کھانے پر بلایا تھا۔ دونوں کی تیاری میں کوئی کمی نہیں تھی۔ دونوں اپنی جگہ بہت پیاری لگ رہی تھیں۔

لیکن زارا کی زبان میں کھلی ہوئی اس سے رہا نہیں گیا اس نے کہا۔

"بات یہ ہے کہ جب اللہ نے دیا ہو تو میرے خیال میں، نئے کپڑوں کی خریداری میں کوئی ہرج تو نہیں، اب تم امی کی طرف وہ سوٹ پہن کر جا رہی ہو جو پھوپھو فریحہ کی بیٹی کی شادی میں تم نے پہنا تھا کیا کہیں گی دونوں بھابھیاں؟"

سارہ مسکرائی اور بولی۔

"واقعی آپی! نئے سوٹوں کے خریدنے اور پہننے پر پابندی تو نہیں لیکن مجھے معلوم ہے اتنے مہنگے سوٹوں کی قیمت، تقریباً بات نہیں بلکہ وہ خون پسینہ ہے جو ابا نے محنت سے کمانے میں بہایا۔

رہی بات لوگوں کی تو بات یہ ہے بالعموم پہننے والے کو ہی یاد رہتا ہے اس نے کس فنکشن میں کون سا سوٹ پہنا تھا دوسرے لوگوں کو تو یہ یاد ہی نہیں رہتا۔

تیسرا یہ کہ میں نے جب پچھلے سال ایک معروف اسکالر کا عشرہ ذی الحج اور قربانی کے موضوع پر سیشن لیا تھا تو میں نے اللہ سے وعدہ کیا تھا میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر نہ سہی لیکن حیثیت کے مطابق اس قربانی سے ان کو گوشت پہنچاؤں گی جو اس کے زیادہ مستحق ہیں۔۔ میں اپنا جیب خرچ اور جو منے کی پیدائش پر مجھے سلامی کے لفافے ملے۔ سب جمع کر کے غزہ بھیج چکی ہوں جہاں گوشت تو عیاشی ہے پینے کے لیے پانی بھی میسر نہیں۔ جن کی چھت چھن گئی۔

جنہوں نے انبیاء کی اولاد ہونے کے ساتھ قبلہ اول کے محافظ ہونے کا وہ فرض ادا کیا ہے جس کا ہم گناہ گار سوچ بھی نہیں سکتے۔

اور۔۔ آج بھی اپنی عیدی اور منے کی عیدی وہیں جانے والے فنڈز میں ٹرانسفر کروا کر ہی گھر سے نکلی ہوں مجھ سے رب نے بیٹا نہیں مانگا۔ اگر مانگ لیتا تو میں کیا کرتی۔ اس کی جان کے شکرانہ کے طور پر یہ رقم کسی کے کام آجائے اس سے بڑھ کر عید کی خوشی کیا ہو سکتی ہے؟"

سارہ آنسو پونچھ رہی تھی۔ اور زارا پھٹی پھٹی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی سارہ اس سے دو سال چھوٹی تھی لیکن نیکی میں اس سے دو سو سال آگے نکل گئی تھی۔ بہن کے لیے اب اس کے دل میں محبت کے ساتھ وافر مقدار میں رشک بھی تھا۔

☆☆

حمیرا شفیع

گل بہار کی عید

بانو آپا نے کہیں لکھا ہے کہ۔ ''عورت توجہ مانگتی ہے اور مرد ذہنی سکون، دونوں کو جہاں بھی یہ دونوں چیزیں ملتی ہیں۔ وہ وہیں کے ہو کے رہ جاتے ہیں۔''

ان دونوں نے بھی یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے پر فراخ دلی سے لٹائی تھیں۔ اس لیے وہ دونوں بھی فقط ایک دوجے کے ہی ہو کر رہ گئے تھے۔

ہاں وہ دونوں...... امیر گل اور بہار بانو۔

دونوں کی جوڑی کو گل بہار کہا جاتا تھا۔ خاندان بھر میں اور خاندان سے باہر بھی، اڑوس پڑوس تک دونوں کی محبت، وفا اور ذہنی ہم آہنگی کے چرچے تھے۔ نئے جوڑوں کو خاص طور پر انہی کی مثال دی جاتی تھی۔

گل بہار کی طرح زندگی جینا...... یہ نہیں تھا کہ کبھی لڑائی جھگڑا نہ ہوا ہو۔ انہوں نے ازدواجی زندگی کا ہر رنگ چکھا تھا۔ روٹھنا منانا...... نوک جھونک...... بحث مباحثہ کبھی کچھ...... بس بات کبھی بیڈروم سے اور گھر کی چار دیواری سے باہر تک نہیں گئی تھی۔ زندگی سرما کی دھوپ کی مانند تھی۔ حرارت بخش یا پھر سبک خرام ندی کی مانند...... دھیرے دھیرے اپنی رو میں بہتی ہوئی۔

پھر ایک دن یوں ہوا۔

☆☆☆

بات بہت چھوٹی سی تھی۔ اور ایک دوپٹے سے شروع ہوئی تھی۔ بہار فراغت سے لیٹی اپنا موبائل اسکرول کر رہی تھی جب نظریں ایک خوب صورت ملٹی شیڈڈ دوپٹے پر ٹھہر گئیں۔

چار بنیادی رنگوں سے بنا وہ ایک شیفون کا دلکش دوپٹہ تھا جو گولڈن گوٹا کناری سے سجا تھا۔ ''عید کلیکشن'' کے ڈریسز میں وہ دوپٹہ ایک مشہور برانڈ نے ڈیزائن کیا تھا۔ دوپٹے کے نیچے لکھا تھا۔

''نارنجی، دھانی، کاسنی اور لیمن شیڈز کے امتزاج سے بنا یہ دوپٹہ آپ کے لباس کو چار چاند لگا دے گا۔ اس کو آپ بیک وقت چار مختلف جوڑوں کے ساتھ اوڑھ سکتی ہیں اس کی قیمت صرف...... ہے'' اور ڈسکاؤنٹ میں بھی اس کی قیمت پانچ ہزار کا ہندسہ کراس کر رہی تھی۔

وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی۔

''کیا دیکھ رہی ہو......؟''

گل نے اس کی محویت نوٹ کی۔

''دوپٹہ تو بہت خوب صورت ہے۔'' اس نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

''مگر بہت مہنگا ہے۔'' وہ بڑبڑائی۔

''بہار......! میں کوشش کروں گا کہ عید تک شاید......'' گل نے اس کا ہاتھ تھاما۔

''ہرگز نہیں گل......'' وہ تیزی سے اٹھ بیٹھی۔

''یہ دوپٹہ ڈیزائن کرنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ شیفون میں یہ چار کلر تو آسانی سے مل جائیں گے۔ پھر گوٹا کناری لگانا کون سا زیادہ مشکل ہے۔ بس تھوڑی محنت زیادہ کرنی پڑے گی۔ آدھی سے بھی کم قیمت میں تیار ہو جائے گا۔ بس آپ کسی روز مجھے فیصل بازار لے جانا۔''

☆☆☆

یونہی آج کل کرتے کرتے عید نزدیک آتی گئی۔ بازاروں میں اب رش بے پناہ بڑھ چکا تھا۔

اس نے چھوٹی عید پر جو تین جوڑے سلوائے تھے اس میں سے ایک پہنا ہی نہیں تھا۔ اس کا دوپٹہ کچھ آؤٹ آف فیشن سا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اس سوٹ کے ساتھ وہی ملٹی شیڈڈ دوپٹہ تیار کروالے۔

مگر امیر گل کے پاس اسے مارکیٹ لے کر جانے کا ٹائم ہی نہیں نکل رہا تھا۔ اس سے مایوس ہو کر وہ ایک دن کام والی کی لڑکی کے ہمراہ رکشہ کرا کے خود ہی فیصل بازار چلی آئی۔

کئی دوکانیں کھنگالیں مگر دھانی شیڈ ہی نہیں مل رہا تھا۔ آخر ”گلشن دوپٹہ ہاؤس“ سے اسے مطلوبہ شیڈ مل ہی گیا۔ وہ دوکان دار سے بھاؤ تاؤ کروا رہی تھی جب بے دھیانی میں اس کا پاؤں اس کے بالکل پیچھے کھڑی ایک دوسری عورت کے لمبے سے دوپٹے سے رپٹ گیا۔

”اوسوری......“ دوسری عورت نے جلدی سے اپنا دوپٹہ سمیٹا۔ وہ ذرا سا سنبھل کر سیدھی کھڑی ہوئی۔

”بانو......تم؟“ وہ عورت جاتے جاتے پلٹی۔

بہار کو تو زیادہ لوگ بہار ہی کہتے تھے۔ بہت کسی پرانے شناسا کو ہی اس کا نام ”بانو“ یاد تھا۔ وہ ٹھٹھک سی گئی۔

وہ تقریباً اسی کی عمر کی ایک ماڈرن سی، طرح دار عورت تھی۔ بے حد سفید رنگت، تیکھے نقوش، دو تین شیڈ میں ڈائی باب کٹ بال۔ اس نے یادداشت کو کھنگالا مگر بے سود۔

ذہن کی پلیٹ پر ماضی کا کوئی نقش نہ ابھرا۔

”بانو! پہچانا نہیں میں اساور۔“ عورت اب اپنائیت سے مسکرا رہی تھی۔

”اساور۔“ اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ یہ منفرد سا نام رکھنے والی اپنی بی۔ ایس کی کلاس فیلو یاد آ گئی۔

''اف......توبہ......اساور یہ تم ہو۔ کتنا بدل گئی ہو۔'' وہ سیدھی سی مانگ کی لمبی چوٹی والی اساور ایک دم سے اپ ٹو ڈیٹ سی ماڈرن حسینہ بن چکی تھی۔ سانولی سلونی سی رنگت غالباً کسی ٹریٹمنٹ کی بدولت اتنی گوری چٹی ہو چکی تھی۔

''میں تو تمہیں بالکل نہیں پہچان پائی یار......''

اب وہ ذرا سائیڈ پر ہو کر گرم جوشی سے مل رہی تھیں۔ ''مگر بانو میں نے تمہیں ایک نظر میں پہچان لیا تھا۔ تم ویسے کی ویسی ہی دلکش اور حسین ہو مگر پہلے کی طرح ہی خود سے لاپروا۔''

اساور نے اس کے سنہری بالوں کی ایک لٹ کو انگلی سے چھوتے ہوئے اس کے عام سے حلیے کو گہری نظر سے دیکھا۔

''بس یار......تمہیں پتا تو ہے کہ میں کتنی آلسی ہوں۔'' وہ شرمندہ سی ہنسی۔ کاش آتے وقت کپڑے ہی تبدیل کر لیتی یا پھر عبایا ہی پہن لیتی۔

☆☆☆

پورے ایک ہفتے کی محنت اور جانفشانی کے بعد جا کر کہیں وہ دھنک رنگ دوپٹہ تیار ہوا تھا۔ پہلے اس نے نفاست سے شیفون کے مختلف رنگوں کے ٹکڑوں کو جوڑا تھا۔ پھر انہیں گولڈ گوٹا کناری سے مزین کیا تھا۔ دوپٹہ بار بار ہاتھوں سے پھسل پھسل جاتا تھا۔ انگلیوں کی پوریں سوئیوں کی چبھن سے فگار ہوئی تھیں۔

بہر حال جب دوپٹہ تیار ہوا تو وہ اپنی کاوش پر پھولے نہیں سما رہی تھی۔ بے تابی سے گل کا انتظار تھا۔ جونہی وہ شام کو آیا تو وہ دبی دبی خوشی سے اسے بازو سے تھامے اندر لائی۔ دوپٹہ بیڈ پر بکھرا پڑا تھا۔

''ہیں۔ یہ تم نے خرید لیا۔ پیسے کہاں سے لیے؟'' گل نے دوپٹہ دیکھتے ہی ترنت پوچھا۔

''گل! یہ سارے کا سارا میں نے خود بنایا ہے۔'' اس کا چہرہ جوش و جذبے سے تمتما رہا تھا۔

''واہ بھئی......کمال کر دیا۔ اچھا اب جلدی سے مجھے کھانا لا دو۔ آج دوپہر میں بھی کچھ نہیں کھایا۔'' وہ تیزی سے واش روم کی جانب بڑھا۔

اس کے سارے ارمانوں پر اوس سی پڑ گئی۔ بھلا اتنی سی تعریف سے دل کہاں خوش ہونا تھا۔

فارغ ہو کر اس نے دوپٹے کو اوڑھا اور مختلف زاویوں سے کھٹا کھٹ اپنی دو تین تصویریں لیں اور گروپ میں سینڈ کر دیں۔

بری قسمت آج سب ہی نجانے کہاں مصروف تھے۔ کوئی دھماکہ دار ریویو تو نہیں آیا۔ ہاں البتہ رات کے کسی پہر ساور کا وائس نوٹ ضرور موصول ہوا۔

''ڈیئر بانو! دوپٹے کی خوب صورتی سے زیادہ تو میں اس کو اوڑھنے والی کے حسن کو خراج تحسین پیش کرنا چاہوں گی۔ اس گھریلو، سادہ سے حلیے میں تم ٹاپ کی ماڈلز کو بھی مات دے رہی ہو۔ دعا ہے کہ تمہارے چہرے کی یہ معصومیت اور سادگی، تصنع سے پاک اور تمہارا حسن یونہی تمہارے نام کی طرح سدا بہار رہے۔'' میسج پڑھ کر اس کی روح خوش ہو گئی۔ اساور جس کا نمبر اس دن اس نے رسمی طور پر سیو کر لیا تھا۔ شادی کے بعد پرانی دوستیاں پالنے کی وہ نہ تو عادی تھی اور نہ ہی گھر گرہستی میں اس کے پاس اتنی فراغت تھی۔ مگر اب اس کی سوچ تھوڑا بدل چکی تھی۔ اس نے فوراً۔

''تھنک یو۔'' کا ریپلائی کیا اور پھر تقریباً روز ان کی چیٹ ہونے لگی۔

''یار! تم کوئی مصروفیت کیوں نہیں ڈھونڈ لیتیں؟'' وہ پوچھتی۔

''مصروفیت کی گنجائش کہاں ہے۔ گھر کے بکھیڑے تھوڑے ہیں۔'' وہ ہنستا ہوا ایموجی بھیجتی۔

''خود کو جھاڑو پوچے اور کچن میں کیوں ضائع کر رہی ہو۔ اپنے ٹیلنٹ کو استعمال کرنا سیکھو۔'' وہ نئی راہ دکھاتی۔

''اپنے کپڑے خود ڈیزائن کر لیتی ہوں۔ اسٹیچنگ بھی اچھی ہے میری۔ اپنی ذات تک ٹیلنٹ استعمال ہو تو رہا ہے۔'' وہ مطمئن تھی۔

''بے وقوف! یہ کافی نہیں ہے۔ آگے بڑھو۔ خود کو گرُوم کرو۔ مجھے دیکھو تمہارے جتنی ٹیلنٹڈ بھی نہیں

ہوں۔ پھر بھی گھر بیٹھے لاکھوں کما رہی ہوں۔"

"وہ آن لائن ماڈلنگ...... نہ بابا نہ...... امیر گل مجھے قتل کردے گا۔"

دراصل اساور ایک مشہور برانڈ کے لیے آن لائن ماڈلنگ کرتی تھی۔ کمپنی اسے اپنے ڈریسز پرووائڈ کرتی تھی جو اس نے پہن کر مختلف اینگل سے فوٹو شوٹ کرنا ہوتا تھا۔ اب اس کی جو پک کمپنی کے سپروائزرز کو پسند آتی وہی ایڈورٹائزمنٹ میں استعمال کی جاتی۔ اساور کا کہنا تھا کہ اس قسم کی ماڈلنگ میں چہرا واضح نہیں ہوتا۔ صرف ڈریس کو کیری کرنے کا اسٹائل ہائی لائٹ کیا جاتا ہے۔ پھر میک اپ سے لک اتنی بدل جاتی ہے کہ ماڈل خود کو بھی مشکل سے پہچان سکتی ہے۔

کئی لڑکیاں اس طرح سے لاکھوں کما رہی تھیں۔ اساور کا خیال تھا کہ بانو چونکہ خود بھی ایک اچھی ڈیزائنر تھی۔ تو وہ اپنے تیار کردہ ڈریسز کی خود ہی ماڈلنگ کرسکتی تھی۔

اگر وہ دونوں مل کر ایسا کوئی پیج بنالیں تو بقول اس کے کہ مارکیٹ میں دھوم مچا سکتی تھیں۔

بہار بانو نے اس وقت تو اساور کی باتوں کو ایک دیوانے کا خواب سمجھ کر مذاق میں اڑا دیا۔

ویسے بھی وہ اپنی زندگی سے خوش اور مطمئن تھی۔ زیادہ آسائشات تو حاصل نہ تھیں بہر حال امیر گل اتنا کما لیتا تھا کہ اس کی ہر ضرورت با آسانی پوری ہو جاتی تھی۔

☆☆☆

بقر عید چونکہ شدید گرمی میں آرہی تھی۔ اس لیے لان کاٹن کے ملبوسات ہی فیشن میں ان تھے۔ بہار نے بھی لان کے ڈریسز ہی بنائے تھے۔ آ گنزا، نیٹ اور شیفون کے دوپٹوں کے ساتھ۔ اساور کو سب سے زیادہ وہی ملٹی شیڈڈ دوپٹے والا ڈریس ہی بھایا تھا۔

"بانو یار! اگر میں اس ڈریس میں تمہاری ایک پک کمپنی کی ویب سائٹس پر شیئر کروں تو دھوم مچ جائے۔"

"ہرگز نہیں اساور! گل اس کی اجازت بالکل نہیں دیں گے۔ ویسے بھی میرے میکے اور سسرال دونوں کا ماحول مذہبی سا ہے۔"

"کیا اس طرح بھی اجازت نہیں دیں گے۔"

اب کے اساور نے دوبارہ اس کی تصویر اس کو سینڈ کی جس میں اس کا چہرہ گردن تک غائب تھا۔

"دیکھو۔! ہمارا مقصد تو ڈریس کو ہی ہائی لائٹ کرنا ہے۔"

اب کے وہ سوچ میں پڑ گئی۔ کتنے خرچے سر پر پڑے تھے۔ انہوں نے پلاٹ کی قسط ادا کرنی تھی۔ قربانی کا جانور خریدنا تھا۔ پھر ان کے بیڈروم کا پینٹ جگہ جگہ سے اکھڑ رہا تھا۔ چھت کمزور تھی۔ برسات سے پہلے اسے بھی مرمت کروانا تھا۔

محض ایک تصویر سینڈ کرنے سے کتنے روپے ہاتھ آجاتے۔ پھر کون سا اس کا چہرہ نظر آنا تھا۔ مگر اب بھی اس پر گل سے بات کرنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔ اس کا جواب نہ میں ہی ہونا تھا۔ وہ اسے اچھے سے جانتی تھی۔

کئی دن تک وہ شش و پنج میں رہی اور پھر ایک دن اس نے اسے "اوکے" کا میسج سینڈ کر دیا۔

☆☆☆

آفس میں آج میٹنگ بہت لمبی چلی تھی۔ کاروباری دنیا میں آج کل جس طرح مندی کا رجحان تھا تو اتنا بڑا آرڈر اچانک مل جانا باس سمیت سب ہی کے لیے بہت خوشی کا باعث تھا۔

کلائنٹ کی پوری ٹیم کو انہوں نے بہت اچھے سے مطمئن کر کے بھیجا تھا۔ مال بھی مارکیٹ ریٹ سے دس فیصد کم پر فراہم کرنے کی یقین دہانی کروائی تھی۔ ان ہی چکروں میں دوپہر کا لنچ آج پھر گول ہو گیا تھا۔

جونہی فارغ ہوئے تو اس کا دوست اور کولیگ مچل گیا کہ آج آرڈر ملنے کی خوشی میں ہوٹل میں لنچ کیا جائے۔ ناچار امیر گل کو اس کے ہمراہ جانا پڑا۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ ٹیبل پر ہی بیٹھا تھا۔ اس کا کولیگ اپنے اور اس کے پسندیدہ فلیور کی آئس کریم

لینے گیا تھا۔
اس کی ٹیبل کے عین پیچھے من چلوں کا ایک ٹولہ بیٹھا خوش گپیوں میں مصروف تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا جی بھر کر بور ہو رہا تھا۔ واصف تو نجانے آئس کریم شاید خود بنانے بیٹھ گیا تھا۔
اس کے عین دائیں طرف بیٹھا لڑکا اپنے سامنے والے کو کہہ رہا تھا۔
''دیکھو ذرا یہ شاید نیا چہرا ہے۔'' کتنا یونیک اور دلکش اس کا لیپ ٹاپ سامنے کھلا تھا۔ غیر ارادی طور پر امیر گل کی نظریں اٹھیں اور پھر نظروں کے سامنے ایک قیامت گزر گئی۔

☆☆☆

ٹھیک اسی وقت اسا ور فون پر بہار سے کہہ رہی تھی۔
''سوری یار! پتا نہیں کیسے ہو گیا۔ غلطی سے میری انگلی ٹچ ہوئی اور تمہاری فیس والی تصویر کلک ہو گئی۔''
''ہائے اللہ......'' بہار کے پاؤں تلے زمین نکل گئی۔
''مگر تم فکر نہ کرو۔ میں نے فوٹو شاپ سے فیس کو اتنا بدل دیا تھا کہ تم خود بھی دیکھ لو گی تو پہچان نہ پاؤ گی۔ ٹینشن نہ لو یار...... کچھ بھی نہیں ہوگا۔ ویسے بھی عید کی تمام کولیکشن مارکیٹ میں کب کی آ چکی ہے۔ یہ والی شاید زیادہ وائرل بھی نہ ہو۔'' اتنے میں دروازہ دھڑ دھڑایا گیا۔
بہار نے بدحواس سی ہو کر فون کان سے لگائے لگائے دروازہ کھولا۔
سامنے امیر گل کھڑا تھا۔ اور اس کے چہرے پر جو کچھ لکھا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ لرز گئی۔

☆☆☆

صحن میں گھور تاریکی تھی۔ ہوا ساکن اور فضا خاموش تھی۔ وہ گھٹنوں میں سر دیئے کافی دیر سے ایک ہی زاویے سے بیٹھی تھی۔ گردن اکڑ اور کمر تختہ ہو چکی تھی۔ وہ ابھی تک اتنی بے یقین تھی کہ یوں آنا فانا اس کا آشیانہ آندھیوں کی زد میں کیسے آ سکتا تھا۔
اس دن پہلی بار گھر کے در و دیوار نے امیر گل کو اتنا غضب ناک دیکھا تھا۔ وہ اپنی صفائی میں ایک لفظ تک نہ بول سکی تھی اور وہ تن فن کرتا ہوا پھر دوبارہ گھر سے نکل گیا تھا اور آج چار دن ہو چکے تھے ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔
اس کے تمام کانٹیکٹ نمبرز بند جا رہے تھے۔
اپنی وہ منحوس تصویر اس نے بھی دیکھی تھی۔ اسا ور صحیح کہہ رہی تھی۔ وہ بالکل بھی پہچانی نہیں جا رہی تھی۔ مگر اسا ور کی بھول تھی۔ وہ نظریں امیر گل کی تھیں، وہ اسے ہر روپ میں کھوج سکتا تھا۔ محبت جتنی شدید ہوتی ہے تو رد عمل بھی اس سے بڑھ کر شدید ہوتا ہے۔
کوئی اور شوہر ہوتا تو دو تھپڑ لگا کر خاموش ہو جاتا مگر اس نے تو خود کو ہی اس کی نظروں سے دور کر کے اسے سب سے بڑی سزا دی تھی۔

☆☆☆

چار دن مزید گزرے تو اس کا ضبط جواب دے گیا۔ وہ روتی ہوئی بہن کی دہلیز پر کھڑی تھی۔
''آپا......! وہ امیر گل۔'' اس نے سسکتے ہوئے ساری رام کہانی سنا دی۔ آپا نے بھی اپنا سر تھام لیا۔
پھر بہنوئی نے بھی بھاگ دوڑ کی مگر بے سود۔ دفتر والوں نے ٹکا سا توڑ جواب دے دیا کہ ان کے رولز کے مطابق کسی ایمپلائی کے بارے میں کوئی بھی انفارمیشن اس کی مرضی کے خلاف اس کے خاندانی ذرائع تک کو بھی نہیں فراہم کی جاتی۔

☆☆☆

دن بہت اداس اور بے کیف سے گزر رہے تھے۔ ایک دوپہر اس کا دیور سوٹ کیس اٹھائے اسے ڈھونڈتا ہوا آ پہنچا۔
''بھابھی! آپ اور بھیا دونوں کیا خوب کمال کے ہیں۔ ان کا فون نہیں لگ رہا اور آپ یہاں تشریف فرما ہیں۔ آج دوپہر کی فلائٹ سے پہنچا تو دروازے پر تالا پڑا تھا۔ پڑوس سے معلوم ہوا کہ

آپ ادھر ہیں تو یہاں چلا آیا۔"

اس سے پہلے کہ وہ دروازے پر کھڑے کھڑے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دیتی۔ آپا تیزی سے آگے بڑھیں۔

"بٹیا! تم اندر تو آؤ......"

تھوڑی دیر بعد صورت حال جان کر وہ بھی پریشان ہو گیا۔

"بھیا! اس سے پہلے تو کبھی اتنے جذباتی نہیں تھے۔"

"یہ بھی اس سے پہلے اتنی بے وقوف کبھی نہیں تھی۔" آپا بڑبڑائیں۔

"میں تو اماں، ابا کے نام سے قربانی کرنے کے واسطے آیا تھا۔ پہلے اطلاع بھی نہیں دی کہ سرپرائز دوں گا۔ یہاں کے حالات کا اندازہ نہیں تھا۔ ابھی کچھ دیر آرام کر کے بھیا کی خیر خبر معلوم کرنے نکلتا ہوں۔" وہ تھکے تھکے، پژمردہ سے لہجے میں بولا۔

دیور کے آنے سے تھوڑی آس تو بندھی تھی مگر جب اگلے ڈیڑھ دن تک وہ بھی غائب رہا تو اسے شدید تپ چڑھی۔ فوراً فون کھڑکایا۔

"بھابھی! بھیا کا تو کچھ پتا نہیں چلا۔ مگر میرا خیال ہے کہ عید شب برات پر یوں گھر بند کرنا اچھا شگون نہیں ہے۔ آپ آ کر تالا کھولیں۔ میں مویشی منڈی سے قربانی کا جانور خرید کر لاتا ہوں۔"

اسے دیور کی بات معقول لگی۔ اس امید پر کہ شاید عید کے دن ہی امیر گل لوٹ آئے وہ گھر جانے کی تیاری کرنے لگی۔

گھر پہنچ کر تالا کھولا تو دل میں ہوک سی اٹھی۔ خالی، ویران گھر، مٹی اور گرد و غبار سے اٹا پڑا تھا۔ اس نے پائپ لگا کر سارا گھر دھویا۔

ابھی کچن میں برتن وغیرہ سیٹ کر رہی تھی جب دروازے کی گھنٹی بجی۔ شاید دیور منڈی سے آیا تھا۔ اس نے ایک پٹ وا کیا تو اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔ الجھے اور میلے سے حلیے میں سامنے امیر گل کھڑا تھا۔ پہلے تو چند لمحے تک وہ اسے بے یقینی سے دیکھتی

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنف
بساط دل	آمنہ ریاض
دردِ موسم	راحت جبیں
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان
شہرِ دل کے دروازے	شازیہ چوہدری
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری
دل ایک شہرِ جنوں	آسیہ مرزا
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار
مین سے عورت	غزالہ عزیز
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی
بکھرنا جائیں خواب	آسیہ رزاقی
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید
رنگ خوشبو ہوا اور دل	افشاں آفریدی
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل
آج گگن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل
درد کی منزل	رضیہ جمیل
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی
تیری راہ میں رُل گئی	میمونہ خورشید علی
شامِ آرزو	ایم سلطانہ فخر

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ - 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32216361

رہی۔ پھر ایک فلک شگاف چیخ مار کر اس سے لپٹ گئی۔

"بہار پلیز ......" امیر گل نے اسے نرمی سے ہٹانا چاہا مگر وہ اس خوف سے کہ کہیں وہ وہیں سے نہ پلٹ جائے۔ اس کے ساتھ مزید چمٹ گئی۔

"بہار......" اب کے امیر گل نے اسے ڈپٹ کر خود سے علیحدہ کیا۔ اسے کسی کے کھنکھارنے کی آواز بھی سنائی دی۔ اس نے نظریں اٹھائیں اور پھر اس کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ امیر گل کے عین پیچھے اس کا دیور ایک بیل کی رسی تھامے کھڑا تھا۔

"میں منڈی میں گیا تو یہ بھی وہیں گھوم رہے تھے۔ اب لوٹ آئے ہیں۔ تو سنبھال کر رکھیے گا۔"

دیور اپنی رو میں بول رہا تھا اور وہ شرم سے سرخ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

☆☆☆

"میں نے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا تھا۔ بیویاں بھی تو انسان ہوتی ہیں۔ ان سے بھی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ آپ نے بھی تو غیر ذمہ داری کی حد کر دی یوں تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔"

وہ بیڈروم میں بیٹھے تھے اور وہ آنسو پیتے ہوئے شکوہ کناں تھی۔

"میں بھی تو تم پر اندھا اعتماد کرتا تھا۔ جب وہ اس دن اچانک ٹوٹ گیا تو سوچو کتنا دکھ ہوا ہو گا۔" وہ بھی دکھی تھا۔

"آئندہ ایسا کبھی نہیں ہو گا۔ امیر گل۔" اس نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔ اس کا لہجہ مضبوط تھا۔

"اوکے۔" امیر گل نے ہولے سے اس کے ہاتھوں کو تھپتھپایا۔

☆☆☆

عیدالاضحیٰ کی حسین صبح تھی۔ امیر گل قصاب کا پتا کرنے گیا تھا۔ وہ کچن میں پیاز وغیرہ کاٹ رہی تھی جب اس کا دیور آ کر کہنے لگا۔

"بھابھی! ابھی تھوڑی دیر تک گائے ذبح ہو جائے گی۔ میں اس سے پہلے اس کی ایک شان دار سیلفی بنانا چاہ رہا ہوں۔ آپ پلیز تھوڑا بہت آرائش کے لیے سامان تو دے دیں۔"

"میرے کمرے میں چلے جاؤ۔ وہاں سے تمہیں ہار پھول وغیرہ مل جائیں گے۔" وہ مصروف سی بولی۔

اس نے بڑے سے دیگچے میں مسالہ وغیرہ فرائی کیا۔ اتنے میں باہر سے دیور کی آواز آئی۔

"بھابھی! آ کر فوٹو کھینچ دیں۔ گائے تیار ہو گئی ہے۔"

اس نے باہر نکل کر دیکھا تو اس کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

دیور جی نے اس کے قیمتی گلدان سے پھول کھینچ کر ہار بنا کر گائے کے گلے میں ڈالا تھا۔ چلو یہ تو قابل قبول تھا مگر سب سے بڑا ستم یہ کیا تھا کہ گائے صاحبہ کو بڑی شان سے اس کا وہی ملٹی شیڈڈ دوپٹہ بھی اوڑھا رکھا تھا۔ جو اس نے عید کے دن پہنا تھا۔ اس کا خون کھول اٹھا۔

"ستیاناس جائے تمہارا...... ہائے اللہ میرا عید کا دوپٹہ۔" وہ چلائی۔

اسی وقت امیر گل گھر میں داخل ہوا۔ گائے پر نظر پڑی تو اس کی بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔

آج اتنے عرصے بعد اس کو یوں خوش و خرم دیکھ کر اس کا سارا غصہ اڑن چھو ہو گیا۔

وہ جو پہلے یہ سمجھتی تھی کہ محض اچھے اور خوش رنگ کپڑے ہی زندگی میں خوشی لاتے ہیں۔ یہ جان گئی تھی کہ ایسا نہیں ہے۔ زندگی میں خوشی اور سکون تو آپ کے ساتھی کا خلوص، محبت، وفا اور سب سے بڑھ کر اعتبار لاتے ہیں۔ یہی قیمتی چیزیں ہیں اور انہی کی حفاظت لازم ہے۔ یہی سوچ کر وہ بھی سرشار سا ہو کر ہنسنے لگی۔

بوکھلایا سا دیور بھی شرمندہ ہو کر ہنسنے لگا۔

عید کی یہ صبح واقعی بڑی حسین تھی۔

☆☆

ماہنامہ کرن

جون 2025ء کے شمارے کی ایک جھلک

- اداکارہ ''شبنم ثانی'' کا ''بہو سے ساس تک'' کا سفر،
- اداکار ''عرفان موتی والا'' کہتے ہیں ''میری بھی سنیے''،
- ''تاش گھر'' ایمل رضا کا سلسلے وار ناول،
- ''چیری بلاسم'' صائمہ نور کا مکمل ناول،
- ''گنوا کر دل و جاں ہم'' اُمِ طیفور کا مکمل ناول،
- ''نخلِ وفا'' فرح بخاری کا ناولٹ،
- ''قیس جنگل میں اکیلا ہے'' منشاء محسن علی کا ناولٹ،
- ''گل نین'' ام اقصیٰ کا ناولٹ،
- عقیلہ ہاشمی، آمنہ بانو اور لبنیٰ آصف کے افسانے اور مستقل سلسلے،
- **''کرن کتاب''**

عید الاضحیٰ اسپیشل،

جون 2025ء کا شمارہ شائع ہوگیا

چاند کی عید

"ارے واہ گلاب جامن۔" لاؤنج میں داخل ہوتی رمنا نے نائرہ کے ہاتھ میں پکڑی گلاب جامن کی پلیٹ کو دیکھ کر بے اختیار خوشی میں نعرہ بلند کیا تھا۔ جس کے جواب میں وہ مسکرادی تھی۔ پتا تھا کہ رمنا کی کمزوری ہے مٹھائی، خاص طور پر گلاب جامن اور برفی۔

"کہاں سے آئی ہیں یہ گلاب جامن، کون لایا ہے یہ گلاب جامن، ہمارے اس پھیکے گھر میں کس نے بھیجی ہیں یہ میٹھی گلاب جامن۔" خاصے ڈرامائی انداز میں ڈائیلاگ بولتی رمنا نے آگے بڑھ کر ایک گلاب جامن اٹھا کر مزے سے منہ میں منتقل کی۔

"ارے ارے رمنا! کیا کرتی ہو۔ کم از کم ہاتھ منہ تو دھو لیتیں۔ ابھی ابھی باہر سے آئی ہو تم۔" نائرہ نے ناصحانہ انداز میں اسے ٹوکا مگر رمنا کو کہاں فکر تھی۔

"تو کیا ہوا۔ کبھی شیروں کے بھی منہ دھلے ہیں۔" اس نے اطمینان سے کہتے ہوئے ایک اور گلاب جامن اٹھانی چاہی تو نائرہ نے سرعت سے پلیٹ والا ہاتھ پیچھے کر لیا۔

نہیں۔ کیونکہ وہ انسان نہیں ہوتے۔ جبکہ مہذب لوگوں کے کچھ طور طریقے ہوتے ہیں، آداب واطوار ہوتے ہیں۔"

"پلیز نائرہ! بور مت کرو۔"

"اور تم بحث مت کرو۔ جاؤ جا کر منہ ہاتھ دھو کر آؤ امی کھانا لگا رہی ہیں۔" اس بار نائرہ کا نرم لہجہ قدرے سختی لیے ہوئے تھا۔

"سچ میں نائرہ! تم بہت ظالم بہن ہو۔ تمہارا نام تو تاریخ میں ہلاکو خان کے ساتھ لکھا جانا چاہیے۔"

"تم اب کوشش کر کے دیکھو شاید لکھوا ہی ڈالو۔ اور ہاں جب اس کام سے فارغ ہو جاؤ تو کھانا کھانے کے لیے ڈائننگ ٹیبل پر آجانا۔" نائرہ کمال بے نیازی سے کہتی آگے بڑھ گئی تو ناچار وہ بھی رنگ برنگے منہ بناتی اس کے پیچھے پیچھے چلی آئی۔

"ہائی داوے نائرہ! تم آج کالج کیوں نہیں گئیں۔" ذرا دیر بعد یونی فارم تبدیل کر کے رمنا ٹیبل پر آگئی تھی۔ جہاں نائرہ کے ساتھ مرینہ بھی فائقہ بیگم کے انتظار میں کھانے سے ہاتھ روکے بیٹھی تھیں۔

"بس۔ آج کوئی خاص کلاس نہیں تھی۔ اس لیے۔" اس نے مبہم انداز میں جواب دیا تو رمنا نے رخ چھوٹی بہن کی طرف پھیرا

"اور پارٹنر! تم سناؤ۔ اسکول کیسا رہا آج۔" امی کو اندر آتا دیکھ کر اس نے انہیں سلام کرنے کے بعد پلیٹ میں کھانا نکالتے ہوئے دوستانہ انداز میں مرینہ سے پوچھا تو اس نے سر کو ہلکی سی جنبش دی۔

"ٹف تھا۔ ہمیشہ کی طرح۔"

دس سالہ مرینہ کا جواب بے زاری سے بھرپور تھا۔ اسکول جانا اس کے لیے دنیا کا مشکل ترین کام تھا۔ گھر میں چونکہ سب اس جواب کے عادی تھے اس لیے کوئی تبصرہ کیے بغیر سب نے بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کر دیا۔

"اور یہ گلاب جامنیں کہاں سے آئیں۔" کھانے کے دوران اسے اچانک یاد آیا تھا۔

"ماشاء اللہ سے طاہر کی ساس عمرہ کر کے لوٹی

مکمل ناول

ہیں۔ نگہت بھابھی نے بھجوائے ہیں، ساتھ میں کھجور اور آب زم زم بھی ہے۔" فائقہ بیگم نے اپنی پڑوسن نگہت کی سمدھن کے عمرے کے بارے میں بتایا تو اس کے ماتھے پر شکنیں در آئیں۔

"بہت خوب۔ ان کی سمدھن عمرہ کر کے لوٹ بھی آئیں اور نگہت آنٹی ہمیں اب بتا رہی ہیں۔ دیکھا کیسے گھنے ہیں یہ لوگ، ہمارے گھر کی تو ہر بات

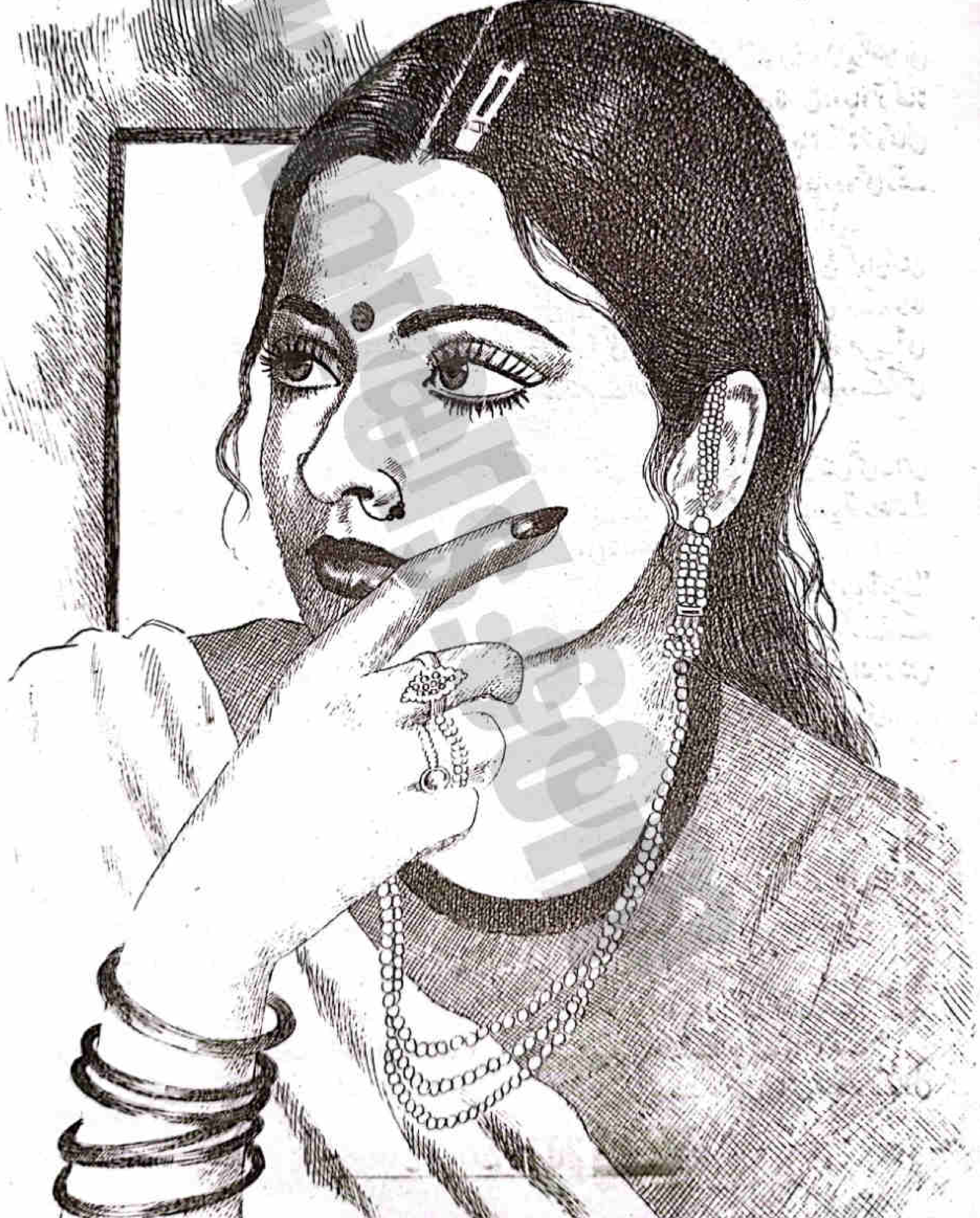

وہ ہم سے کس چالاکی کے ساتھ اگلوا لیتے ہیں اور یہاں ہمیں کانوں کان خبر نہ ہونے دی۔" رمنا کی زبان کے آگے تیل کے کنویں کھدے ہوئے تھے غالباً۔ جس پر امی نے اسے قدرے سخت نظروں سے دیکھا تھا۔

"ایسی بات نہیں رمنا۔ تمہیں پتا تو ہے کہ نگہت بھابھی کو کام مکمل ہونے سے پہلے اس کی تشہیر کرنا پسند نہیں خاص طور پر عبادت کی۔ سادہ سی خاتون ہیں وہ۔"

"بس رہنے دیں میری پیاری امی۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ سیدھے سادے لوگوں کی پیدائش آج سے دو سو سال پہلے ہونا بند ہو چکی ہے۔ اب نہیں اترتی زمین پر یہ نوری مخلوق۔"

"اچھا اور یہ گران قدر معلومات تمہیں کہاں سے موصول ہوئیں عزیزہ رمنا۔" نائرہ نے ہلکے سے مسکرا کر اسے چھیڑا

"مریخ سے۔" وہ واضح طور پر چڑی تھی

"ہمم۔ ظاہر جس سیارے سے تمہارا تعلق ہے وہیں سے معلومات مل سکی ہوں گی۔" نائرہ کی خوش گوار آنکھوں میں ہنسی کے رنگ تھے

"میرے سیارے کی ٹینشن چھوڑو۔ اس بات کی فکر کرو کہ نگہت آنٹی کی سمدھن کعبۃ اللہ کی زیارت کر آئیں جبکہ ہماری امی کی سمدھن ابھی تک اس سعادت سے محروم ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے۔" رمنا نے تاسف سے بڑی بہن انیلا کی ساس کا ذکر کرتے ہوئے کہا

"ہر ایک کی اپنی قسمت ہوتی ہے رمنا۔ اور پھر یہ تو اللہ کے گھر کا بلاوا ہے۔ وہ جسے چاہے پہلے جسے بعد میں بلائے۔" فائقہ بیگم نے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔ مرینہ خاموشی سے یہ گفتگو سن رہی تھی۔

"ہاں مگر میرے لیے تو یہ بہت ہی ہزیمت کی بات ہے کہ ہمارے محلے والے ہم سے بازی لے گئے۔" رمنا کے چہرے پر فکر مندی سی چھا گئی تھی۔

"حد ہے رمنا۔ آخر تم ہر معاملے میں ریس کا گھوڑا کیوں بن جاتی ہو۔ گویا یہ بھی کوئی مقابلہ ہو جیسے۔" نائرہ نے اسے ٹوکا۔

"کیونکہ ریس کا گھوڑا بننے والے ہی مقابلہ کر کے سبقت لے جاتے ہیں پیاری نائرہ۔ جبکہ تمہارے جیسے لوگ جو میدان سے باہر کھڑے دوسروں کے لیے تالیاں بجاتے ہیں وہ محض مقابلہ دیکھ کر بنا ٹرافی اور بنا فتح کے خالی ہاتھ گھر کو لوٹتے ہیں۔" رمنا نے اسے کھرا جواب دیا تھا۔ جس پر نائرہ نے رسانیت سے مسکرا کر نظر اپنی پلیٹ پر مرکوز کر دی۔

"نیکی میں سبقت لے جانے کی خواہش اللہ کی رضا کے لیے ہونی چاہیے رمنا۔ مقابلے کے لیے نہیں۔" فائقہ بیگم کا لہجہ فہمائشی تھا۔

"ہاں لیکن نیکی میں سبقت لے جانے کا حکم تو اللہ نے بھی دیا ہے قرآن میں۔" اس نے برجستہ کہا۔

"بلاشبہ۔ مگر اس کے ساتھ نیت خالص ہونا بھی شرط ہے۔ بہرحال اب اس بحث کو ختم کرو اور تم دونوں مل کر کچن سمیٹو۔ آدھے گھنٹے میں تمہارے بابا کی کال آجائے گی تو تم سب کچھ چھوڑ کر موبائل کے گرد آبیٹھو گی۔"

امی نے رمنا اور نائرہ کو بیک وقت ہدایت دی تو وہ دونوں سر ہلا کر برتن سمیٹنے لگیں۔ کھانا کھایا جا چکا تھا۔ آج جمعہ کا دن تھا۔ آج کا دن مہروز صاحب سے وڈیو کال کرنے کے لیے مخصوص تھا۔ اس دن کا وہ سب بہت بے چینی سے انتظار کرتی تھیں۔ اپنے گھر سے انیلا بھی گروپ کال میں شامل ہو جاتی، جس کی شادی کو تین سال ہو چکے تھے اور یوں وہ چاروں پورے ہفتے کی روداد اپنے بابا کو سناتیں اور ان کی سنتیں۔

ہر ہفتے بعد ان سب کے پاس اتنی باتیں جمع

ہو جاتیں جنہیں اپنے بابا سے کرتے ہوئے شام ہونے کا پتا نہیں چلتا۔ وڈیو کال کی بدولت میلوں کے فاصلے یوں سمٹ جاتے جیسے وہ سب ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ سب سے پہلے انیلا رخصت لیتی، اسے گھر اور سسرال کے دس کام نمٹانا ہوتے تھے۔ اس کے بعد ایک ایک کر کے وہ تینوں بھی اپنی اپنی باتوں کا کوٹہ پورا کر کے اٹھ کر چلی جاتیں، تب کہیں جا کر فائقہ بیگم کی باری آتی۔

☆☆☆

لاؤنج سے گیٹ تک کا اس کا یہ کوئی دسواں چکر تھا۔ نائرہ نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔

''بس کردو رمنا۔ تھک جاؤ گی۔ پلیز بیٹھ جاؤ اب، سکون کرو۔''

''کیا خاک سکون کروں۔ پرسوں پیپر ہے میرا۔ اور وہ فہد فراڈی میرے نوٹس سمیت غائب ہے۔'' رمنا کا بس چلتا تو کھڑے کھڑے فہد کا کورٹ مارشل کردیتی

''آخر تم فہد کو نوٹس دیتی ہی کیوں ہو رمنا! جو ہر بار تمہیں پریشان ہونا پڑتا ہے۔ تمہیں پتا تو ہے کہ وہ کتنا لاابالی ہے۔ یوں بھی آج کل اس کے بھی تو ایگزامز چل رہے ہیں۔ وقت کہاں ہے اس کے پاس یہاں آنے کا۔''

''اس نے مجھ سے اسی وعدے پر نوٹس لیے تھے کہ وہ مجھے ایک ہفتے میں واپس کردے گا۔ مگر اب تو پورے گیارہ دن گزر گئے ہیں۔ اور وہ ابھی تک غائب ہے۔''

''کون سے نوٹس تھے رمنا باجی۔'' مرینہ پاس بیٹھی ہوم ورک کررہی تھی نظر اٹھا کر پوچھا

''اردو کے۔'' رمنا نے بیزاری سے بتایا

''ہم۔ اردو شاعری میں خاصا کمزور ہے وہ۔ اس لیے تم سے مدد لے لیتا ہے۔'' نائرہ نے حمایتی لہجے میں کہا

''ہاں تو کرتی تو ہوں کی اس کی مدد ہر بار۔ اور وہی بھگت رہی ہوں اب بھی۔'' رمنا کا موڈ خاصا بگڑا ہوا تھا

''رمنا آپی! ویسے فہد بھائی نے کب آنے کا کہا تھا۔'' مرینہ نے استفسار کیا۔ اس نے بھی تو کتنے دن ہوئے فہد سے اسٹیشنری منگوائی ہوئی تھی جو لانا وہ یقیناً بھول چکا تھا۔ یہی کام اگر مرینہ نے رمیز سے کہا ہوتا تو وہ کب کا پورا ہو چکا ہوتا

''میسج کیا تھا اس نے کہ آج شام کو آئے گا جو کہ اب ڈھل چکی ہے۔ ساتھ ہی انتظار میں گیٹ تک کی پریڈ کر کر کے چپلیں تک گھس گئی ہیں میری۔ دل تو چاہ رہا ہے کہ اس فہد کے بچے کا۔۔۔'' رمنا کا پارہ ہائی ہو رہا تھا

''السلام علیکم خواتین و۔۔ خواتین۔'' اچانک فہد نے کمرے کے دروازے سے اندر جھانک کر انتہائی خوش اخلاقی سے سلام جھاڑا تو وہ تینوں بیک وقت متوجہ ہوئیں۔ مرینہ اور نائرہ نے یکدم سکون کا سانس لیا۔ کم از کم رمنا کو ہلکان دیکھنے سے تو جان چھٹی تھی۔

''وعلیکم السلام فہد! کیسے ہو؟۔ ابھی ہم تمہیں ہی یاد کررہے تھے۔'' نائرہ نے مسکرا کر اسے دیکھا جس کی رمنا کے ہاتھوں تواضع ہونے کا امکان کافی روشن تھا

''مجھے یا میرے بچوں کو۔ بائی دا وے یہ کون ہے جو میرے بجائے میرے بچوں کا منتظر ہے۔'' فہد کا شرارتی لہجہ بتا رہا تھا کہ اس نے رمنا کا آخری جملہ سن لیا تھا۔

''انتہائی فضول انسان ہو تم۔ کس سمندر کی تہہ میں غرق تھے۔'' رمنا نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا تھا۔ جواب میں فہد کھسیا کر کان کھجاتے ہوئے بولا

''بس کیا بتاؤں۔ ان ایگزامز نے تو میرا کباڑا ہی کر ڈالا ہے۔ مرے پہ سو درے کہ رمیز بھائی بھی تین ہفتوں سے آفس کی طرف سے کوئٹہ گئے تو اب

تک لوٹے ہی نہیں۔ ٹرسٹ می۔ اسٹڈیز کے ساتھ ساتھ گھر کے سب کام میرے سر پر تھے۔"

"ہمم۔ ایسے ہی ہر کولیس ہو ناتم۔ صاف کہو میرے نوٹس پر نیت خراب ہو گئی تھی تمہاری۔ سوچا ہو گا کون فوٹو کاپی کرانے پر پیسے خرچ کرے، کیوں نہ ان سے ہی تیاری کر لی جائے۔" رمنا نے اس پر آنکھیں نکالیں

"اللہ کا خوف کرو کزن۔ اتنی بے اعتباری؟" فہد احتجاج کیے بنا نہ رہ سکا۔ "یقین کرو ایک لفظ سمجھ میں نہیں آیا مجھے اس بے کار شاعری کا۔ تم سے ہی پڑھنے آیا ہوں آج۔"

"جیسے میں بہت فارغ ہوں۔" رمنا نے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔

"نائرہ باجی! پلیز آپ سفارش کریں نا رمنا باجی سے میری۔" فہد نے شریر لہجے میں نائرہ کو مخاطب کیا تو وہ اس کے رمنا باجی کہنے پر مسکرا کر چائے بنانے کی غرض سے کچن کی طرف چل دی۔ معلوم تھا کہ اب اس کا کیا نتیجہ آئے گا۔ خواہ مخواہ طبل جنگ بجا دیا تھا اس نے۔

"خبردار فہد۔ جو تم نے مجھے باجی کہا تو۔ سر توڑ دوں گی میں تمہارا۔" رمنا سخت برگشتہ ہوئی۔

"لو اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے۔ پورے چھ ماہ اور پچیس دن چھوٹا ہوں میں تم سے۔"

"چھ ماہ اور پچیس دن تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے چھ صدیاں اور پچیس سال ہوں۔ زرافے کی طرح قد ہے تمہارا۔ اور شکل پر چالاکی کی وجہ سے اچھا خاصا پکا پن بھی موجود ہے۔ کسی کو بھی بتانا بھی مت کہ عمر میں مجھ سے چھوٹے ہو تم۔ کوئی یقین نہیں کرے گا تمہارا۔"

رمنا نے جوابی فائر داغا۔ جس پر فہد کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"اچھا بابا! نہیں بتاتا کسی کو یہ دہشت انگیز حقائق۔ اب خوش۔" چہرے پر جہان بھر کی معصومیت طاری کیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ہمم۔" رمنا نے بے اعتنائی سے سر کو خفیف سا جھٹکا دیا۔ "تو اب یہ بتاؤ کہ بدلے میں تمہیں کیا چاہیے۔ کیونکہ تم اور اتنی فرمانبرداری۔۔ اس صدی کا سب سے بڑا جھوٹ ہو گا یہ۔ ضرور دال میں کچھ کالا ہے بلکہ تمہاری تو ساری کی ساری دال ہی کالی ہے۔" سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے رمنا نے ایک بار پھر بے اعتباری کا مظاہرہ کیا تھا۔

"کمال ہے کزن۔ اب ایسا بھی مت کہو۔"

"اول نمبر کے مطلبی انسان ہو تم۔ صاف صاف کہو۔ اب کیا کام سر پر آ پڑا ہے۔" غضب ناک نظروں سے اسے گھورا۔

"بتایا تو ہے۔ کہ تم سے شاعری کی تشریح سیکھنے آیا ہوں۔ ایک تو ان شاعر حضرات کو نجانے کس حکیم نے مشورہ دیا تھا کہ اس قدر مایوسی بھری شاعری کر کے ہماری زندگی اجیرن کر دیں۔ خود تو چلے گئے شعر کہتے کہتے، ادھر ہمارے لیے مصیبت کھڑی کر دی ہے لے کر۔"

"افسوس ہے تم پر۔ تمہیں اپنی زبان تک ٹھیک سے نہیں آتی۔ اردو غزلیں ہیں، کوئی فرنچ پوئٹری تو نہیں۔" اس نے فہد کو شرمندہ کرنے کی ناکام کوشش کی۔

"فرنچ پوئٹری ہوتی تو شاید اس سے اچھا ہوتا۔ ایک تو اردو شاعری مکمل طور پر عشقیہ شاعری ہے، وہ بھی اس قدر المناک۔ جسے پڑھ کر شاعری آئے نہ آئے عشق کرنا ضرور آ جاتا ہے بندے کو۔" فہد کا تبصرہ بے لاگ تھا

"تم نہ کر لینا کہیں بھول کر بھی یہ غلطی فہد میاں! ۔ تایا جان کے ہاتھوں میر تقی میر کی شاعری سے زیادہ دردناک بنا دی جائے گی تمہاری زندگی۔ سمجھے۔" رمنا نے یکدم بڑے ہونے کا رعب ڈالتے ہوئے اسے گھر کا تو اس نے مسکراہٹ دبا کر فرماں

برداری سے سر ہلا کر کانوں کو ہاتھ لگائے۔ اس وقت رمنا کی ہاں میں ہاں ملانے میں ہی عقل مندی تھی۔

☆☆☆

"آہا۔ انویٹیشن کارڈ!" مرینہ نے نائرہ کے ہاتھ سے کارڈ لیتے ہوئے باقاعدہ چٹخارہ بھرا تھا۔

"ہوں!" وہ مسکرائی۔

"کس کا ہے؟" اس نے تیزی سے نظریں کارڈ پر دوڑائیں۔

"شیما کا۔" نائرہ نے ہلکی سی مسکراہٹ سمیت اطلاع دی۔

"کیا واقعی؟ شیما باجی کا؟" مرینہ کے منہ سے ایک مرتبہ پھر خوش گوار چیخ برآمد ہوئی۔

"ہاں اگلے مہینے کی پہلی کو ہے اس کا نکاح۔" وہ نائرہ کی سب سے قریبی دوست تھی لہٰذا اس کے نکاح کی خوشی بھی بہت تھی مگر اس سے زیادہ مسرور تو مرینہ لگ رہی تھی جس کی آنکھیں فرط مسرت سے چمک رہی تھیں۔

"اللہ آپی کتنا مزہ آئے گا ناں جب ہم وہاں جائیں گے۔" مرینہ ایک جذب کے عالم میں آنکھیں بند کر کے گویا وہاں ہی پہنچ گئی۔

"واپس آجاؤ پیاری مرینہ! تقریب اگلے ماہ ہے۔" اس نے چٹکی بجا کر خوشی سے جھومتی مرینہ کو متوجہ کیا۔

"اور آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم حسب معمول اس شادی میں شرکت نہیں کر سکیں گے۔" رمنا نے گویا ایک سیکنڈ میں حقیقت حال سے مطلع کرتے ہوئے اس کے خوابوں کا محل چکنا چور کر دیا۔

"کیوں؟ ہم کیوں نہیں جائیں گے؟" مرینہ نے مایوسانہ انداز میں سوال داغا تو نائرہ نے رمنا کو قدرے سخت تیوروں سے دیکھا۔

"اس لیے کہ تایا جان سے اجازت ملنی مشکل ہے اور فرض کرو اگر مل بھی گئی تو لے جانے والا کوئی نہیں ہے۔ فہد اسٹڈیز میں بزی ہے اور رمیز بھائی آؤٹ آف ٹاؤن۔" اُمید کی کوئی کرن بھی چھوڑنے کی عادت نہ تھی اس کی۔

"تو کیا ہوا۔ ہم اکیلے بھی تو جا سکتے ہیں۔" مرینہ نے پر امید نظروں سے نائرہ کو دیکھ کر سوال کیا تھا۔

"اچھا اور وہ بھلا کیسے۔" رمنا کا انداز استہزائیہ تھا۔

"کیب سے۔" مرینہ جذباتی پن سے بولی۔

"بہت خوب۔" رمنا استہزائیہ انداز میں ہنسی تھی۔

"مائی سویٹ سسٹر! امی نے یہ گل افشانی سن لی تو گن کے دس لگائیں گی اور بغیر گنے بیس۔"

لینڈ لائن پر انیلا کی کال آرہی تھی وہ کارڈلیس اٹھا کر فائقہ بیگم کے کمرے کی طرف جاتے جاتے مرینہ کو ڈرا وادے گئی تھی۔

"نائرہ آپی! آپ امی سے کہیے گا ناکہ وہ تایا جان سے اجازت دلوا دیں۔" رمنا کی بات نظر انداز کرتے ہوئے مرینہ نائرہ کی طرف متوجہ ہوگئی۔

"کیا فائدہ مرینہ! تمہیں پتا ہے کہ امی اتنی دور جانے کی اجازت نہیں دیں گی۔ فنکشن بھی رات کا ہے۔ بہر حال تم یہ باتیں چھوڑو اور کتابیں نکالو جا کر۔" نائرہ کا انداز ہمیشہ کی طرح نرم تھا۔

"آپی! آپ کو افسوس نہیں ہوگا نہ جانے کا، شیما باجی تو آپ کی بیسٹ فرینڈ ہیں، ان کی شادی کا کتنا شوق تھا آپ کو۔" مرینہ آسانی سے اس موضوع کا پیچھا نہیں چھوڑ سکتی تھی، نائرہ پھیکے پن سے مسکرا دی۔

"نہیں۔" بعض مواقع ایسے ہوتے ہیں جب حقیقت سے صرف نگاہ کرنے میں ہی عافیت ہوتی ہے۔ وہ بھی مبالغہ کر گئی اور نفی میں سر ہلا دیا۔

"آئی ڈونٹ بلیواٹ۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ کو افسوس نہ ہو۔" مرینہ نے فوری طور پر صاف انکار سن کر جس یقین سے کہا، نائرہ چپ سی رہ گئی۔

"آئی ایم شیور آپ صرف مجھے ٹالنے کے

لیے ایسا کہہ رہی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ امی ہمیں لے کر کہیں جاتیں نہیں اور تایا ابو کو اپنے بہت سے کام ہوتے ہیں، کاش ہمارا بھی کوئی بھائی ہوتا تو ہم، جہاں دل چاہتا جاتے ہے نا؟" حسرت سے کہتے کہتے مرینہ نے اس سے تائید چاہی۔

"مرینہ..." وہ مرینہ کے چہرے پر پھیلے احساس محرومی کے تاثر کو دیکھ کر متاسف سی رہ گئی۔

"میں غلط تو نہیں کہہ رہی آپی۔" مرینہ نے پر یقین لہجے میں کہا۔ "ایک تو بابا کویت جا کر جیسے ہمیں بھول ہی گئے ہیں، یہاں ہم اُن کے بغیر کیسے مجبور ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ اُنہیں تو اس بات کا احساس تک نہیں۔" اس کی مایوسی ناراضی میں ڈھل کر اب بابا کی طرف مرکوز ہو چکی تھی۔

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے مرینہ! تم جانتی تو ہو کہ بابا صرف ہماری خاطر اتنی دور گئے ہیں۔ ہمیں ان سے خفا نہیں ہونا چاہیے۔" اس نے آہستگی سے انگلیاں مرینہ کے بالوں میں چلاتے ہوئے کہا۔

"میں کب خفا ہوں۔ بس ایسے ہی خیال آ گیا تھا۔" مرینہ نے افسردگی سے کہا۔

"یوں بھی مرینہ! اللہ تعالیٰ نے ہمیں کتنی نعمتیں بھی تو دی ہیں، ہمیں اس کی شکر گزاری کرنی چاہیے نا کہ جو نہیں ملا اس کی شکایت۔" نائرہ نے اس کا سر کندھے سے لگا لیا۔

"ہوں۔ یہ تو ہے۔" مرینہ پرسوچ انداز میں بولی تو نائرہ اور رمنا کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

"تو چلو اسی بات پر میں تم دونوں کو سینڈوچ بنا کر کھلاتی ہوں۔ کیا یاد کرو گی، کس سخی سے پالا پڑا تھا۔" رمنا کو آج اچانک ہی کچن کو رونق بخشنے کا خیال آیا تو وہ دونوں بھی موقع غنیمت جانتے ہوئے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

"نائرہ آپی..."

"ہوں!" اس نے فائل پر جھکے جھکے جواب دیا۔

"مجھے نیند نہیں آ رہی..." مرینہ کا موڈ یقیناً باتیں کرنے کا ہو رہا تھا۔

"مرینہ پلیز اس وقت ڈسٹرب مت کرو مجھے صبح یہ اسائنمنٹ جمع کروانے ہیں۔" نائرہ نے ہنوز مصروف رہتے ہوئے اسے رسانیت سے سمجھایا۔

☆☆☆

"نائرہ! باہر آؤ دیکھو انیلا آئی ہے۔" امی کی خوشی سے بھرپور آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ استری کرتے کپڑے یونہی چھوڑ کر باہر دوڑی چلی آئی۔

"اپیا..." آگے بڑھ کر انیلا کے گلے لگتے ہوئے وہ بھی مسرور ہو گئی تھی۔

"کیسی ہو؟" انیلا کا وہی شفقت بھرا انداز تھا۔

"اے ون! بالکل ٹھیک..." وہ چہکی۔

"اپیا عامر بھائی کہاں ہیں؟" مرینہ کو کھد بد لگی ہوئی تھی۔

"باہر ہیں ذرا گاڑی لاک کر رہے ہیں۔"

"ارے لڑکیو! بہن کو بیٹھنے بھی دو۔" امی نے ان تینوں کو گھرکا، مرینہ نے جلدی سے چھوٹی سونی کو گود میں قید کر لیا۔

"اتنے دنوں بعد آئی ہیں اپیا آپ... سچ ہم تو دیکھنے کو بھی ترس گئے تھے۔" رمنا نے جھٹ شکایت کی۔

"تو تم آ جاتیں۔" امی کے پاس ہی تخت پر بیٹھتے ہوئے انیلا نے بڑے پیار سے کہا۔ جواب میں وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑیں۔

"خیریت بھئی ایسا کون سا زعفران کا کھیت نظر آ گیا ہے آپ سب کو۔" عامر بھائی کا استقبال قہقہے سے ہوا تو فوراً استفسار کیا۔

"السلام علیکم بھائی جان۔" وہ تینوں اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"وعلیکم السلام..." عامر ان کو جواب دے کر امی کی طرف مڑ کر حال احوال پوچھنے لگے۔

"چلو بیٹا! تم دونوں مل کر ذرا کھانے لگانے کی

فکر کرو۔" فائقہ بیگم نے رمنا اور نائرہ کو ہدایت دی۔
انیلا کی آمد بھی کم کم ہی ہوا کرتی تھی عامر کی جاب چونکہ نائٹ شفٹوں والی تھی، لہٰذا آنا جانا ذرا کم ہی ہوتا تھا یوں بھی سسرال کی ذمے داری کے باعث اور بچی کی مصروفیت کی وجہ سے وہ خود بھی تساہل سے کام لیتی تھی لہٰذا جب بھی وہ میکے کو رونق بخش دیتی تو گویا عید ہی ہو جاتی تھی سب بہنوں کی۔
نائرہ اور رمنا کچن میں مصروف ہو گئیں اور باہر فائقہ بیگم اور انیلا نجانے کن کن باتوں اور بھولے بسرے قصوں کا تذکرہ لے بیٹھیں۔
"ویسے امی یہ اسد! کب تک جا رہا ہے لندن۔ اس کا سمسٹر کب سے شروع ہو رہا ہے وہاں؟" انیلا کو فکر لگی ہوئی تھی۔
"بڑی عید کے بعد جائے گا وہ۔ کل اس کی والدہ کا فون آیا تھا وہ چاہتی ہیں کہ اسد کے لندن جانے سے پہلے رمنا اور اسد کا نکاح کر دیا جائے۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ اس مہینے کے آخری دنوں میں آئیں گی۔" فائقہ بیگم نے مدہم لہجے میں بتایا۔ "بس تم ذرا تیاری رکھنا جس روز بھی انہوں نے کہا آنے کو، میں تمہیں فون کر دوں گی۔"
"تیاری کس بات کی امی؟" انیلا حیران ہوئی۔
"بھئی! تمہاری سسرال کی بھی منطق نرالی ہے ہر کام ہفتوں تیاری کے بعد ہی ہوتا ہے اچانک کہیں جانا پڑے تو سب لوگ دس دس باتیں بنانے بیٹھ جاتے ہیں۔ اوپر سے جب سے تمہاری نند کی شادی ہوئی ہے تمہاری ذمے داریاں مزید بڑھ گئی ہیں۔" فائقہ بیگم کے شاکی انداز پر انیلا نے گھبرا کر عامر کی طرف دیکھا جو ان باتوں سے انجان مرینہ اور سونی کی طرف متوجہ تھا۔
"خیر اب ایسی بھی کوئی بات نہیں امی۔ آپ بے فکر رہیں، میں اطلاع ملتے ہی آجاؤں گی۔" وہ کھسیانی سی ہو گئی۔
"ہاں آجانا، تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ میرے ہاتھ پاؤں تو ویسے ہی پھول جاتے ہیں۔ یوں بھی رمنا کے سسرال والے بہت کائیاں قسم کے لوگ ہیں جب آتے ہیں، کوئی نہ کوئی فرمائش کچھ ایسے ڈھکے چھپے انداز میں نوٹ کرواتے ہیں کہ آگے سے کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا۔ وہ تو بس یہ ہے کہ لڑکا بہت اچھا اور نفیس ہے، دوسرے میرے آگے ابھی دو بیٹیاں اور ہیں۔ اس لیے اللہ کا نام لے کر ہاں کر دی ہے؛ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ میرا دل ان لوگوں سے کچھ ایسا مطمئن بھی نہیں، دوسرے میں نائرہ سے پہلے رمنا کی شادی کرنا بھی نہیں چاہتی تھی۔"
فائقہ بیگم کو طرح طرح کے خدشوں نے ہولا رکھا تھا۔
"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں امی... دراصل بابا کی کویت کی آمدنی نے سب کی آنکھیں خیرہ کر دی ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ ابھی دو اور بیٹیوں کی شادیاں بھی کرنا ہیں۔ بہر حال اللہ مسبب الاسباب ہے۔ سب کام ان شاء اللہ بحسن و خوبی پورے ہو جائیں گے آپ فکر نہ کریں۔" انیلا ماں کو تسلی کے سوا دے بھی کیا سکتی تھی۔
"ہمم۔ ان شاء اللہ۔ بس نائرہ کی فکر رہتی ہے مجھے۔ وہ بڑی ہے، اس سے پہلے چھوٹی کا نکاح کرنا پتا نہیں ٹھیک بھی رہے گا یا نہیں۔" بیٹی کی بات پر فائقہ گہری سانس بھر کر فکر مندی سے بولیں۔
"آپ کیوں اتنی فکر کرتی ہیں امی! اب نائرہ اتنی بھی بڑی نہیں ہے رمنا سے، صرف ایک سال کا تو فرق ہے دونوں میں۔"
"ہاں مگر دنیا کو کون سمجھائے گا کہ کیوں نائرہ سے پہلے رمنا کا رشتہ پکا کر رہی ہوں میں۔"
"دنیا کی پروا کرنا تو آپ چھوڑ ہی دیں امی۔ اسد اور رمنا کا نکاح طے کر کے آپ نے صحیح فیصلہ کیا ہے۔ جس کا جب سبب بن رہا ہے، بننے دیجیے۔ نائرہ کا بھی کچھ نہ کچھ اچھا ہو گا ان شاء اللہ۔
خیر یہ بتائیں تایا جان اور تائی جان کیسی ہیں۔ یہ رمیز بھی نظر نہیں آیا کئی دنوں سے۔" انیلا نے قصداً

موضوع بدلا۔
"ہاں بفضل خدا ان کے گھر بھی خیریت ہے۔ بھابھی کل آئی تھیں ہماری طرف۔ رمنا کی ساس کے لیے دو سوٹ کڑھوا کر لائی ہیں ملتان سے وہی دینے آئی تھیں۔ رمیز تو آج کل کوئٹہ گیا ہوا ہے۔"
"اچھا؟ مجھے نہیں معلوم تھا کہ رمیز آج کل شہر سے باہر ہے، خیر وہ سوٹ تو دکھائیں ذرا۔" اسے اشتیاق ہوا۔
"ہاں ابھی نکالتی ہوں، مجھے کراکری وغیرہ کے بارے میں بھی تم سے مشورہ کرنا ہے۔ عامر میاں سے کہو لاؤنج میں آکر بیٹھ جائیں۔ میں جب تک کچن میں جھانک لوں۔ رمنا کا تو تمہیں پتا ہی ہے کہ ہنسی مذاق کرتی رہتی ہے۔ اس نے تو ابھی سے خود کو مہمان تصور کرلیا ہے۔ سارا کام نائرہ کو کرنا پڑتا ہے۔ میں ذرا ان کی خبر لے آؤں۔" امی کچن کی طرح چل دیں تو انیلا عامر کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں آبیٹھی۔

☆☆☆

مہروز صاحب کویت گئے ہی اس لیے تھے کہ چاروں بیٹیوں کو عزت سے اپنے گھروں کا کردیں۔ کم آمدنی اور ایمانداری میں آج کل ایک بیٹی کو رخصت کرنا بھی گویا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ کہاں کہ چار چار بیٹیاں، بس یہی سوچ کر بیٹیوں کے اچھے مستقبل کی خاطر دیار غیر میں محنت کررہے تھے تو یہاں فائقہ بیگم شوہر کی کمی کو کسی قدر پورا کرتے ہوئے گھر سنبھال رہی تھیں۔
انیلا کی سسرال والے لالچی نہیں تھے مگر اصول وضوابط کے معاملے میں جو کہ خصوصاً اُن کے گھر کی بہوؤں کے لیے لائق عمل سمجھے جاتے تھے کافی سخت تھے۔ یہی وجہ تھی کہ داماد کے ہوتے ہوئے بھی اُنہیں بیٹے کی کمی کا شدت سے احساس رہتا تھا۔
یوں تو عامر مزاجاً اور طبیعتاً بہت سلجھا ہوا اور معاملہ فہم شخص تھا۔ اپنی ساس اور سسر کی پریشانیوں کو سمجھ کر اُنہیں حل کرنے کی بھی کوشش کرتا تھا مگر اپنے گھر والوں کی طرح، بھاگ بھاگ کر بیوی کا میکہ جانا اُسے بھی پسند نہیں تھا۔ ویسے بھی مہروز صاحب کے بھائی افروز اور اُن کی بیوی، فائقہ بیگم اور بچیوں کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔
رمیز اور فہد ہفتے میں ایک دو چکر چچا کے گھر کے لگاتے تھے۔ ضرورت کے وہ تمام کام جو گھر سے باہر نکل کر کرنے کے ہوتے تھے، وہ دونوں بحسن و خوبی پورے کیا کرتے۔
آج کل چونکہ رمیز کوئٹہ کام کے سلسلے میں گیا ہوا تھا اور فہد اپنے فائنل امتحانوں میں مصروف تھا لہٰذا گھر سے باہر کے تمام کام ٹلے ہوئے تھے۔ ان ہی میں سے ایک کام نائرہ کو اس کی دوست شیما کے نکاح میں لے جانے کا بھی تھا، نائرہ تو اپنی طرف سے بات ختم کر بھی چکی تھی اس کے جانے کا کوئی ارادہ بھی نہ تھا مگر مرینہ ایک ایک دن گن رہی تھی اور یہ شاید اس کی دعاؤں کا ہی اثر تھا کہ تقریب سے دو روز پہلے رمیز واپس آگیا۔
وہ کالج سے واپس آئی تو برآمدے میں ہی مرینہ اور رمیز کی پرشور آوازوں نے اسے رمیز کی آمد کا مژدہ سنادیا۔
دل خوش گوار انداز میں دھڑک اٹھا تخت پر بیگ رکھ کر اس نے سانس درست کیا جو تیز قدموں سے چل کر آنے کے باعث پھول رہا تھا۔ آج بھی ان دو آوارہ قسم کے لڑکوں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ جو پچھلے دو ہفتوں سے اس کے اعصاب کے لیے امتحان بنے ہوئے تھے۔ پہلے تو وہ کالج سے بس اسٹاپ تک ہی اس کا پیچھا کرتے تھے جبکہ آج تو ویگن کا تعاقب کرکے گھر تک آگئے تھے۔
یہ سب وہ کہتی بھی تو کس سے کہ گھر میں کوئی مرد نہ تھا۔ اور امی کو بتاتے ہوئے وہ ڈرتی تھی۔ ان سے کیا بعید تھا کہ وہ نائرہ کو گھر بٹھا کر پرائیویٹ امتحان دلوانے پر کمربستہ ہوجاتیں۔
"ارے تم یہاں کھڑی ہو، خیریت تو ہے؟"
ابھی وہ پوری طرح سانس نارمل بھی نہ کرپائی تھی کہ رمیز کی آواز پر چونک اٹھی۔

''جج... جی بالکل خیریت ہے۔ اسلام علیکم۔'' خاصی بوکھلاہٹ میں سلام کیا۔ رمیز نے بھنویں سکیڑ کر اسے بغور دیکھا۔

''وعلیکم السلام۔ کچھ گھبرائی ہوئی لگ رہی ہو۔ کوئی پریشانی ہے؟'' اب کے لہجے میں نرمی تھی جسے محسوس کر کے وہ کچھ سنبھل گئی۔

''نہیں تو پریشانی تو کوئی نہیں، بس ذرا پیدل آنے کی وجہ سے سانس پھول رہا ہے۔'' اس نے دھوپ کی تمازت اور رمیز کی موجودگی کے باعث گلابی ہوتے چہرے کو دوپٹے کے آنچل سے تھپتھپایا۔

''پیدل کیوں آئی ہو، وین کہاں ہے؟'' رمیز کی جرح شروع ہو چکی تھی۔

''وہ پچھلے دو ہفتوں سے خراب ہے۔ جبکہ پبلک ویگن کا اسٹاپ مین روڈ پر ہے۔'' اس نے دھیمے لہجے میں بتایا۔ رمیز کے لہجے میں اپنے لیے تردد محسوس کر کے دل میں خوشی اُمنگ بن کر پھیل رہی تھی حالانکہ وہ تو سب کے لیے ہی ایسا تھا خیال رکھنے والا فکر جتانے والا۔

''تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' سوال ہوا۔

''وہ دراصل پچھلے دنوں آپ یہاں تھے نہیں، خیر یہ بتایئے تائی جان، تایا جان اور باقی گھر والے سب کیسے ہیں؟'' اس نے بمشکل گفتگو کا رخ موڑا۔

''سب ٹھیک ہیں۔ فریحہ اور زوبیہ تمہاری طرف آئیں گی آج کل میں، آج بھی کہہ رہی تھیں مگر مجھے ایک دو جگہ ہوتے ہوئے آنا تھا، اس لیے ساتھ نہیں لایا۔'' وہ بتا رہا تھا۔ اس نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا

''فہد آیا تھا میری غیر موجودگی میں؟'' اگلا سوال کیا۔

''جی آیا تھا تین چار بار۔'' اس نے مجبوراً مبالغے سے کام لیا کیونکہ وہ بہت منت سماجت کر کے گیا تھا کہ بھائی آئیں تو انہیں ''تین چار بار'' کہہ دینا جب کہ آمد تو اس کی بس ایک بار ہی ہوئی تھی۔ امتحانوں کے باعث بہت مصروف تھا وہ، لہٰذا فائقہ بیگم نے ان تینوں کو تاکید کر دی تھی کہ رمیز کو یہ مت بتانا کہ وہ صرف ایک بار آسکا ہے؛ رمیز اپنے گھر کی طرح یہاں کے کام بھی بڑی ذمے داری سے کرتا اور فہد سے بھی یہی توقع تھی اس کی۔

''مگر امی تو کہہ رہی تھیں کہ صرف ایک بار گیا ہے۔'' رمیز کے بڑے سادہ لہجے میں کہنے پر وہ گھبرا گئی (لو مروا دیا نا تائی جان نے، آئی ایم سوری فہد میں مجبور ہوں)

''جی۔ وہ...'' وہ سٹپٹا گئی، کوئی بات نہ بن پڑی۔ رمیز کے رعب دار انداز سے عجیب طرح کا ڈر محسوس ہوتا تھا اسے۔

''ارے رمیز! یہاں دھوپ میں کیوں کھڑے ہو۔ اندر چل کر بیٹھو۔ امی کھانا لگا رہی ہیں۔'' انیلا جو اتفاقاً آج آئی ہوئی تھی اُسے اس کڑے وقت میں کوئی فرشتہ ہی لگی جس کی آمد سے موضوع بدل گیا تھا۔ نائرہ موقع ملتے ہی اندر کی طرف بڑھ گئی۔

''یہ بس تمہاری بہن صاحبہ سے بات کرنے رُک گیا تھا۔'' انیلا سے اس کی اچھی خاصی بے تکلفی تھی۔ عمر میں وہ چند ماہ بڑی تھی اس لیے رعب بھی خوب جھاڑتی جس کا اکثر کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ مرینہ سے بھی رمیز کی بہت اچھی دوستی تھی، وہ مرینہ کے کمپلیکس کو سمجھتا تھا، اسے دور کرنے کی بھی حتی المقدور کوشش کرتا؛ البتہ نائرہ کے دل میں بچپن سے اس کا خوف بیٹھ گیا تھا۔ وہ جو ذرا ذرا سی بات پر اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو ڈانٹ دیا کرتا تھا۔ اکثر نائرہ کو بھی سرزنش کرتا رہتا۔

کبھی کبھی وہ امی کے کہنے پر رمیز کے پاس پڑھنے بھی جایا کرتی تھی۔ جب تایا جان کا گھر قریب ہی تھا اور ان ہی دنوں رمیز کے غصے کا خوف اس کے دل میں جاگزیں ہو گیا تھا۔ وہ بہن بھائیوں میں سب سے بڑا اور خاصا سخت مزاج تھا۔ جبکہ رمنا تو

رمنا تھی۔ آج تک وہ کسی رعب میں نہیں آئی تھی۔

"نائرہ کی وین دو ہفتوں سے غائب ہے کسی نے مجھے بتایا ہی نہیں ورنہ میں اس کے ڈرائیور کا دماغ درست کر کے رکھ دیتا۔" اسے واقعی غصہ آ رہا تھا، حالات اتنے خراب تھے، ایسے میں وہ اکیلی دوپہر میں پیدل چل کر آتی تھی۔

"اسی لیے نہیں بتایا کہ ہمیں اس کے ڈرائیور سے ہمدردی ہے، بے چارہ بال بچے دار ہے تمہارا کیا بھروسا جا کر اسے ایک دو کرانٹے کے وار رسید کرتے تو بے چارہ دوبارہ آنکھ اگلے جہاں میں ہی کھولتا۔" انیلا نے شوخی سے جواب دیا تو وہ بھی مسکرا دیا۔

"خیر اب ایسا بھی ہلاکو خان نہیں ہوں میں مگر غیر ذمے داری کی بھی حد ہوتی ہے۔ بہرحال جب تک وین ٹھیک نہیں ہو جاتی تمہیں پک کرنے کا کوئی انتظام کرنا پڑے گا۔ ہو سکتا ہے میں خود آؤں۔"

وہ کچن کے دروازے میں کھڑا انیلا کی بات پر بولا تھا پھر نائرہ کو مخاطب کر کے کہا۔ تو وہ سر ہلا کر رخ موڑ گئی۔

"ویسے رمیز بھائی! گرلز کالج جانے کا بہانا اچھا ہے۔" رمنا نے شرارت سے کہا۔

"لگتا ہے نکاح کی خوشی کچھ زیادہ ہی ہو گئی ہے تمہیں۔" وہ قدرے جھینپ کر بولا تو جواب میں انیلا کا جاندار قہقہہ کچن کی طرف آتی ہوئی نائرہ کو بھی مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

میز سجا کر جس وقت نائرہ انہیں بلانے آئی تو رمیز مرینہ کو کوئٹہ کے قصے سنا رہا تھا۔ انیلا اور فائقہ بیگم بھی دلچسپی سے اس کی روداد سن رہی تھیں۔

"آ جائیں امی! کھانا لگ گیا ہے۔" اس نے اندر آتے ہوئے اطلاعیہ انداز میں کہا۔

"چلو بیٹا رمیز کھانا کھا لو۔" فائقہ بیگم اٹھتے ہوئے بولیں۔

"نہیں چچی جان! اس وقت موڈ نہیں۔ صبح ناشتہ دیر سے کیا تھا۔ بھوک نہیں لگ رہی۔" وہ بھی جانے کے لیے پر تولنے لگا۔

"کوئی بات نہیں چکھ لو۔ تمہاری خاطر میں نے کڑھی بنائی ہے ورنہ تو سوائے نائرہ کے کوئی نہیں کھاتا یہ ڈش ہمارے یہاں۔" انیلا نے محبت سے کہا ساتھ جتا بھی دیا کہ تمہیں ہی کھانی ہے۔

"میرے حصے کی بھی اسے ہی کھلا دینا۔ فی الحال تو چلوں گا۔ شام تک آفس بھی رپورٹ کرنی ہے۔" وہ نائرہ کی طرف اشارہ کر کے فائقہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گیا، وہ تو انگلیاں چٹخاتی پلٹ گئی۔ کتنے آرام سے وہ اُسے اپنے حصے کا بھی حق دار بنا گیا تھا۔

"پتا نہیں رمیز میرے لیے کیسے سوچتے ہیں، کہیں میں خود کو فریب تو نہیں دے رہی۔" کرسی کھینچ کر وہ خاموشی سے بیٹھتے ہوئے سوچ گئی۔ "نہیں نائرہ مہروز تم خود کو خوش فہمی میں نہ مبتلا کرو۔ رمیز حسن کو سمجھنا اتنا آسان نہیں۔"

"آپی دیکھیے.... میں رمیز بھائی کو زبردستی کھینچ لائی۔" مرینہ کے فخریہ انداز پر اس نے چونک کر سامنے والی کرسی پر فروکش ہوتے رمیز کو دیکھا اور مرینہ کی طرف نظریں پھیر کر مسکرا دی۔

"کل میں تمہارے کالج آؤں گا اور جب تک وین ٹھیک نہیں ہو جاتی۔ میں یا فہد ہی تمہیں لینے کے لیے آیا کریں گے۔" پلیٹ میں چاول ڈالنے سے پہلے اس نے کہا۔ وہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔ امی نے بھی مطمئن اور ممنون نظروں سے اسے دیکھا جو مرینہ کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہوئے برائے نام کھا رہا تھا۔

☆☆☆

"خدا کی قسم مما! یہ رمیز بھائی تو ڈانٹ ڈانٹ کر کسی دن میرا ہارٹ فیل ہی کر دیں گے۔" فریحہ منہ بسورتی دہائیاں دیتی اندر آئی تو بیگم افروز اور زوبیہ ناچار اس کی جانب متوجہ ہوئیں۔

"کیوں خیریت تم سے پھر کوئی احمقانہ حرکت سرزد ہو گئی ہے یا مزید کوئی نقصان کر ڈالا ہے۔" بیگم افروز نے تیکھی نظروں سے بیٹی کو دیکھا جو کل ہی رمیز کی شرٹ جلا چکی تھی۔

”ایمان سے مما ایسی کوئی بات نہیں، بس ذرا میں نے اُنہیں اپنی دوست صباحت کی تصویر دکھا کر پوچھا تھا کہ کیسی ہے، تو بس خفا ہونے لگے، خوب ڈانٹا ہے مجھے۔“ فریحہ نے دکھی انداز میں اپنی کارگزاری بتائی تو، زوبیہ مسکرانے لگی۔

”تو تمہیں ضرورت کیا تھی یہ فضول حرکت کرنے کی۔“ ماں نے غصے سے گھرکا۔

”آپ بھی مجھ پر ہی ناراض ہو رہی ہیں، کیا ہم بہنیں نہیں... کیا ہمارا دل نہیں چاہتا کہ کسی خوبصورت سی لڑکی کو بھابھی بنالیں۔ رمیز بھائی تو ہر لڑکی ریجیکٹ کر دیتے ہیں۔“ فریحہ کے لیے ڈانٹنے کا صدمہ ہی کم نہ تھا، اس پر مستزاد بیگم افروز کی خفگی نے اسے رلا دیا۔

”ظاہر ہے تمہاری پسند بھی تو ایک سے ایک بے وقوف لڑکی ہوتی ہے۔“ زوبیہ نے بھی باتوں میں حصہ لیا۔

”اور تم تو جیسے اب تک مس ورلڈ کو منتخب کیے بیٹھی ہو۔“ فریحہ جل گئی۔

”دیکھو فریحہ! تمہیں اپنے بھائی کا پتا ہے جس مزاج کا وہ ہے اسے تمہاری دوستوں جیسی ہر وقت بے تکی باتیں کرنے والی... اوٹ پٹانگ فیشن کر کے اپنا حلیہ بگاڑ کر رکھنے والی لڑکیاں ہرگز پسند نہیں آ سکتیں۔“ بیگم افروز نے رسان سے سمجھایا۔

”وہ پری کہاں سے لاؤں، تیری دلہن جسے بناؤں۔“

کہ گوری کوئی پسند نہ آئے تجھ کو کہ گوری کوئی...

زوبیہ شوخی سے گنگنائی تو فریحہ چڑ گئی۔

”زوبیہ پلیز، میں اس وقت بالکل سیریس ہوں، دو سال ہو گئے ہیں بھائی کی جاب کو۔ اب تک تو اُنہیں دو تین نہ سہی ایک آدھ ہی شادی کر لینی چاہیے تھی۔“ اس نے حماقت سے زور دے کر کہا۔

”فریحہ بے کار باتیں مت کیا کرو۔“ بیگم افروز کی زبردست ڈانٹ پر فریحہ کا منہ لٹک گیا۔

”میں اپنے بیٹے کے لیے کوئی اچھی سی لڑکی منتخب کروں گی۔“ اُنہوں نے جیسے کچھ سوچتے ہوئے کہا تو وہ دونوں اُن کے لہجے سے جھلکتی معنویت پر چونک گئیں۔

”مثلاً مثلاً...“ فریحہ بھی ڈانٹ بھول کر زوبیہ کی طرح بیگم افروز کے سر ہو گئی۔ ”پلیز مما اگر آپ نے کوئی لڑکی سوچ رکھی ہے تو ہمیں بھی بتایئے۔“

”بھئی، لڑکیاں تو کافی ہیں مثلاً تمہارے ماموں کی بیٹی نادیہ...“ اُنہوں نے مسکرا کر بتایا۔

”واٹ نادیہ...“ وہ دونوں بیک وقت ناگواری سے بولیں۔ ”کیوں گھر کو میدان کارزار بنانے پر تلی ہیں مما... ایک بھائی اور اُن کا مزاج دوسری نادیہ اور اس کی تنک مزاجی... کبھی نہیں بن سکے گی دونوں کی۔“ زوبیہ نے وثوق سے کہا

”کوئی نہیں وہ تنک مزاج بس ذرا الگ تھلگ رہنے کی عادت ہے اس کی۔“ بیگم افروز نے فوراً بھتیجی کا دفاع کیا تھا۔

”اسی الگ تھلگ رہنے کی عادت کے طفیل وہ ہمارے ساتھ بھی گھل مل ہی نہیں سکے گی۔“ فریحہ تو ٹھیک ٹھاک چڑتی تھی نادیہ سے، جسے اپنی سفید رنگت پر بڑا ناز تھا سو بڑے استہزائیہ انداز میں بولی بیگم افروز چپ سی رہ گئیں۔

”تو پھر باجی کی مونا کیسی رہے گی۔“ معاً اُنہیں مونا کا خیال آیا۔

”میرے خدا۔“ دونوں نے اپنا سر پیٹ ڈالا۔

”اُف مما! آخر آپ کو رمیز بھائی کے لیے یہ ہٹلر کے مزاج سے متاثر لڑکیاں ہی کیوں پسند آ رہی ہیں۔ نہ بابا میں تو باز آئی ایسی بھابھی لانے سے۔“ بیگم افروز کو اس کے اختتامی جملے اچھا خاصا طیش دلا گئے۔

”تو پھر تم لوگ خود ہی ڈھونڈ لو، میری ضرورت ہی کیا ہے؟“ وہ بھنا گئی تھیں۔

”اوہو مما! ہمارا یہ مقصد تو نہیں تھا۔“ اُنہیں اُٹھتا دیکھ کر دونوں بہنیں ٹپٹا گئیں۔

”میں تو دراصل یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ رمیز بھائی

کے لیے کوئی نرم اور سلجھے ہوئے مزاج والی لڑکی ہونی چاہیے جو حوصلے اور صبر سے اُن کا غصہ برداشت کر سکے ورنہ ذرا بھی تیز مزاج لڑکی ہوئی تو دو بدو لڑائی ہوا کرے گی بمعہ کراکری کی شہادت کے۔" زوبیہ نے پرسوچ انداز میں شوخی سے کہا۔

"ہاں مما! زوبی بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے۔" فریحہ نے جھٹ تائید کی۔

"نہیں بیٹا اگر بیوی ذرا بھی نرم مزاج نکلی تو رمیز کا غصہ مزید بڑھ جائے گا۔ نادیہ جیسی شریک حیات ہوگی تو پھر دونوں طرف پلڑا برابر رہے گا اور رمیز کو بھی بیوی کے مزاج کے مطابق خود میں لچک لانی پڑے گی ورنہ تو اس کے مزاج کی تیزی بیوی کو زیر کرکے مزید بڑھے گی۔" بیگم افروز کی اپنی ایک سوچ تھی۔

"زوبیا! مما کہاں ہیں۔" اسی لمحے رمیز کی آواز کاریڈور میں گونجی

"لو بھائی آگئے۔" اگلے لمحے وہ کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔

"ٹھسکنے کی کرو، زوبی! رمیز بھائی نے ابھی لفظ بہ لفظ ہماری جوش خطابت میں کی گئی تقریر پر داد دینی ہے۔" فریحہ نے زوبیہ کے کان میں تقریباً گھستے ہوئے سرگوشی کی۔

"تم ہی کھسکو کیونکہ زبان تمہاری ہی فراٹے بھر رہی تھی۔ جاؤ جا کر چائے نکال لاؤ۔ بن چکی ہوگی اب۔" زوبیہ نے اطمینان سے کندھے اُچکا کر اسے باہر کی راہ دکھائی تو وہ منہ بناتی باہر نکل گئی۔

"رمیز بیٹا! ذرا بہنوں سے نرمی کے ساتھ بات کیا کرو۔ فریحہ کو تم نے خاصا ڈانٹا ہے، وہ شکایت کر رہی تھی۔" بیگم افروز نے فوراً ہی فریحہ کے باہر دوڑ لگانے پر بڑی سنجیدگی سے رمیز سے کہا جو سیدھا ان کے پاس آکر بیٹھا تھا۔

"اپنی بے وقوفی تو نہیں بتائی ہوگی اس نے۔" رمیز نے بڑی رسانیت سے سوال کیا۔

"بتائی تھی۔" بیگم افروز نے مسکرا کر کہا۔ "مگر بات یہ ہے کہ بیٹے اب بہنوں کو بھابھی لانے کا ارمان ہونے لگا ہے میں نے اب زوبیہ کے ساتھ ہی تمہارا بھی گھر بسانے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے۔ لہٰذا تم بھی اس معاملے میں سنجیدگی سے غور کرو۔"

"کم آن مما! آج لگتا ہے کہ فریحہ کی بچی نے اچھی خاصی برین واشنگ کر ڈالی ہے آپ کی۔" وہ ہنس رہا تھا۔

"پلیز بھائی اب آپ بھی سیریس ہو جائیں ہم جلد ہی آپ کی منگنی کی مٹھائی کھانے کے متمنی ہیں۔" زوبیہ نے بھی تائید کی۔

"اوکے بابا۔ بس ذرا اس نئے ڈیپارٹمنٹ میں اچھی طرح سیٹ ہو جاؤں تو اس بارے میں بھی ان شاء اللہ سوچ لیں گے، فی الحال تو مما! مجھے یہ بتایئے کہ آپ نے مجھے کیوں بلایا تھا؟"

اس نے ہاتھ اُٹھا کر دونوں بہنوں کی طرف دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ مسکرا دیں۔

"ہاں یہ پوچھنا تھا کہ اپنی چچی کی طرف گئے تھے آج؟" بیگم افروز کو بمشکل یاد آسکا کہ اسے کیوں بلایا تھا۔

"جی گیا تھا سب خیریت ہے۔" اس نے بتایا

"بھائی! آج ہم بھی جائیں گے فہد کے ساتھ چچی کی طرف رمنا کے کپڑے دیکھنے کے لیے۔" فریحہ نے فوراً پروگرام تشکیل دیتے چائے کی پیالی اسے تھمائی۔

"نہیں، آج تم رہنے دو کل دوپہر میں چلیں گے میں فائقہ کو فون کر دوں گی۔" بیگم افروز نے مداخلت کی تو وہ چپ ہوگئیں۔

☆☆☆

"آپی یہ لیجیے آپ کا گفٹ۔" رات کو جب وہ کالج کا کام مکمل کر کے اپنے بیڈ پر آئی تو مرینہ نے تکیے کے نیچے سے ایک پیکٹ نکال کر اسے تھما دیا۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے سوالیہ نظریں مرینہ کے چہرے پر جما دیں۔

"کھول کر دیکھیں نا۔" اُس سے زیادہ مرینہ کو

کا تجسس ہو رہا تھا۔'' گفٹ ہے۔''
''دیکھ لوں گی مگر یہ بتاؤ یہ گفٹ دیا کس نے ہے؟''
''رمیز بھائی نے۔''
''وہ کس کو؟''
''بھئی، آپ کو اور کس کو۔'' مرینہ نے مزے سے بتایا۔
''مجھے! مگر تمہیں کیسے پتا؟'' وہ حیران ہوئی امی اور رمنا نے تو ذکر نہیں کیا تھا۔
''آپ کے کالج سے آنے سے پہلے رمیز بھائی نے سب کے لیے گفٹس دیے تھے جو کہ وہ کوئٹہ سے لائے تھے۔ امی آپ کو بتانا بھول گئیں تو میں نے چھپالیا۔ سوچا سرپرائز دوں گی۔''
مرینہ اپنے کارنامے پر خوش ہوتے ہوئے بولی تو نائرہ مسکرادی۔ جب سے رمیز گیا تھا وہ یہ ہی سوچ رہی تھی کہ آخر وہ اسے کیوں بھول گیا۔ امی، انیلا، رمنا اور مرینہ کے لیے تو وہ کچھ نہ کچھ لایا تھا تو اسے نظر انداز کیوں کیا مگر اب معلوم ہوا کہ یہ مرینہ کی شرارت تھی۔
ملٹی کلر بلوچی کڑھائی والا سفید کرتا شلوار سوٹ تھا۔ دوپٹے پر بھی نہایت خوبصورت ملٹی کلر بیل بنی ہوئی تھی۔ سوٹ ہاتھ میں لیتے ہی اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
''اُف کتنا پیارا سوٹ ہے آپی۔'' مرینہ نے سوٹ کو گال سے لگا کر اس کی نرمی محسوس کی۔
''ہوں...'' وہ دلکش انداز میں متبسم سی مرینہ کو یکدم بہت اچھی لگی۔
''آپی آپ اسے پہن کر دیکھیں پھر امی اور رمنا آپی کو بھی دکھائیں گے چل کر۔'' مرینہ نے فٹافٹ پروگرام تشکیل دیا۔
''نہیں مرینہ فی الحال رہنے دو صبح پہن کر دیکھ لوں گی۔'' اس نے دوپٹہ دوبارہ تہہ کر دیا۔
''اچھا ٹھیک ہے پھر آپ یہ سوٹ پہن کر رمیز بھائی کو بھی دکھایئے گا۔'' مرینہ بہت کم کسی بات پر اتنی جلد اور آسانی سے راضی ہوتی تھی۔
''اس سے کیا ہوگا؟'' وہ بے اختیار بولی۔
''اس سے یہ ہوگا کہ رمیز بھائی آپ سے خوش ہو جائیں گے اور میری طرح آپ کے بہت اچھے دوست بن جائیں گے پھر آپ ان سے ڈریے گا بھی مت۔'' وہ کہے گئی۔
''بے وقوف ہو تم۔'' مرینہ کی بات پر وہ کھلکھلا کر ہنس دی
(بھلا رمیز حسن اُسے دیکھ کر خوش ہو سکتا ہے؟ مشکل ہی ہے وہ محض ضرورتاً بات کرنے والا اکھڑ سا شخص بھلا ان لطیف احساسات کو کیا جانے) بال برش کرتے ہوئے وہ سوچ گئی۔
''آپی آپ کو ایک گڈ نیوز سناؤں۔''
''ہاں...؟ سناؤ'' اس نے بمشکل دھیان مرینہ کی طرف موڑا
''میں نے رمیز بھائی سے شیما باجی کے نکاح میں جانے کی بات کر لی ہے اور وہ تیار بھی ہو گئے ہیں۔'' مرینہ نے بڑے تفاخر سے اپنا کارنامہ بتایا۔ تو وہ حیران رہ گئی
''واقعی!'' اسے ازحد مسرت ہوئی۔
''جی...'' مرینہ چہکنے لگی۔ ''دیکھا آپ نے میرا کمال۔ اگر آپ کو بھی رمیز بھائی سے کوئی بات منوانی ہو تو مجھ سے کہیے گا۔''
''تم سے...'' اس نے ملگجے سے اندھیرے میں مرینہ کا معصومیت سے پرنور چہرہ تکا اور یونہی مسکرادی۔
''نہیں مرینہ تم میرے دل کی بات اُن سے نہیں منوا سکتیں۔'' وہ دل ہی دل میں کہتے ہوئے نیند کا انتظار کرنے لگی۔

☆☆☆

غضب کیا تیرے وعدے پہ اعتبار کیا
تین دن قیامت کا انتظار کیا

وہ شام کی چائے کا مگ پکڑے لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی کہ رمنا خاصے المیہ انداز سے شعر

پڑھتی وہاں وارد ہوئی
"اچھا شعر ہے۔" نائرہ کا موڈ اس وقت بہت خوش گوار تھا۔
"تمھاری ہی شان میں عرض کیا تھا۔" رمنا نے مصنوعی انکساری سے سر جھکا کر کہا۔
"گریٹ۔ تو پھر پورا قصیدہ پڑھو۔" نائرہ کا انداز شاہانہ ہو گیا تھا
"معاف کرنا محفل مشاعرہ منعقد کرنے کا پروگرام نہیں میرا۔ میں تو تمھیں تمھارا وعدہ یاد دلا رہی تھی۔" رمنا بھنویں سکیڑ کر ناراضی سے بولی
"وہ وعدہ ہی کیا جو وفا ہو گیا
اور وہ قرض ہی کیا جو ادا ہو گیا۔ واہ واہ۔" اس نے ریموٹ سے ٹی وی آف کرتے ہوئے متبسم لہجے میں شعر پڑھا اور ساتھ ہی خود کو داد بھی دی تو رمنا نے کچھ چونک کر اس کے چہرے کو بغور دیکھا
"خیریت تو ہے۔ یہ تمھارے چہرے پر انار کیوں پھوٹ رہے ہیں۔ جب سے کالج سے واپس آئی ہو بڑی خوش نظر آ رہی ہو۔"
واقعی یہ حقیقت تھی کہ وہ آج بہت خوش تھی رمیز کے کہنے پر فہد اسے پک کرنے آیا تھا۔ جس کی وجہ سے اسے ان آوارہ لڑکوں کے تعاقب اور ان کی جانب سے کسے جانے والے واہیات فقروں سے نہ صرف نجات مل گئی تھی بلکہ جب فہد نے اسے بتایا کہ رمیز سے اُسے، پچھلے دنوں میں نائرہ کو کالج سے پک نہ کرنے پر، سخت قسم کی ڈانٹ پڑی ہے، تب سے اس کا دل جیسے باغ باغ ہو گیا تھا۔
ہمیشہ کی طرح آج بھی رمیز کا اپنے لیے فکر مند ہونا کشت جاں میں پھول کھلا گیا تھا۔
"ایسی کوئی بات نہیں رمنا۔ تم پر کا پرندہ بنانے نہ بیٹھ جایا کرو۔ بہر حال یہ سب چھوڑو اور بتاؤ کہ تم کس وعدے کا ذکر کر رہی تھیں؟ میں کون سا وعدہ بھولی ہوں۔" اس نے قصداً بے نیازی سے کہہ کر سوال کیا تو رمنا اس کے سوال پر ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی
"بہت اچھے۔ یعنی کیا واقعی تمھیں یاد نہیں کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم امی سے بات کرو گی اور ان سے بکرا منڈی جانے کی اجازت لو گی۔"
"کیوں مار کھانے والی باتیں کرتی ہو رمنا۔ تمھیں پتا ہے کہ امی کبھی بھی اس بات کی اجازت نہیں دیں گی۔"
"پلیز پیاری نائرہ۔ تم امی سے بلکہ بابا سے بات کرو۔ تمھیں تو پتا ہے کہ مجھے کتنا پسند ہے اپنا جانور خود پسند کر کے لانا۔ مجھے بہت اچھا لگتا تھا جب میں اور تم ہر سال بابا کے ساتھ بکرا منڈی جا کر خود جانور پسند کر کے لاتی تھیں اور اس کی خدمتیں کرتی تھیں۔ تب ہی تو قربانی کا مزہ بھی آتا تھا۔ جب سے بابا مڈل ایسٹ گئے ہیں، فہد اور رمیز بھائی ہی ہمارا قربانی کا جانور لے کر آتے ہیں۔ جو مجھے ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ لگتا ہی نہیں کہ قربانی ہوئی ہے۔ وہی جانور لا کر اپنے گھر میں باندھتے ہیں، وہی چارہ کھلاتے اور اس کی ناز برداریاں کرتے ہیں اور پھر وہی بابا کی طرف سے ذبح بھی کر دیتے ہیں۔ یہ بھی کوئی قربانی کرنا ہوا۔ بس اس بار میری خواہش ہے کہ ہم دونوں یہ سب کام خود کریں گے۔" رمنا اپنا درد بھرا قصہ ایک بار پھر تفصیل سے سنا رہی تھی
نائرہ نے اسے بے زاری سے دیکھا
"آخر تمھارے دل میں ایسی بے تکی خواہشیں جنم ہی کیوں لیتی ہیں رمنا؟"
"خواہشوں کا جنم لینا کوئی ہمارے اختیار کی چیز ہے نائرہ، کیا تمھارا دل سوچ سمجھ کر ناپ تول کر خواہشیں کرتا ہے۔" اس کی بات پر رمنا ٹھیک ٹھاک بر امان کر سوالیہ ہو گئی تھی۔ سوال اس کا ایسا تھا کہ نائرہ چند سیکنڈز میں اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں تک میں چھپی خواہش کو کھنگال آئی۔
"اچھا تم یہ بکرے اور گائے کا چکر چھوڑو۔ بڑی عید سر پر ہے۔ عید کے کپڑوں کا سوچو۔ ایسا کرتے ہیں اس ویک اینڈ پر امی کے ساتھ مارکیٹ کا بھی چکر لگا آتے ہیں۔ ویسے نیٹ پر بھی عید کے

لیے بہت سے ٹرینڈ سیٹ کررہے ہیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ ویسے میرا عید کا سوٹ تو اسد کی امی لے کر آرہی ہیں۔ البتہ تمہاری خاطر ساتھ چل سکتی ہوں۔ کہو تو اس ویک اینڈ پر چلتے ہیں۔ مگر امی کے ساتھ نہیں۔ وہ تو بس ایک مال سے ہی سب کچھ لینے پر تل جاتی ہیں۔" رمنا نے کچھ سوچ کر کہا تھا۔

"تو پھر؟"

"فہد کے ساتھ چلتے ہیں۔ تمہیں کالج سے پک کرلیں گے ہم۔ کیا خیال ہے؟"

"خیال اچھا ہے۔" وہ متفق ہوئی۔

"بائی دی وے نائرہ تم نے اسد کے بھائی کا عید قرباں والا "وی لاگ" دیکھا ہے، اس نے انسٹا پر اپنے اونٹ اور بیل کی پوسٹ بھی لگائی ہے جس کا کیپشن ہے: ۔قربانی بھی کرو، فالو بھی کرو۔"

جاتے جاتے اسے پتا نہیں کہاں سے یاد آگیا تھا۔ پلٹ کر نائرہ سے سوال کیا تو جواب میں اس نے بے زاری کے ساتھ سر نفی میں ہلایا۔

"میرے پاس اتنا بے کار وقت نہیں ہوتا کہ تمہارے ہونے والے دیور کا وی لاگ دیکھوں۔ بلکہ تمہیں بھی کہوں گی کہ اسے فالو کرنا بند کردو۔ عید الاضحیٰ کا تہوار قربانی کے جذبے کے اظہار کے لیے منایا جاتا ہے، لوگوں کو دکھانے کے لیے نہیں۔ تمہاری سسرال کے تو ڈھنگ ہی نرالے ہیں۔" اس نے تنبیہی لہجے میں کہا تھا

اسد کے گھر والوں کو ہر معاملے کی طرح قربانی کے جانور کا دکھاوا کرنا بھی بڑا پسند تھا۔ نائرہ کو یقین ہوگیا، کہ بکرا منڈی جاکر جانور خریدنے کا خناس رمنا کے دماغ میں اسد کے بھائی کا وی لاگ دیکھ کر ہی سمایا ہوگا۔ اس لیے اس موضوع سے جان چھڑانے کی خاطر خود کو ٹی وی کی طرف متوجہ کرلیا تو رمنا بھنویں سکیڑ کر کچھ سوچتی وہاں سے چل دی۔

☆☆☆

اگلا دن کالج میں کافی مصروف گزرا۔ کالج تو آف ہوئے بیس منٹ گزر چکے تھے چونکہ صبح رمیز نے کہا تھا کہ وہ اسے لینے آئے گا۔ لہٰذا پبلک وین یا بس کے ذریعے بھی وہ جا نہیں سکتی تھی۔ دھیرے دھیرے پوری سڑک خالی ہوگئی اور رمیز کا کہیں پتا نہیں تھا۔ وہ دونوں لفنگے جو کئی دنوں سے اس کا تعاقب کررہے تھے، قریب ہی ایک جنرل اسٹور کے پاس کھڑے اسے ہی گھور رہے تھے۔

اکیلے پن کا خوف اور دھوپ کی تمازت سے وہ یونہی بوکھلائی ہوئی تھی اس پر مستزاد رمیز کی آمد کی تاخیر نے اسے از حد پریشان کردیا جونہی اس کے پاس کھڑی آخری لڑکی بھی اپنی مطلوبہ بس میں سوار ہوکر چلی گئی تو وہ لڑکے درمیانی فاصلہ جو کہ بمشکل چند گز تھا پھلانگ کر اس کے قریب آگئے۔

"میرے خدا..." چادر کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹے کندھے پر بیگ لٹکائے وہ شکل سے ہی خوف زدہ لگ رہی تھی اور یہی بات ان دونوں لوفروں کو مزید شہ دے رہی تھی۔ لڑکی اگر چہرے سے کم از کم اور رویے سے زیادہ سے زیادہ سختی اور مضبوطی کا اظہار کرے تو یہ بات یقیناً بہت سے گیدڑ کی طرح بزدل لوگوں کی بڑھتی ہوئی ہمت کو توڑنے میں معاون ثابت ہوسکتی ہے مگر نائرہ مہروز کے اندر تو اعتماد کی جگہ خوف اور دہشت بیٹھی ہوئی تھی۔

"ہیلو میڈم! آپ کہیں تو ہم گھر چھوڑ آئیں آپ کو..." وہ دونوں گھوم کر اس کے دائیں بائیں آ کھڑے ہوئے۔ نائرہ کا چہرہ مارے دہشت کے خطرناک حد تک زرد پڑ چکا تھا۔ ان میں سے ایک بولا۔

"یوں بھی آپ کا گھر تو ہم جانتے ہی ہیں۔" دوسرا مکروہ سی ہنسی ہنس دیا۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"آپ مجھے پریشان مت کریں، مجھے لینے کوئی آنے والا ہے۔" کپکپاتی آواز میں وہ بس اسی قدر کہہ سکی۔ رمیز اگر آگیا تو کیا ہوگا۔ یہ خیال اسے بری طرح پریشان کررہا تھا۔

"اللہ کرے آج فہد آ جائے۔" دل میں ایک ہی دعا کا ورد ہو رہا تھا۔

"کوئی لینے آنے والا ہے؟" پہلے والے نے بڑی معنی خیزی سے "کوئی" پر زور دیا۔ نائرہ کی جبیں پسینے کی ننھی ننھی بوندوں سے چمکنے لگی۔ لہجے کی غلاظت اور مکروہ پن اسے غیرت سے سرخ کر گیا۔

"وہ "کوئی" ہم بھی تو ہو سکتے ہیں۔" دوسرے نے ایک ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" وہ تقریباً لڑکھڑا کر پیچھے ہٹی اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کوئی حرکت کرتے، وہ تقریباً دوڑنے کے انداز میں سڑک کے ساتھ بنے ہوئے فٹ پاتھ پر لمبے لمبے ڈگ بھرنے لگی۔ شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ کافی فاصلے پر بنی دکانوں کے شٹرز لنچ کے باعث آدھے گرے ہوئے تھے، مارے خوف کے اس کا حلق جیسے سوکھنے لگا۔

"نائرہ!" رمیز کی آواز اسے بہت دور سے آتی ہوئی لگ رہی تھی۔

"رمیز!" وہ اپنی جگہ جیسے جم سی گئی۔ قدم بڑھانے کی ہمت نہ تھی۔ پیچھے آتے وہ دونوں بھی ٹھٹک گئے۔

"یہ کیا ہو رہا تھا۔" اس کے قریب گاڑی روکتے ہوئے جتنے شدید طیش میں اس نے کہا وہ یکبارگی اس کی طرف پلٹی۔ آنسو خود بخود بند توڑ کر بہنے لگے۔

"اوہ تو آپ ہیں ان کے "کوئی"...!" وہ دونوں بہت جی دار تھے۔ رمیز کا چہرہ غصے اور جلال سے سرخ پڑ گیا۔

"لگتا ہے نئی نئی چڑیا پھانسی ہے جبھی اتنا انتظار کروایا بے چاری کو۔"

ان دونوں کی مکروہ ہنسی جیسے کانوں میں گرم گرم سیسے کی طرح اتر رہی تھی۔ نائرہ نے بے اختیار رونا شروع کر دیا۔ رمیز سے مزید ضبط نہ ہو سکا۔ وہ جلالی انداز میں بپھر کر کار سے باہر نکلا اور ایک کو جھپٹ کر پکڑا۔ شدید غضب ناکی سے لگاتار دو کے رسید کیے تو اس کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ دوسرا اپنے ساتھی کی یہ حالت دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

"تمہاری یہ جرأت! تم نے ہمت کیسے کی اسے تنگ کرنے کی۔ تم جیسے خبیثوں کو تو میں دو منٹ میں سیدھا کر سکتا ہوں۔" لفنگے کے لیے حملہ یقیناً اچانک تھا۔ جب ہی کوئی دفاع کیے بغیر پٹتا چلا جا رہا تھا۔

"آپ پلیز چھوڑ دیں اُسے۔ اور چلیں یہاں سے پلیز۔" اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے وہ باقاعدہ لرز رہی تھی۔

"ٹھہر جاؤ۔ ذرا اس کی بدمعاشی کا مزہ تو چکھاؤں اسے۔" رمیز کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ وہ تو شاید مزید کراٹے کے وار دکھاتا مگر جب وہ نیم بے ہوش کر گرا تو نائرہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

"پلیز چلیں یہاں سے۔" ذرا سی دیر میں اس کی جان پر بن گئی تھی۔ رمیز کو اپنی کوتاہی پر سخت تاؤ آیا۔ نہ وہ دیر سے آتا نہ یہ سب ہوتا۔

"چلو بیٹھو۔" وہ مزید اُنہیں مغلظات بکنے کا ارادہ ترک کرتے ہوئے خاموشی سے کار کی طرف آ گیا۔ نائرہ کے بیٹھتے ہی اس نے کار اسٹارٹ کر دی۔

"یہ کیا روز آتے تھے یہاں۔" ذرا دیر بعد اس نے پوچھا تو وہ جواب دینے کے بجائے بس روتی چلی گئی۔

"پلیز نائرہ ٹیک اٹ ایزی۔" ایک ریسٹورینٹ کے باہر کار روک کر اسے اُترنے کا اشارہ کیا اور اپنا رومال نکال کر آنسو صاف کرنے کے لیے کہا تو وہ بادل نخواستہ اور بمشکل آنسوؤں پر بند باندھ سکی۔

"چلو آؤ۔" وہ خاموش ہوئی تو اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ چلنے لگا۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔" اردگرد گزرتے لوگوں کی نظریں خود پر محسوس کرتے ہوئے وہ پزل ہو رہی تھی۔

''کیوں کیا ہوا؟'' وہ فوراً گھوم گیا۔

''میں یونیفارم میں ہوں، اس لیے سب مجھے دیکھ رہے ہیں۔'' سر جھکائے جھکائے آہستہ سے وہ بولی تو چند ثانیے رمیز بھنویں اُچکائے کچھ سوچتا رہا پھر اسے دو منٹ رُکنے کا اشارہ کر کے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا۔

''لو کولڈ ڈرنک...'' وہ خود میں گم کھڑی تھی کہ وہ آ بھی گیا۔

''دراصل آج مما اور فریحہ وغیرہ تمہاری طرف پہنچے ہوئے ہیں اس لیے میں تمہیں یہاں لے آیا تاکہ تھوڑی فریش ہو جاؤ۔'' وہ گھونٹ لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''آئی ایم سوری نائرہ میری تاخیر کے باعث آج تمہیں بہت پریشان ہونا پڑا۔'' ذرا سا جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ بڑی ندامت سے بولا۔

''اب چلیں۔'' بمشکل آدھی ڈرنک گلے سے اُتار کر اس نے بوتل رمیز کی طرف بڑھا دی۔ ''امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' اسے امی کی فکر ستا رہی تھی۔

''اوکے چلو۔'' وہ بل پے کر کے لوٹ آیا بقیہ راستہ خاموشی سے کٹا اور گھر پہنچتے ہی اس نے تیزی سے اندر کا رخ کیا۔

تائی جان، فہد، فریحہ اور زونی سب موجود تھے۔ اُنہیں دیکھ کر وہ ذہن پر چھائی کثافت بھول کر یک دم فریش ہو گئی۔ فریحہ اور رمنا کی شوخ شوخ باتوں میں جلد ہی کھانا لگا لیا گیا۔ رات تک وہ سب وہیں رہے۔

دوسرے دن شیما کا نکاح تھا، وہ امی سے بات کرنے کا سوچ رہی تھی مگر جب رمیز نے خود کہا کہ کل فہد، رمنا، نائرہ اور مرینہ کو پک اینڈ ڈراپ کر دے گا تو وہ ممنونیت سے مسکرا دی۔

''آئندہ کوئی بات ہو تو مجھے بتا دینا، میں بغیر کسی سفارش کے بھی تمہاری بات مان سکتا ہوں۔'' جاتے جاتے وہ کچن میں پلٹ کر آیا تھا اور اسے برتن دھوتا دیکھ کر سنجیدگی سے کہتا اس کی حیرانی کا نظارہ کیے بغیر چلتا بنا۔

رمیز کا جملہ تھا یا ساون کی ٹھنڈی پھوار۔ اس کے اندر باہر جیسے قوسِ قزح سی پھوٹ گئی۔ لب آپ ہی آپ مسکرا اُٹھے۔

''اگر میرا تخیل مجھے دھوکا نہیں دے رہا اور میرا دماغ مجھ سے بغاوت نہیں کر رہا تو یقیناً رمیز وہی کچھ کہہ گئے ہیں جسے سننے کا میرا دل تمنائی تھا۔'' جلدی جلدی برتن دھو کر وہ کمرے میں آ گئی۔

''ارے نائرہ! تم ابھی تک سوئی نہیں۔ صبح کالج نہیں، جانا کیا۔'' رمنا نے اندر جھانکتے ہوئے اس سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''ہمم۔ تو شیما کی شادی کی خوشی میں چھٹی منانے کا پروگرام ہے۔'' وہ ہنسی۔

''نہیں یہ بات نہیں بس دل نہیں چاہ رہا۔'' وہ یونہی ٹالنے لگی۔

''خیریت تو ہے آج کل کالج جانے کا تمہارا موڈ نہیں ہوتا، واپسی پر بھی پریشان لگتی ہو۔ کیا ان دونوں لڑکوں نے پھر تنگ کیا تمہیں۔'' اس نے رمنا کو بتا رکھا تھا جبھی وہ پوچھ بیٹھی۔

''ہوں... آج تو اُنہوں نے حد کر دی تھی رمنا...'' اس نے خوف سے جھرجھری لی۔ تصور کے پردے پر آج کے تمام مناظر پھر زندہ ہو گئے۔ رمنا کو ''الف'' سے لے کر ''ے'' تک سنا ڈالا۔

''اچھا اسی لیے آج تمہیں کافی دیر ہو گئی تھی۔'' رمنا نے پرسوچ انداز میں گردن ہلائی۔

''سچ کہتی ہوں رمنا! آج سے پہلے میری خوف سے وہ حالت نہ ہوئی تھی جو آج ہوئی اگر رمیز نہ آتے تو میں بے ہوش ہی ہو جاتی۔'' وہ بڑی دقت سے بتا رہی تھی۔

''آج زندگی میں پہلی بار مجھے شدت سے ایک بھائی کی کمی کا احساس ہوا، اگر وہ ہوتا تو رمیز کی طرح کبھی لاپروائی نہ برتتا۔''

''کم آن نائرہ آج تم بھی مرینہ جیسی باتیں کر

رہی ہو۔" اس کی آنکھوں میں مچلتے آنسو رمنا کو پریشان کر گئے۔ اس نے اسے خود سے لگا لیا۔

"ارے بھئی، بھائی نہیں تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ نے ہمارے اتنے اچھے کزن دیے ہیں جو بالکل بھائیوں کی طرح ہماری حفاظت کر سکتے ہیں اور یہ جو تم کہہ رہی ہو نا کہ بھائی ہوتا تو یہ بھی سوچو کہ گلی کوچوں اور نالیوں میں گلتے سڑتے نشئی بھی کسی بہن کے بھائی ہوتے ہیں۔ ڈاکو اور چور اُچکے بھی کسی بہن کا مان ہوتے ہوں گے، مگر تحفظ دینا ہر ایک کی قسمت میں نہیں ہوتا۔ بعض بہنیں ایسی بھی ہیں جو بھائیوں کے ہوتے ہوئے بھی غیر محفوظ ہیں۔ جن کے بھائی دوسروں کی عزت نہیں کرتے۔ وہ اپنی بہنوں کو کیا تحفظ دے سکتے ہیں۔" رمنا کی سنجیدہ بات پر نائرہ نے اسے افسردگی سے دیکھا۔

"رمنا مگر ایسا کیوں ہے؟اس کا لہجہ رو رہا تھا۔

"یہ ہمارا المیہ ہے کہ نائرہ کہ ایک "دین فطرت" کی باضابطہ تعلیم حیات کے باوجود ہمارا معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہے اور اس کی وجہ یقیناً قول و فعل کا تضاد ہے۔ ایک ماں جو اپنے بچے کی پرورش کرتی ہے اگر وہ شروع ہی سے اسے عورت کی عزت کرنا سکھائے تو یقیناً ایسے حالات پیدا نہ ہوں۔"

"نہیں رمنا ایسی بات نہیں۔ ہر ماں ہی اولاد کی اچھی تربیت کرتی ہے، مگر گھر کا ماحول بھی تو اثر انداز ہوتا ہے۔ اگر گھر کا مرد ہی اپنی عورت کی عزت نہیں کرے گا تو ماں کی تربیت بھی کہاں تک موثر ہو سکے گی۔"

"ہاں ظاہر ہے ماں اور باپ مل کر ہی بچے کے کردار کی تعمیر کرتے ہیں۔ بچہ تعلیم سے زیادہ تربیت سے سیکھتا ہے اور تربیت چونکہ گھر سے شروع ہوتی ہے، اس لیے گھر کا ماحول اس ضمن میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ مگر میں سمجھتی ہوں کہ اس انگریزی کہاوت کے مطابق کہ "جو ہاتھ پالنے کو جھلاتے ہیں حقیقت میں وہی دُنیا پر حکومت کرتے ہیں۔" ماں کا یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے بچے کو صرف ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی عزت کرنا ہی نہ سکھائے بلکہ عورت کی عزت کرنے کی تعلیم دے۔" رمنا کا انداز مدلل تھا۔

"تربیت کے اسی تضاد کے باعث آج اک باہر نکلنے والی عورت کی بحیثیت عورت کوئی عزت اور احترام نہیں جب کہ ماں، بہن بیٹی اور بیوی کے رشتے سے اسے بعض گھرانوں میں عزت بھی ملتی ہے اور توقیر بھی، دراصل اب یہ تمام اقدار محض رشتوں کی پابند ہو کر رہ گئی ہیں اور کچھ گھرانوں میں تو رشتے بھی عورت کے احترام کا باعث نہیں بن پاتے۔" رمنا کے چہرے پر چھائی سنجیدگی کی پرچھائیوں میں تاسف کا گہرا رنگ تھا۔

☆☆☆

شیما کے نکاح میں ان سب نے بڑا انجوائے کیا۔ فہد ان سب کو لینے آیا تھا لہٰذا وہ تینوں بہت سکون سے تقریب اٹینڈ کر کے واپس آ گئیں۔ گھر آتے ہی یہ خوش خبری سُننے کو ملی کہ بابا کا فون آیا ہے۔ حالانکہ آج جمعہ بھی نہیں تھا۔ یعنی کوئی خاص بات ہی تھی۔ انہوں نے فوراً امی کے ہاتھ سے سیل فون لے لیا۔ تو وہ مسکرا کر عشاء پڑھنے چلی گئیں

"ہو گئی تم سب کی بات۔" کافی دیر بعد وہ آئیں تو وہ سب خاموش بیٹھی تھیں۔

"جی۔ مگر امی! یہ گھر تبدیل کرنے کی کیا بات کر رہے ہیں بابا؟" نائرہ نے سب سے پہلے اپنی پریشانی بتائی۔

"تو اُنہوں نے تمہیں بھی بتا دیا۔" فائقہ بیگم مسکرا رہی تھیں وہ سب سوالیہ نظریں اُٹھائے جواب کی منتظر تھیں۔

"دراصل افروز بھائی اور رمیز نے پچھلے دنوں مجھ سے اور تمہارے بابا سے کہا تھا کہ ان کے ساتھ والا مکان کرائے کے لیے خالی ہو رہا ہے، ہم وہاں آ جائیں، مجھے اور تمہارے بابا کو یہ آئیڈیا اچھا لگا۔ ہمارے گھر میں کوئی مرد نہیں ہوتا۔ افروز بھائی اور بچے بھی کب تک پریشان ہو سکتے ہیں، آخر اُنہیں بھی

اپنے دس کام ہوتے ہیں۔ پھر بڑی عید تک رمنا کے نکاح کی تقریب بھی منعقد ہونا ہے گھر میں۔ ایسے میں اچھا ہے کہ ہم افروز بھائی کے قریب منتقل ہو جائیں۔" فائقہ بیگم کے کہنے پر وہ تینوں تائیدی انداز میں سر ہلا کر رہ گئیں۔

"وبس اس لیے اب افروز بھائی نے اس مکان کی بات کرلی ہے۔ ہم لوگ قریب قریب رہیں گے تو اتنی دور آنے جانے کی پریڈ سے بھی بچوں کو نجات ملے گی اور سکون اور ڈھارس رہے گی۔" فائقہ بیگم نے اپنی بات مکمل کی تو رمنا بول پڑی۔

"مگر امی! اس گھر میں ہم نے اپنا پورا بچپن گزارا ہے، اسے کیسے چھوڑ دیں۔"

"یہ گھر تو تم سب کو ایک نہ ایک دن چھوڑنا ہی ہے، یوں بھی گھر لوگوں سے بنتے ہیں جہاں ہم ہوں گے وہیں سب کچھ ہوگا پھر تمہارے بابا کا اور میرا مشترکہ فیصلہ ہے تم نہیں جانتیں کہ جب تم راتوں کو سو جاتی ہو تو میں کتنی کتنی بار اُٹھ کر تمہیں دیکھتی ہوں، مگر دل کو پھر بھی سکون نہیں ملتا۔ پچھلے سال تک چھوٹے بھائی زندہ رہے تو رات کو سونے کے لیے یہیں آ جاتے تھے جس سے میری فکر کم ہو جاتی تھی مگر اب اس طرح اکیلے گزارا کرنا مشکل ہے۔ محلے میں سب کو معلوم ہے کہ اس گھر میں کوئی مرد نہیں اور اب شادی بیاہ کا معاملہ ہے، اس لیے تم لوگ بھی میری طرح حقیقت پسند ہو کر سوچو اور جذباتیت کو ایک طرف رکھ دو۔" فائقہ بیگم کا کہنا ٹھیک تھا رمنا نے نائرہ کی طرف دیکھا، اس کی نظر میں تائید صاف پڑھی جا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے امی! جو آپ کا فیصلہ۔"

نیا گھر بہت سادہ مگر اچھا تھا۔ تایا جان کے مکان کی دیوار سے متصل تھا۔ لہٰذا دیوار میں ایک گیٹ لگوا لیا گیا تاکہ آنے جانے کی آسانی رہے۔

مرینہ یہاں آ کر سب سے زیادہ خوش تھی کیونکہ اسے رمیز بھائی، فہد بھائی اور فریحہ باجی کی کمپنی ہر وقت میسر تھی۔ رمنا البتہ کچھ دن اپ سیٹ رہی پھر دھیرے دھیرے سیٹ ہوتی چلی گئی۔ جلد ہی گھر کو سیٹ کر لیا گیا۔

نائرہ ہمیشہ کی طرح جو جیسا ہے اسے اسی طرح قبول کرنے کی سعی میں مصروف تھی کچھ بقر عید کی اور رمنا کے نکاح کی تیاری کی معروفیت نے اور کچھ فریحہ اور زوبی کی صحبت نے اسے بھی نئے گھر کو قبول کرنے میں مدد دی۔ کالج کی وین دوبارہ لگ گئی تو پھر باقی کوئی مسئلہ بھی نہ رہا۔

رمنا کی نکاح کی تاریخ طے کرنے کے لیے جس روز اس کے سسرال والے آئے گھر میں خوش گوار سی ہلچل مچ گئی۔

اس روز خاص طور پر نہا کر اس نے رمیز کا لایا ہوا وہائٹ بلوچی کرتا شلوار نکال کر پہنا۔ اندرونی طمانیت چہرے پر مسکراہٹ بن کر سج رہی تھی۔ آئینے میں خود کو دیکھ کر بے اختیار ہی وہ مسکرا اٹھی۔ امی ضروری انتظامات میں مصروف تھیں۔ فریحہ اسے زبردستی گھسیٹ کر لے گئی۔

"یہاں بڑوں کی باتوں میں بھلا تم نے کیا کرنا ہے چلو تمہیں کسی سے ملواؤں۔" فریحہ کو بھی ایسی ہی بے سروپا باتیں سوجھتی تھیں۔

"وہ نہیں امی اکیلی پریشان ہوں گی۔" اس نے ہاتھ چھڑایا۔

"کوئی نہیں ہوں گی پریشان وہ۔ سب کام تو نبٹا دیے ہیں انیلا باجی نے۔ پھر رمنا بھی تو ساتھ ہے چچی جان کے۔" فریحہ نے لش پش کرتے گھر اور کچن میں سلیقے سے رکھے لوازمات کی طرف اشارہ کیا اور اسے ساتھ لے کر ہی ٹلی۔

"چلو نا۔ آج میری کزن آئی ہے۔"

اسے معلوم تھا کہ انیلا آپا امی کے ساتھ ہیں اس لیے مسکرا کر اطمینان سے چل دی۔

"تمہاری ساری کزنز کو تو میں جانتی ہوں، کس سے ملوانا ہے۔" آج رمیز کا گفٹ کیا سوٹ پہنا تھا اس لیے شعوری طور پر جانے سے گریزاں تھی۔ اس کے چہرے پر آئے سپاٹ تاثرات دیکھنے کی سکت نہ

تھی کہ تصوراتی زندگی میں گم ہو کر ہی وہ بہت خوش تھی۔

''بس ہے ناں ایک ہم آؤ تو۔'' فریحہ کو سسپنس پھیلانے کی عادت تھی۔ فریحہ کے کمرے سے ہی خوشگوار قہقہوں کی آواز باہر تک آ رہی تھی، وہ اندر کی جانب بڑھیں تو فہد نظر آ گیا۔

''کون آیا ہے فہد؟'' اب تو اسے بھی کھد بد لگ گئی تھی۔

''وہ...''

''خبردار فہد! اسے کچھ نہ بتانا۔ میں خود ہی ملواؤں گی۔'' فریحہ نے فہد کو بولنے سے پہلے ہی روکا تو اس نے اسے بری طرح گھور کر دیکھا۔

''سوری۔ کیا کر سکتا ہوں۔'' زوبیہ نا آشنا چہرے کے ساتھ برآمد ہوئی تو وہ ذرا خفیف سی ہو گئی۔

''پہچانو بھلا کون ہے؟'' فریحہ نے چہک کر اس سے پوچھا۔ زوبی کے ساتھ آنے والی بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

''پتا نہیں...'' ذرا دیر دماغ پر زور ڈالنے کے بعد بھی کچھ یاد نہ آیا تو اس نے بے چارگی سے شانے اُچکا دیے۔

''ارے بھئی یہ شہلا ہے پنڈی والی خالہ کی بیٹی...'' زوبی نے مزے سے بتایا۔

''واقعی۔'' وہ حقیقتاً حیران ہوئی تھی۔ سات آٹھ سال بعد اسے دیکھا تھا، پہلے کتنی دبلی پتلی ہوتی تھی وہ مگر اب کس قدر فریش اور خوبصورت لگ رہی تھی۔

''آپ سے مل کر خوشی ہوئی...'' اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

''مجھے بھی...'' شہلا رسماً مسکرائی۔

''اصل میں پچھلے دو سال میں جب بھی یہ آئی تم کسی نہ کسی مسئلے میں الجھی رہیں جب ہی اس سے نہ مل سکیں، ورنہ پچھلے سال تو یہ پورے دو ہفتے ہمارے یہاں رہ کر گئی تھی۔'' فریحہ اسے ساتھ لیے اندر چلی آئی۔

''ہاں پچھلے سال میرے ایگزام تھے ان دنوں...'' نائرہ کو بھی یاد آ گیا تھا۔

لاؤنج میں خوش گپیوں میں مصروف ہو کر ذرا دیر کو تو وہ بھول ہی گئی کہ گھر پر مہمان آ گئے ہوں گے اور شاید یونہی بھولی رہتی اگر رمیز کی آواز اسے چونکا نہ دیتی۔

''تم یہاں ہو نائرہ...'' وہ اس کی پشت پر جانے کب آ کھڑا ہوا تھا، وہ بری طرح چونک کر پلٹی۔

''جی...'' رمیز کے لہجے میں غصہ جھلک رہا تھا۔

''وہاں رمنا کے سسرال والے آئے بیٹھے ہیں اور تم یہاں باتوں میں کھوئی ہوئی ہو۔ جاؤ وہاں جا کر انیلا کی مدد کرو۔'' حکمیہ لہجے اور چہرے کے رعب دار تاثرات پر وہ بری طرح شرمندہ ہوگئی۔

یوں سب کے خصوصاً شہلا کے سامنے رمیز کے اس انداز پر بے اختیار ہی آنکھیں بھر آئیں۔ شہلا نے قدرے حیرت سے ان دونوں کو دیکھا سب ہی ایک دم چپ ہو گئے تھے۔

''جی اچھا۔'' وہ اُٹھ کر خاموشی سے چپلیں پیر میں پہننے لگی۔

''بھائی آرام سے بات کیا کریں... دیکھیں تو وہ کس قدر نروس ہو گئی ہے۔'' زوبی نے دبی دبی آواز میں رمیز سے کہا نائرہ قدرے فاصلے پر اس کی جانب پشت کیے چپل پہنتے ہوئے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔

''ٹھہرو یہ بھی لے جاؤ ساتھ۔'' اس نے قدم آگے بڑھائے ہی تھے کہ ایک مرتبہ پھر پشت پر رمیز کی آواز گونجی اس مرتبہ قدرے حلاوت سے کہا گیا تھا۔ وہ سوالیہ نظریں لیے گھوم گئی۔ خفت اور ضبط گریہ سے سرخ چہرہ لیے سفید سوٹ میں وہ اچھی لگ رہی تھی۔ رمیز نے ریفرشمنٹ کے سامان کا شاپر اس کی جانب بڑھایا۔

''انیلا سے کہنا، میں ذرا دیر میں آ رہا ہوں۔'' بعجلت کہہ کر وہ شہلا کی طرف متوجہ ہو گیا تو وہ تھکے

تھکے قدموں سے لوٹ آئی۔ دل میں یکدم ہی جیسے سناٹے اُتر آئے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ آج سے پہلے رمیز کے سخت لہجے کا ذائقہ اس نے چکھا نہ تھا مگر جانے کیوں آج وہ دل گرفتہ سی ہوگئی تھی۔ شاید اس لیے کہ شہلا کی جانب رمیز نے جس خوش گوار تاثرات کے ساتھ دیکھا تھا، وہ اس کے دل میں ترازو ہوگئے تھے۔

''میں شاید اپنا آپ ہار کر بھی تمہیں جیت نہیں سکوں گی رمیز حسن...''

نائرہ ابھی کچن میں آئی ہی تھی کہ انیلا اندر داخل ہوئی۔

''یہ سامان کہاں سے آیا؟''

''رمیز دے گئے تھے۔'' اس نے جلدی سے گلابی ہوتی آنکھیں جھکالیں۔

''خیریت۔ تمہیں کیا ہوا؟'' انیلا نے شاید پھر بھی دیکھ لیا تھا۔

''کچھ نہیں...'' نفی میں سر ہلاتے ہوئے بھی لہجہ بھیگ گیا۔

''ارے نائرہ۔'' انیلا پلیٹوں میں سامان نکالتے نکالتے چونک گئی۔ ''رو رہی ہو۔ کسی نے کچھ کہہ دیا کیا؟ کیا بات ہے؟'' ایک ہی سانس میں اتنے سارے سوال کرڈالے تھے۔

''نہیں اپیا... میں رو نہیں رہی۔ ان فیکٹ آنکھ میں کچھ چلا گیا ہے میرے۔'' جلدی سے آنسو اُنگلی کی پور سے چنتے ہوئے اس نے سنک میں نل کھول کر منہ پر پانی کا چھپکا مارا۔ ''رمنا کہاں ہے؟'' اس نے چہرہ دھونے کا مشغلہ ترک کرتے ہوئے اُنیلہ کی تشویشی نظروں سے آنکھ چرا کر سوال کرڈالا۔

''اپنے کمرے میں ہے۔ مرینہ کے ساتھ۔''

''سوئی بھی وہیں ہے۔''

''میں ذرا اسے دیکھ لوں۔'' وہ باہر کی جانب لپکی۔ ذرا دیر میں رمیز کو آجانا تھا اس لیے بہتر جانا کہ پہلے ہی باہر نکل جائے مگر انسان جو کچھ سوچتا ہے، اگر ایسا ہو جائے تو شاید زندگی سے کوئی شکوہ ہی نہ رہے۔

کاریڈور میں ہی اس کا سامنا رمیز سے ہوگیا، وہ اپنی دھن میں مگن چلا آرہا تھا کہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ بھیگی پلکوں سمیت اس کا گلابی مکھڑا سیدھا دل میں اُترنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

''انیلا کہاں ہے؟'' وہ سر جھکا کر سائیڈ سے نکلنا چاہ رہی تھی مگر اس کے سوال پر رُک گئی۔

''کچن میں ہیں۔''

''اور تم، پھر کہیں اور گپیں لگانے کے لیے چل دی ہو۔'' پھر غصہ۔ وہ یکدم سٹپٹائی پھر ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر جو روئی تو رمیز زچ ہو کر رہ گیا۔

''یہ کیا بے وقوفی ہے نائرہ! آنسو صاف کرو۔ ایسا بھی کیا کہہ دیا میں نے۔'' وہ ڈانٹ رہا تھا۔

''کیا ہوا رمنا کے جانے کے خیال سے اپ سیٹ ہو؟'' اسے زاروقطار روتا دیکھ کر اسے بھی ترس آگیا۔ نائرہ نے جھٹکے سے سر اُٹھا کر بڑے دکھ سے اُسے دیکھا جو اس کے جذبات سے کتنا لاپروا اور بے خبر تھا۔

''ایسا تو ہونا ہی ہے نائرہ! بہتر ہے کہ تم خود کو سنبھالو اور دعا کرو کہ اللہ اس فرض کی ادائیگی بحسن و خوبی کروادے۔'' اس کی کیفیت سے قطع نظر وہ کہہ رہا تھا۔ ''چلو جاؤ منہ دھو کر فریش ہو جاؤ شاباش...''

رمیز کا انداز کسی بچے کو سمجھانے کا سا تھا۔ وہ چند ثانیے متورم نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر پلٹ کر امی کے کمرے میں چلی آئی۔

ذرا دیر بعد خود کو سنبھال کر وہ باہر نکلی تو رمنا کچن میں لجائی شرمائی سی نظر آگئی۔ وہ رمنا جو سارا دن بے فکری سے ہنستی رہتی تھی، اس وقت مختلف روپ میں اس قدر پیاری لگ رہی تھی کہ وہ اسے بے اختیار دیکھے گئی۔

''مبارک ہو رمنا... دو ہفتے بعد کی تاریخ طے ہوئی ہے نکاح کے لیے...'' انیلا نے آکر خوشخبری سنائی۔

''ہرے...!!'' زوبی، شہلا، فریحہ بھی اسی دم

اندر آ گئیں اور پھر خوب ہلا گلا مچا۔
''ہمم۔ گویا عید قرباں سے دس دن پہلے اسد بے چارے کی قربانی دی جانے والی ہے۔'' نائرہ رمنا کو چھیڑتے ہوئے کہا تھا۔
''صحیح بات ہے۔ اس بے چارے کو تو ابھی پتا ہی نہیں کہ اس کے ساتھ ہونے کیا والا ہے۔ بکرے کے ساتھ ساتھ اسے بھی قربان ہونا ہوگا۔'' فہد نے بھی شوخی سے کہا
''حالانکہ وہ تو دو دانت کا بھی نہیں ہے۔'' فریحہ نے بھی گرہ لگائی
''اسد کی فکر چھوڑو۔ کہیں تم سب نہ میرے ہاتھوں ابھی قربان ہو جانا۔'' رمنا نے مصنوعی غصہ سے ان سب کو دیکھ کر کہا تو سب ہنس پڑے۔
''ارے شہلا تم یہاں کیا کچن کی گرمی میں پریشان ہو رہی ہو، چل کر لاؤنج میں بیٹھو۔'' رمنا کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کے دوران اسے شہلا کا خیال آیا۔
''ارے نہیں۔ میں ٹھیک ہوں تم سب کی خوشی کو انجوائے کر رہی ہوں۔'' وہ واقعی اس پر مسرت موقع پر ان کی شوخ باتوں اور شرارتوں سے محظوظ ہو رہی تھی۔
''ارے لڑکیوں اب یہ ہنسی مذاق بند کرو اور جلدی جلدی میز سیٹ کرلو۔'' فائقہ بیگم خوشی سے تمتماتے چہرے سمیت آئیں اور فوراً ہی حکم دے ڈالا۔ کھانے کے بعد چائے کے ساتھ ساتھ خوش گپیوں کا دور چلا اور یوں عشاء کے بعد مہمان رخصت ہوئے۔
''اوکے بھئی۔ خواتین! میں تو چلی اپنے کمرے میں...'' رمنا نے سسرالیوں کے جاتے ہی گلے میں پڑا پھولوں کا ہار اُتار کر ایک طرف رکھا۔
''جی نہیں۔ آپ یہیں رہیے اور کام کروایئے۔'' انیلا نے اس کی کام چور طبیعت کو آج سے ہی ٹھیک کرنے کا ارادہ باندھا تھا۔ ہاتھ پکڑ کر روکا۔
''اوہو پلیز اپیا، آج نہیں کل صبح کرلوں گی۔ سچ میں آج بہت تھک گئی ہوں میں۔'' وہ بڑی عاجزی سے بولی۔
''آج کا کام کل پر نہیں ڈالتے میری جان چلو شاباش کام کرو۔'' فریحہ اور زوبی نے بھی دروازے میں باقاعدہ جمتے ہوئے سارے راستے مسدود کر ڈالے تو رمنا نے بڑی آس سے نائرہ کی جانب دیکھا۔
''جانے دیں اپیا آج اس کا اسپیشل دن ہے۔'' وہ محبت سے بولی تھی
''جی بالکل۔ آج تو میں بیٹھے بیٹھے بھی بہت تھک گئی ہوں۔'' رمنا شوخی سے آنکھ میچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
''تمہاری ان ہی باتوں نے اسے کام چور بنا ڈالا ہے۔'' انیلا ہنس پڑی تھی۔ پھر فائقہ بیگم کے لیے ایک کپ اسٹرونگ سی چائے بنا کر ان کے پاس آئی تو انہیں سوچ میں گم دیکھا۔
رمنا کی ساس جاتے جاتے بڑی محبت سے اس کا ماتھا چوم کر یہ کہہ کر چلی گئی تھیں کہ
''اس چاند جبین پر ٹیکہ بھی چاند جیسا ہی سجے گا۔''
''لو ایک اور فرمائش کر گئی ہیں وہ... اب اس کا انتظام بھی کرنا پڑے گا۔'' فائقہ بیگم کا دل ان کے انداز پر مسل گیا۔ انیلا کے پاس آ بیٹھنے پر انہوں نے تفکر سے کہا۔
''سب ٹھیک ہو جائے گا امی... آپ فکر مت کریں۔ اور ان کی بات کو اگنور کر دیں۔'' اس نے آہستہ سے ان کا ہاتھ تھپتھپا کر تسلی دی۔ اور چائے کا کپ ان کی طرف بڑھایا۔
''مگر وہ تو کہہ گئی ہیں۔''
''انہیں کہنے دیں۔ آپ کو تو خود پتا ہے، رمنا کو ہیوی جیولری کا کوئی شوق نہیں۔ یوں بھی اپنی بیٹی کو آپ کیا دیں گی، اس کا فیصلہ آپ خود کریں گی، دوسرے نہیں۔''
''لیکن اگر بعد میں ان لوگوں نے رمنا کو تنگ

کیا پھر؟

"وہ سب رمنا خود ہینڈل کر لے گی۔ اس نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا ہے کہ اسے گولڈ کی جیولری نہیں چاہیے۔ جو سیٹ آپ نے اس کے لیے بنایا ہے، وہ بھی شاید ہی کبھی وہ پہنے، ایک تو اسے شوق نہیں دوسرے شہر کے حالات بھی ایسے نہیں۔ میری ساس کو ہی دیکھ لیں۔ کام والیوں کی مخبری کے خوف سے وہ تو مجھے گھر میں بھی زیادہ گولڈ نہیں پہننے دیتیں۔ تو پھر کیا کرنا اتنے زیور کا۔ لہٰذا آپ پریشان نہ ہوں۔ سب ٹھیک رہے گا۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" فائقہ بیگم نے گہری سانس بھر کر انیلا کو دیکھا اور خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

☆☆☆

وہ کالج سے نکلی تو رمنا اور فہد کو گیٹ کے قریب اپنا منتظر پایا۔

"خیریت۔ تم لوگ یہاں کیا کر رہے ہو۔ گھر پر تو سب ٹھیک ہے نا؟" وہ ان دونوں کو دیکھ کر صحیح معنوں میں گھبرا گئی تھی۔

جب سے کالج وین ٹھیک ہوئی تھی، اسے پک کرنے کے لیے گھر سے کسی کو آنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ ایسے میں ان دونوں کا کالج آنا اسے فکر مند کر گیا۔

"ہاں سب ٹھیک ہے۔ ان فیکٹ ہم کچھ خریدنے کے لیے نکلے تھے، سوچا تمہیں بھی پک کر لیں۔ اچھا ہے ایک سے دو مشورے ہوں گے تو آسانی رہے گی۔" رمنا نے تسلی آمیز لہجے میں کہہ کر اپنی آمد کی وجہ بتائی تو وہ کچھ حیران ہوتی کار میں آ بیٹھی۔

"تم ایسا کیا خریدنے جا رہی ہو کہ تمہیں میرے مشورے کی ضرورت آن پڑی ہے؟" اسے رمنا کی بتائی وجہ ہضم نہیں ہو رہی تھی اس لیے صاف لفظوں میں پوچھا۔

"رمنا ہی نہیں تمہارے مشورے کی تو رمیز بھائی کو بھی ضرورت ہے۔ انہوں نے ہی تو بلوایا ہے تمہیں۔" فہد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے مزے سے کہا تو رمیز کے نام پر اس کے کان کھڑے ہوئے۔

"کیا مطلب۔ ڈھنگ سے کیوں نہیں بتا رہے ہو تم دونوں۔ کہاں جا رہے ہیں ہم؟" اب کے وہ سخت تیوروں سمیت رمنا کی طرف مڑی تھی۔

"سکون کرو۔ ہم بکرا منڈی جا رہے ہیں۔ جہاں رمیز بھائی ہم سب کا انتظار کر رہے ہیں۔" رمنا نے اس کے سر پہ بم پھاڑا تو وہ حیرت زدہ سی اسے دیکھنے لگی

"کیا؟ بکرا منڈی؟ مگر کیوں؟"

"لو سنو۔" فہد نے اس کی حیرت پر مڑ کر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ "تم نے ہی تو رمنا کے ذریعے رمیز بھائی کو کہلوایا تھا کہ اس بار اپنا قربانی کا جانور تم خود اپنی مرضی اور پسند سے جا کر لینا چاہتی ہو۔"

"کیا!!؟ میں نے؟" حیرانی اور پریشانی ایک ساتھ اس کے لہجے سے جھلکی تھی۔ اس نے چاروں انگلیوں سے اپنی جانب اشارہ کر کے تحیر سے کہا تھا۔ اور جب بات سمجھ میں آئی تو اس نے غضب ناک ہو کر رمنا کو گھورا جو اطمینان سے چیونگم کے ببل بنا رہی تھی ساتھ ساتھ وہ حظ اٹھاتی نظروں سے نائرہ کے سرخ پڑتے چہرے کو دیکھ بھی رہی تھی

"رمنا کی بچی! میں تمہاری جان لے لوں گی۔" اس کا بس چلتا تو وہ فہد کی موجودگی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے رمنا کا سر توڑ دیتی۔

"ارے واہ۔ قربانی کے جانور کے ساتھ میں میری جان بھی لینی ہے۔ حد ہے۔ آخر چاہتی کیا ہو تم۔" رمنا اپنی پھسل پڑنے والی مسکراہٹ کو بمشکل کنٹرول کرتی تیکھے پن سے بولی۔

"کیا کرتی ہو تم رمنا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم ایسے غلط بیانی کرو گی۔" نائرہ کا غصہ اب اس فکر میں تبدیل ہو گیا تھا کہ رمیز نے کیا سوچا ہو گا

اس کے بارے میں۔ سالوں سے وہ اور تایا جان ہر عید پر ان کے لیے قربانی کا جانور خریدنے سے لے کر ذبح کرنے اور گوشت بانٹنے تک کے سارے کام کیا کرتے تھے۔ کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔

اسے لگا۔ آج رمنا کی اس بے وقوفانہ حرکت سے ان کی طرف سے بے اعتباری کا اظہار ہوا تھا۔ وہ سوچ کر ہی پشیمانی محسوس کر رہی تھی۔

"تو گویا یہ تمہاری فرمائش نہیں تھی۔" فہد کو کچھ کچھ بات سمجھ میں آئی تو دریافت کیا۔ جواب میں اس نے نفی میں سر ہلایا تو فہد شرمندہ کرنے والی نظروں سے رمنا کو دیکھنے لگا اس نے بے فکری سے شانے اچکا دیے۔

"ایک ہی بات ہے۔ نائرہ مجھ سے الگ تو نہیں۔" وہ رمنا ہی کیا جسے ندامت چھو جائے۔

"یہ بھی ہے۔" فہد نے مزہ لیا تھا

وہ کیا کہتی۔ رمنا نے نادم ہونا سیکھا نہیں تھا۔ یوں بھی تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ بیس منٹ کا سفر طے کر کے جب وہ بکرا منڈی پہنچے تو اس کے پیر من من بھر کے ہو رہے تھے۔ رمیز کا سامنا کرنے کے خیال سے ہی اسے ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

گرمی کی ہلکی ہلکی لپٹ کے ساتھ دھول اڑاتی دوپہر میں بکرا منڈی ایک الگ ہی دنیا کا منظر پیش کر رہی تھی۔ دور دور تک پھیلی منڈی میں انسانوں کا شور، بکروں کی میں میں اور بیوپاریوں کی آوازیں آپس میں گھل مل کر ایک عجیب سا شور ترتیب دے رہی تھیں۔

کہیں پر موٹے تازے بیل اپنے گلے میں پڑی رنگ برنگی گھنٹیوں کو ہلا ہلا کر اپنی موجودگی کا اعلان کر رہے تھے، تو کہیں کسی بچے کا ہاتھ اپنے پسندیدہ بکرے پر پھسل رہا تھا۔

خریداروں کے چہروں پر تجسس اور محتاط مسکراہٹ تھی، کوئی قیمت پوچھ کر آگے بڑھ رہا تھا، تو کوئی تول کر بھاؤ کر رہا تھا۔ کہیں پر بکرے دوڑتے اور کبھی قابو سے باہر ہو جاتے تو شور ایک لمحے کے لیے قہقہوں میں بدل جاتا۔

قربانی کے جذبے سے لبریز یہ منڈی صرف خرید و فروخت کی جگہ نہ تھی۔ یہ ایک ثقافت، ایک منظر، ایک تجربہ تھی جو ہر سال اپنی رنگینی، جوش اور ہلچل کے ساتھ لوٹ آتی ہے۔

یہاں آتے ہی اسے اپنے بچپن کا وہ وقت یاد آ گیا جب رمنا اور وہ بابا کے ساتھ ہر سال یہاں آتی تھیں۔ اور بابا ان کی پسند کا جانور خریدا کرتے تھے۔ مگر گزرے دس سالوں نے اسے کافی بدل دیا تھا۔ دھول شور اور جانوروں کی آوازیں اس کی نفاست پسند طبیعت پر گراں گزریں۔ اس نے بیگ سے ٹشو نکال کر ناک ڈھانپی اور سنبھل سنبھل کر رمنا اور فہد کی معیت میں آگے بڑھی تو ایک کیمپ کے پاس کھڑے رمیز کو دیکھ کر قدم ٹھٹھک گئے۔ رمیز مویشی فروش کے ساتھ غالباً بھاؤ تاؤ کر رہا تھا۔

رمنا تیزی سے آگے بڑھ کر سامنے بندھے بکروں کو جانچنے لگی تھی۔ فہد بھی اس کے ساتھ تھا۔ جبکہ وہ رمیز سے چند قدم کے فاصلے پر رکی کھڑی رہ گئی تھی۔ رمیز مویشی فروش سے بات کر کے فارغ ہوا تو اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"السلام علیکم ورحمتہ اللہ۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے پشیمانی سے بوجھل لہجے میں سلام کیا

"وعلیکم السلام۔" رمیز کے انداز میں نہ غصہ تھا نہ خفگی۔ نائرہ نے چونک کر اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے رمیز کی آنکھوں میں ہلکی سی برہمی تھی۔

"تم کھڑی کیا سوچ رہی ہو۔ یہ کیمپ میرے دوست کے کیٹل فارم کا ہے، ان کے پاس اعلا نسل کے اچھے جانور ہوتے ہیں۔ تم دونوں بہنیں کوئی جانور پسند کر لو، قیمت میں طے کر لوں گا۔" رمیز رسانیت سے کہہ کر دوسری طرف قدم بڑھا گیا تو وہ سر ہلا کر رمنا کے پاس چلی آئی جو فہد کے ساتھ کھڑی بکروں کی ایک جوڑی کے بارے میں معلومات لے رہی تھی۔ البتہ دل میں گرہ سی پڑ گئی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ جب تین گھنٹے کی سخت خواری کے بعد رمنا بکروں کی ایک جوڑی پر راضی ہوئی تو رمیز نے فوراً سودا طے کیا اوران دونوں کو لے کر گھر کے رستے پر گاڑی ڈال دی۔ عقب میں فہدان کے بکروں کے ساتھ تایا جان کی گائے سوزوکی میں لوڈ کرا کر لا رہا تھا۔ کالج کے بعد گھنٹوں کی پریڈ نے اسے تھکن سے نڈھال کر دیا تھا۔

رمنا رمیز کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی بکرا منڈی کے بارے میں رواں تبصرہ کرنے میں مصروف تھی ۔پچھلی نشت پر نائرہ نے تھکن سے چور ہو کر سر سیٹ کی پشت سے ٹکایا تو اچانک نیند نے آلیا۔

''نائرہ! اٹھو۔ گھر آ گیا ہے۔'' نجانے وہ کتنے منٹ سوتی رہی تھی اور شاید سوتی ہی رہتی کہ رمیز کے پکارنے پر آنکھ کھلی۔

اس نے ہڑبڑا کر دیکھا۔ رمیز ماتھے پر شکنیں ڈالے ویو مرر سے اسے دیکھ رہا تھا۔ رمنا غائب تھی

''کہاں تو تمہیں اپنی پسند کا جانور لینے کا اتنا شوق تھا کہ رمنا کے ذریعے مجھ تک اپنی فرمائش پہنچائی اور کہاں وہاں ایک لمحے کے لیے بھی تم نے کسی چیز میں دلچسپی نہیں لی بلکہ پورا وقت ناک پر ٹشو رکھے بے زاری کا اظہار کرتی رہیں۔ جب تمہیں بکرا منڈی جانا پسند ہی نہیں تھا تو اس پریڈ کی کوئی خاص وجہ تھی؟'' اس بار رمیز کا انداز سپاٹ نہیں تھا ۔حسب توقع اس کی کلاس لگ گئی تھی۔ نائرہ نے دیکھا رمیز نے آنکھوں سے ہی سب کچھ کہہ دیا تھا، وہ بھی غصے میں۔

''ایسی بات نہیں۔ بس میں تھکی ہوئی تھی ۔''

اس سے بات نہ بن پا رہی تھی۔ دل ہی دل میں رمنا کو ہزار مغلظات سے نوازتے ہوئے اس نے پست لہجے میں جواب دیا۔ تو رمیز کی بھنویں ایک خاص زاویے پر آ رکیں۔

''آپ کا بہت شکریہ۔ آپ نے اتنا تردد کیا۔'' اس نے مشکور لہجے میں کہا

''یہ تردد میں تمہارے کہنے پر بھی کر سکتا تھا۔ مجھ تک اپنی بات پہنچانے کے لیے تمہیں اتنے کسٹم سے گزرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے تم میں رمنا اور مرینہ میں کوئی فرق نہیں۔ لہٰذا اگلی بار جو بات بھی تمہیں کہنی ہو، مجھ سے ڈائریکٹ کہنا۔ سمجھیں؟'' اپنی بات مضبوط لہجے میں کہہ کر رمیز نے پوچھا تو کوئی چیز چھن سے اس کے اندر ٹوٹی تھی۔

''گویا اس کے لیے رمنا، مرینہ اور نائرہ میں کوئی فرق نہیں تھا، وہ ان سب کو محض کزن کے طور پر ٹریٹ کرتا ہے۔''

یہ ادراک اس کے دل میں کسی تیر کی مانند پیوست ہوا تھا۔ رمیز کے الفاظ نے اسے رمیز کی زندگی میں اُس کے مقام کا تعین کر دیا تھا۔ وہ بے اختیار سر اثبات میں ہلا کر کار سے باہر نکلی۔ آنکھوں میں اترتے نمکین غبار نے سامنے کا منظر دھندلا دیا تھا۔ اور یہ کہرا اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ دل پر بھی اتر رہا تھا۔ اور صد افسوس وہ چاہ کر بھی اپنے لیے کچھ نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

دھیرے دھیرے عید الضحیٰ کے ساتھ رمنا کے نکاح کی تیاریوں نے بھی زور پکڑنا شروع کر دیا تھا۔ اکثر تایا جان کی گاڑی میں رمیز اُن کو شاپنگ کے لیے لے جاتا تھا۔ زوبی اور فریحہ نے آج کل شہلا کو عید تک اپنے یہاں روک رکھا تھا، لہٰذا وہ بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی۔ ایسے میں اس کا ان سب کے ساتھ جانے کو قطعاً دل نہ چاہتا۔

رمنا کی پسند تلاش کرنا یقیناً نہایت مشکل کام تھا، اس لیے وہ خود ہی جاتی تھی کسی اور کی چوائس اس کے معیار پر پوری کم ہی اُترتی تھی۔ ایسے میں وہ نائرہ کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹتی تھی مگر اس کا دل قطعی راضی نہ ہوتا۔ وہ کبھی گھر کے کام کا تو کبھی اسائنمنٹ کا بہانہ بنا کر گھر پر ہی رک جاتی تھی۔ شاپنگ کے بعد کا وقت رمنا ور مرینہ بکروں کی ناز برداریوں میں گزارتی تھیں۔ جبکہ اس کا دل کسی چیز میں نہیں لگتا تھا۔

بظاہر سارے کام خوش اسلوبی سے ہو رہے

تھے مگر اس کا دل ایک عجیب نا آشنا سی خاموشی کا اسیر ہوا جا رہا تھا۔ کبھی وہ اسے وہم سمجھ کر جھٹکتی اور کبھی رمنا سے جدا ہونے کے خیال کا ردعمل سمجھ کر خود کو بہلانے کی کوشش کرتی مگر جانے کیوں ہر ڈور کا سرا، جا کے رمیز کے خیال سے کیوں بندھ جاتا تھا۔

سارے شکوے اور درد اسی بے درد کے نام سے کیوں بڑھنے لگتے تھے؟ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

یک طرفہ جذبے کے اس دشوار راستے میں تنہا سفر کی آبلہ پائی اور نارسائی نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ رمیز کی بے اعتنائی اور بے خبری نے تو جیسے اُمید کی آخری کرن تک بجھا دی تھی۔

شہلا کی آمد کے بعد سے تو اس نے ان کی طرف جانا بھی کم کر دیا تھا۔ وہ خود جب بھی تایا جان کی طرف جانا ہوتا، محسوس کرتی کہ شہلا سے بات کرتے ہوئے کتنے ہی خوبصورت رنگ رمیز کی ڈارک براؤن آنکھوں میں جگمگاہٹ بن کر اُترتے تھے۔ لہجے میں تراوٹ اور نرماہٹ کے ساتھ ساتھ عجیب مہکیلا سا رچاؤ اثر پذیر ہوتا تھا۔

لبوں کی مسکراہٹ مزید گہری اور جاذب نظر ہو جاتی تھی۔ گھنی مونچھوں تلے وہ ہنستے مسکراتے ہونٹ کتنے جذب سے باتیں کرتے تھے اور شہلا بھی تو کتنے ناز و انداز سے گفتگو کرتی تھی۔ اسے رمیز جیسا سنجیدہ اور کم آمیز انسان شہلا کی سنگت میں ایک مختلف شخص نظر آتا تھا۔

''ارے نائرہ! تم گھر پر ہو؟۔ سب کے ساتھ نہیں گئیں؟'' وہ ڈسٹنگ کرنے کے لیے لاؤنج میں آئی تو امی کے کمرے سے نکلتے رمیز کی آواز پر چونک گئی۔

(تو گویا آج وہ سب فہد کے ساتھ گئی تھیں)

اس نے گہری سانس بھر کر سوچا

''جی نہیں۔''

''کیوں...؟''

''گھر میں کچھ کام تھا۔''

''کام تو بعد میں آ کر بھی کیا جا سکتا تھا۔''

رمیز کو ہمیشہ سے جرح کی عادت تھی اور وہ اول روز کی طرح اب بھی اس کی اس عادت سے خائف تھی۔ خیال آیا وہ بھی رمنا کے ساتھ شاپنگ پر چلی جاتی تو اچھا ہوتا۔

''مجھے دراصل اسائنمنٹ بنانا تھا۔'' وہ زچ سی ہو گئی۔

''لگتا ہے تمہیں تیاری دیاری نہیں کرنی۔'' اسے ڈسٹنگ کرتا دیکھ کر بڑے وثوق سے سوال کیا۔ آج کافی دنوں بعد وہ باتیں کرنے کے موڈ میں لگ رہا تھا، ورنہ تو کئی دنوں سے اسے مخاطب کرنا بھی چھوڑ رکھا تھا۔ یہاں آنا ہی موقوف کر دیا تھا۔ (یقیناً شہلا کے باعث)

''نہیں۔ میں نے تیاری کر لی ہے۔'' آہستہ سے کہتی وہ کچن کی طرف بڑھ گئی۔

''آپ چائے پئیں گے۔'' خیال آنے پر مڑ کر پوچھا وہ اسے ہی جاتا دیکھ رہا تھا جواب دینے کے بجائے اُٹھ کر اس کے ساتھ ہی کچن میں آ گیا۔

''پہلے کھانا، ابھی آفس سے سیدھا یہیں آ رہا ہوں۔'' کرسی کھینچ کر بیٹھتے ہوئے وہ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

''اچھا...'' وہ چولہا جلا کر کھانا گرم کرنے میں مصروف ہو گئی۔ نظر ملا کر تو وہ کبھی بھی اس سے بات نہیں کرتی تھی، مگر چند روز سے وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس سے کترانے بھی لگی ہے۔ بات تو پہلے بھی نہیں کرتی تھی مگر اب تو مخاطب کرنے پر بھی بس ہوں ہاں میں ہی جواب دے کر اِدھر اُدھر ہو جاتی ہے، اکثر اس کی پلکیں جھکی ہوئی رہتی تھیں۔

جب تک اس نے کھانا گرم کر کے میز پر لگایا، رمیز خاموشی سے بیٹھا نوٹ کرتا رہا کہ وہ کچھ بے چین ہے اس کی موجودگی سے ہمیشہ کی طرح نروس مگر قدرے اداس سی۔

''چائے...'' کھانے کے بعد چائے کا مگ اس کے آگے رکھا۔ وہی مخصوص گنگناہٹوں جیسا دھیما لہجہ تھا۔ رمیز نے ایک گہری نظر اس کے چہرے پر ڈالی۔

گرمی سے تمتمایا ہوا گلابی مکھڑا اور بالوں کی شریر لٹوں کا ہالہ کتنا خوبصورت لگ رہا تھا۔

''تم نہیں پیوگی؟'' صرف ایک کپ دیکھ کر اس نے پوچھا تھا۔

''نہیں، موڈ نہیں۔'' سپاٹ لہجے میں کہہ کر وہ سنک کی طرف گھوم گئی۔ ہاتھ دھو کر پلٹی تو وہ اس کا ہی منتظر بیٹھا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ ہمیشہ کی طرح اُٹھ کر چلا گیا ہوگا۔ مگر اسے وہیں جماد یکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔

''بیٹھو...'' رمیز نے تحکم سے کہا۔

''جی...''

''کیا بیٹھنے کا بھی موڈ نہیں۔'' رمیز نے تیکھے پن سے سوال کیا تو وہ بری طرح گڑبڑا گئی۔

''نہیں تو...'' وہ ٹپٹا سی گئی۔

''تو پھر بیٹھو۔''

''جی...'' اس نے بیٹھنے میں ہی عافیت جانی۔

''کوئی پریشانی ہے؟'' استفسار بلاشبہ اپنائیت سے کیا گیا تھا۔ لہجے میں تفکر تھا۔

''نہیں تو...'' ذرا توقف کے بعد نظریں جھکائے جھکائے جواب دیا۔

''پھر کچھ دنوں سے اتنی اپ سیٹ کیوں ہو؟'' ایک اور سوال۔ اس بار لہجے میں استفسار سے زیادہ یقین اور فکرمندی تھی

نائرہ نے جھٹکے سے سر اُٹھایا۔

''جی...'' اسے لگا جیسے دل یکدم سکڑ کر پھیل گیا ہو۔

(کیا واقعی رمیز کو میرا خیال ہے، میری ناراضی کی، میری پریشانی کی پرواہے، نا قابل یقین)

''کچھ پوچھا ہے میں نے؟'' اسے مراقبے میں جاتا دیکھ کر وہ پھر بولا تو اس نے آہستہ سے سر اُٹھایا۔

''آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، ایسی کوئی بات نہیں...'' رمیز کی نظریں خود پر محسوس کر کے وہ بری طرح گڑبڑا رہی تھی۔

''میرا نہیں خیال کہ میں کسی کے بارے میں بھی غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہوں۔'' رمیز کا ناپا تلا انداز ہنوز وہی تھا جو اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھگو ڈالتا تھا۔ وہ کوئی جواب دینے کے بجائے اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی۔ رمیز کی نظریں اس پر جمی ہوئی تھیں۔

''شاید تم بتانا نہیں چاہتیں۔'' جانے کیا سوچ کر یکدم وہ بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ''میں چچی جان سے پوچھتا ہوں، میرا خیال ہے، وہ مجھے ضرور بتائیں گی۔'' اس نے سنجیدگی سے کہہ کر کچن سے باہر قدم بڑھایا۔

''ارے نہیں۔ پلیز امی کو پریشان مت کیجیے۔'' وہ ہڑبڑا کر پیچھے لپکی۔

''پھر...؟'' وہ ایڑیوں کے بل گھوما۔

''یقین کریں ایسا کچھ نہیں ہے۔ اگر ہوتا میں بتا دیتی...'' انگلیاں چٹخاتے ہوئے بمشکل جملہ گھسیٹا۔

''رمنا یا مرینہ کے ذریعے؟'' رمیز کا انداز طنزیہ تھا وہ خفت سے لب بھینچ گئی۔

''کہیں رمنا کی شادی کا سوچ کر تو پریشان نہیں ہو...'' اسے شرمندہ دیکھ کر وہ خود ہی پوچھنے لگا تھا

''ہاں شاید۔'' اس نے بنا سوچے سمجھے جواب دے دیا تھا

''کیا اس وجہ سے کہ وہ تم سے چھوٹی ہے اور اس کا رشتہ پہلے طے ہو گیا؟'' رمیز کا زناٹے دار سوال ٹھاہ کر کے لگا تھا اسے۔ اس نے انتہائی تاسف بھری نظر اٹھائی۔ مگر رمیز کے چہرے پر سوالیہ سنجیدگی تھی

''آپ مجھے ایسا سمجھتے ہیں۔'' اس کے لہجے میں شدید ٹوٹ پھوٹ تھی۔ استفہامیہ انداز رنج اور بے یقینی سے بھرپور تھا۔

''نہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ تم اس طرح سوچتی ہو۔ مگر تمہاری یہ خاموشی اور یوں اداس اداس رہنا کسی کے بھی دماغ میں یہ خیال پیدا کر سکتا ہے۔ اگر تم اپنی بہن کی خوشی میں خوش ہو تو اسے نظر بھی تو آنا چاہیے۔'' رمیز نے کندھے اچکاتے ہوئے بلا توقف جواب دیا۔ وہ اس کی نمی سے بھیگنے کو بے تاب

آنکھوں میں براہ راست دیکھ رہا تھا۔ رمیز کے لہجے سے جھلکتے اعتماد نے اپنی ذات پر یکدم ٹھنڈی پھوار برسا دی۔ تاہم نائرہ کے دل پر چھائی اداسی سے آشنا ہے، یہ رمیز اس کے دل پر چھائی اداسی سے آشنا ہے، یہ انکشاف ہونے پر اس نے بے ساختہ لب بھینچ کر نظر جھکالی تھی۔ مبادا وہ اس آنکھوں میں اس کا حال دل ہی نہ پڑھ ڈالے۔

''میرے نزدیک اپنوں کے لیے ہمارے دل میں موجود خلوص کا ثبوت مانگنا ایک طرح کی بے اعتباری ہے جو رشتوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔ میں رمنا کے لیے بہت خوش ہوں اور یہ بات وہ جانتی ہے۔ محبت محض الفاظ اور عمل کی محتاج نہیں ہوتی۔'' ٹھہرے ہوئے لہجے میں اس نے اپنا مافی الضمیر واضح کیا تو رمیز اس مفصل فلسفیانہ جواب پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔

''ہاں مگر محبت کا اظہار ہر ایک کو اچھا لگتا ہے۔'' رمیز کے لہجے میں کچھ تھا۔ اس نے چونک کر نظر اٹھائی اور اس کے چہرے پر کچھ کھوجا۔ اور پھر مایوس ہو کر نظر جھکالی۔

''جی۔ آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آئندہ آپ کی نصیحت پر عمل کروں گی۔''

''اوکے... خوش رہا کرو، زندگی انجوائے کیا کرو... سمجھیں۔ آئندہ میں تمہیں ایسے منہ لٹکائے نہ دیکھوں۔'' چند ثانیے اسے دیکھ کر وہ مسکرایا اور نصیحت کر کے کپ اُٹھائے امی کے کمرے کی جانب چلا گیا۔

''آہ۔ کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ میرے اندر کون سے درد کے تار چھڑ گئے ہیں اور اس کی وجہ کیا ہے۔ شاید بعض جذبے محض باعث رنج ہوتے ہیں۔ اُن کو پذیرائی نہیں ملتی اور میرے جذبے بھی شاید ایسے ہی ہیں بودے اور بے تاثر...''

''آپی...'' اسی لمحے مرینہ کی آواز اسے واپس حال میں کھینچ لائی۔

''دیکھیں، ہم کتنی زبردست شاپنگ کر کے آئے ہیں۔'' مرینہ کی خوشی سے بوجھل آواز اسے بھی اپنا درد پس پشت ڈالنے پر مجبور کر گئی۔ رمنا کے چہرے پر خوشی کے الوہی رنگ رقصاں تھے۔

''اللہ میری بہن کو ہمیشہ خوش رکھے۔ آمین!'' بے اختیار ہی اس کے دل سے دعا نکلی۔

فریحہ اور زوبی نے خوبصورت کام دار سوٹ خریدے تھے۔ رمنا نے عید والے دن کے لیے کچھ کاسمیٹک لی تھی۔ مرینہ نے بلیک کامدانی والی میکسی سلوائی تھی جسے آج وہ ٹیلر کے یہاں سے لے کر آئی تھی۔ جیولری، جوتے اور کاسمیٹکس اس کے علاوہ تھی۔ امی اور تائی جان بھی وہیں آگئی تھیں۔ ذرا دیر میں کمرے میں اچھا خاصا ہنگامہ جاگ اُٹھا، گھر کی رونق تو ان ہی زندہ دل قہقہوں سے تھی جو ان سب کے لبوں سے پھوٹ رہے تھے۔

رمیز نے دیکھا رمنا کے کان میں کچھ کہہ کر بے اختیار ہنستے ہوئے نائرہ کی آنکھیں بھی نم ہونے کے باوجود مسکرا رہی تھیں۔ مطلب نصیحت کارگر رہی تھی۔

☆☆☆

''اُف مما! چچی جان کے گھر کی رونق تو مجھے کمپلیکس میں مبتلا کیے دے رہی ہے۔ آپ آخر رمیز بھائی کے لیے کیوں نہیں سوچ رہیں۔ ایک تو ماموں جان بھی عارف بھائی کو لے کر نیروبی بیٹھ گئے ہیں، نہیں تو زوبی کی شادی ہی کر ڈالتے۔'' فریحہ ابھی ابھی نائرہ وغیرہ کے گھر خوب ہلا گلا کر کے لوٹی تھی۔ لہٰذا ایک مرتبہ پھر وہی قصہ لے کر بیٹھی تھی۔

''بھئی، تو خیال ہے کہ فہد کی کر ڈالتے ہیں شادی... رمیز بھائی تو ہاتھ نہیں لگ رہے۔'' زوبی نے مزے سے قریب بیٹھے فہد کو دیکھ کر کہا تو وہ بری طرح چونک گیا۔

''کیوں بھائی ایک ہی میں ملا ہوں پتلی گردن کا آپ کو... فریحہ کو بہت شوق ہو رہا ہے، اس کی کر ڈالیے شادی... آج کل چڑیا گھر میں ایک سے ایک لنگور آیا ہوا ہے...'' اس نے فریحہ کو باقاعدہ گھورا۔

''ہاں، تم نے جو پنجرہ خالی کر دیا ہے نا...''

جواب موصول ہوا۔
''ظاہر ہے، تمہارے بغیر میرا دل بھی کہاں لگ رہا تھا۔'' وہ مسکرایا تو فریحہ باقاعدہ چڑ گئی۔
''مما! آپ اسے سمجھا لیں، نہیں تو...'' زچ ہو کر ماں کو مدد کے لیے پکارا۔
''خیریت یہ جنگ کا طبل کس نے بجایا ہے۔'' رمیز نے اندر آتے ہی فریحہ کی دھمکی آمیز دہائی سنی تو بے اختیار پوچھ بیٹھا۔
''آپ نے...'' فہد کا جواب قطعی غیر متوقع تھا، رمیز چونک گیا۔
''کیا مطلب؟'' اس کے چہرے پر سوال درج ہوا۔
''مطلب یہ کہ آپ کی مسلسل ٹال مٹول کے باعث ہم نے فہد کی شادی کا مشورہ دیا ہے مما کو۔'' زوبی نے اپنی کارگزاری فخریہ بیان کی۔
''آئیڈیا برا نہیں۔'' جواباً رمیز نے ہنس کر فہد کو دیکھا تھا۔
''مجھے معاف کریں رمیز بھائی۔ ان دونوں کے پیار گھر سدھارنے سے پہلے میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔ یوں بھی گھر میں سب سے بڑے آپ ہیں۔ سب سے پہلے آپ کی ہونی چاہیے شادی۔'' فہد اطمینان سے ہاتھوں کا تکیہ بنا کر کارپٹ پر لیٹ گیا تھا۔
''صحیح کہا فہد نے۔ اس لیے میں نے رمیز کے لیے ایک لڑکی پسند کر لی ہے۔'' بیگم افروز نے گویا دھماکہ کر ڈالا۔
''جی...'' سب ہکا بکا رہ گئے تھے۔
''کون ہے وہ، کہاں ہے اور ہمیں کیوں نہیں بتایا گیا۔'' یکدم متفرق سوالوں کی یلغار کر دی گئی۔
''دھیرج بچو!'' بیگم افروز مسکرا رہی تھیں۔
''سچ میں مما؟ کیا آپ واقعی سیریس ہیں؟'' رمیز نے سنجیدگی کے ساتھ اُن کچھ کہنے سے پہلے ہی پوچھ لیا تھا
''ہوں...'' بیگم افروز کا انداز حتمی تھا۔

''بغیر میری مرضی کے ایسا کس طرح ہو سکتا ہے۔'' رمیز واقعی پریشان ہو گیا تھا۔
''شہلا...'' بیگم افروز نے گویا ایک لفظ میں اپنی رائے اور پسند کا اظہار کر ڈالا... شہلا ابھی رمنا کے گھر پر تھی، لہٰذا بیگم افروز نے سب کے سامنے اپنی خواہش بتا ڈالی۔
''ہوں...'' زوبی اور فریحہ نے شوخی سے آنکھیں نچاتے ہوئے رمیز کو متبسم نگاہوں سے دیکھا۔
''کیوں بھائی! آپ کا کیا خیال ہے۔ پسند آئی مما کی چوائس؟'' فہد نے رمیز کو زبردستی متوجہ کیا جو کچھ دیر کے لیے چپ سا ہو گیا تھا۔
''بتاؤ بیٹا! تمہاری کیا رائے ہے؟'' بیگم افروز نے رمیز کی خاموشی کو سنجیدگی سے محسوس کیا۔
''مما میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے کچھ وقت چاہیے۔'' اس کا طرز تخاطب حتمی سا تھا۔
''کیوں؟'' فریحہ اور زوبی کے منہ لٹک گئے۔
''اس لیے کہ میں ابھی اسٹیبلش ہونا چاہتا ہوں۔'' رمیز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
''کیا شہلا تمہیں ناپسند ہے؟'' بیگم افروز نے گہری نظریں رمیز کے چہرے پر جمائیں۔
''یہ میں نے کب کہا؟'' رمیز کا لہجہ سست ہو گیا۔
''ہوں گویا کہ ناپسند نہیں۔'' فریحہ چہکی۔
''مما پلیز۔ آپ ابھی ایسی کوئی بات کسی سے مت کہیے گا۔ جلد ہی میں نے کوئی فیصلہ کیا تو آپ کو بتا دوں گا۔ کیا آپ میری بات کا مان رکھیں گی؟'' رمیز نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں پوچھا۔
''ضرور میرے بیٹے...'' بیگم افروز نے مدھم مسکراہٹ سے کہا تو رمیز گہری سانس بھر کر اٹھا اور کمرے سے نکلتا چلا گیا۔
وہ سب اس بات پر خوش تھے کہ رمیز نے شہلا کے لیے انکار نہیں کیا تھا۔

☆☆☆

فریحہ کے پیٹ میں بھلا کوئی بات رہ سکتی تھی، ناممکن تھا۔ سو پہلی ہی فرصت میں وہ یہ روح فرسا خبر سنانے رمنا کے پاس پہنچ گئی۔

"اوہو... بڑی خوش لگ رہی ہو، آج کیا ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہے تمہیں؟" صبح ہی صبح فریحہ خوشی سے کھلتے چہرے سمیت آوارد ہوئی تو رمنا نے بے اختیار پوچھ لیا۔ مسرت اس کے ہر ہر انداز سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"ایک زبردست خبر ہے۔"

"کیا...؟" رمنا نے اشتیاق سے قریب کھسکتے ہوئے پوچھا۔

"مما نے رمیز بھائی کے لیے لڑکی پسند کر لی ہے۔" فریحہ نے گویا دھماکہ کیا۔

"کیا واقعی...؟" رمنا نے مسرت بھری چیخ ماری... نائرہ کا ہاتھ چائے دانی پر کانپ گیا۔

"ہاں شہلا پسند آئی ہے مما کو۔" فریحہ نے سلائس پر مکھن پھیلایا۔

"ہوں شہلا تو واقعی بہت اچھی لڑکی ہے۔" رمنا نے تائیدی انداز میں مزے سے گردن ہلا دی۔ "کیا خیال ہے نائرہ؟"

"ہاں! جوڑی تو بہت اچھی رہے گی۔" اسے اپنی آواز دور سے آتی محسوس ہوئی۔ جلدی سے رُخ موڑ لیا۔ "ارے چائے تو ٹھنڈی ہو گئی۔ میں گرم کر کے لاتی ہوں۔" وہ چائے کی کیتلی اُٹھا کر بعجلت باہر نکل آئی۔ قدموں میں جیسے جان نہیں تھی۔ وہ دونوں اس کا جانا محسوس کیے بغیر اپنی باتوں میں مگن ہو چکی تھیں۔ چائے کا پانی اُبل اُبل کر گر رہا تھا اور آنسوؤں کی لڑیاں اس کا چہرہ بھگو رہی تھیں۔

(زندگی کو اب شاید اسی نہج پر گزرنا ہے اور اس کے لیے مجھے خود کو بہت مضبوط کرنا پڑے گا کہ بہر طور وقت تو کسی نہ کسی طرح کاٹنا ہی ہے۔) وہ خود کو سمجھا رہی تھی۔ اور دل کٹ کٹ کر گر رہا تھا

☆☆☆

رمنا کے نکاح سے ایک رات پہلے مہروز صاحب کی آمد سے جیسے گھر میں رونقیں اتر آئیں۔ یوں تو بڑی عید پر اُن کے آنے کی تھوڑی بہت امید تھی سب کو مگر وہ یوں اچانک بغیر اطلاع کے آ کر سب کو چونکا دیں گے یہ خبر نہ تھی کسی کو، جب وہ خاموشی سے اندر آئے تو سب سے پہلے رمنا کی نظر اُن پر پڑی تھی۔

"بابا..." وہ اُٹھ کر بے اختیار ان کی طرف بڑھی تھی تو نائرہ، مرینہ اور انیلا بھی لپک کر ان کے پاس آئیں۔ خوشی کے آنسو سب کی آنکھوں میں جھلملا رہے تھے۔

"بابا آپ کب آئے؟ کیسے اور کس کے ساتھ؟" وہ سب حیرت کے جھٹکے سے نکلیں تو لگاتار سوال کر ڈالے۔

"آرام سے... آرام سے... ارے بھئی مجھے بیٹھنے تو دو..." مہروز صاحب نے سب بیٹیوں کے ماتھے چومے اور ہنستے ہوئے ایک طرف بیٹھ گئے۔

فائقہ بیگم کے چہرے پر سکون کی ان گنت پرچھائیاں تیر گئی تھیں۔ اکیلے پن کا احساس یکدم جانے کہاں جا سویا تھا۔ اب وہ گھنی چھاؤں میں تھیں۔ اپنے شریک سفر کی معیت کے خیال سے ہی سارے کام کتنے آسان لگنے لگے تھے۔

"ارے افروز بھائی کی طرف تو خبر کرو۔" وہ سب بابا کے گرد جمع ہو گئیں تو فائقہ نے پکارا مگر کوئی ملنے کو تیار نہ تھا۔ انیلا اپنی بیٹی بابا کی گود میں دیے تعریف وصول کر رہی تھی تو دوسری طرف رمنا، بابا کی بھیگی نظروں کی گرفت میں تھی۔ مرینہ اُن کے گھٹنے سے لگی بیٹھی تھی اور نائرہ صوفے کے سہارے پر بیٹھی ایک ہاتھ بابا کے گلے میں حمائل کیے ہوئے تھی۔

"جاؤ بیٹا اپنے تایا کو بتا آؤ جا کر۔" فائقہ نے ایک مرتبہ پھر انہیں پکارا۔ "ابھی ابھی تو بچیاں گئی ہیں نکل کر ذرا دیر پہلے آپ آتے تو سب یہیں موجود تھے۔" وہ کہہ رہی تھیں۔

"اچھا تو اس کا مطلب ہے کہ ابھی سب جاگ رہے ہوں گے... جاؤ نائرہ! تم بلا لاؤ۔" بابا

نے بھی کہا تو اسے اُٹھنا ہی پڑا اور نہ تو اس کا دل افروز لاج جانے کو قطعاً نہیں چاہ رہا تھا۔
جب سے فریحہ نے شہلا کے بارے میں تائی جان کی پسندیدگی کی خبر سنائی تھی وہ رمیز کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی خود میں۔ ڈر تھا کہ کہیں دل کا درد آنکھوں کے آئینے سے جھلک نہ دکھا دے۔ ہر ممکن کوشش تھی کہ اس کا رمیز سے سامنا نہ ہو۔ ابھی بھی بابا نے نہ کہا ہوتا تو وہ اس طرف کا رخ بھی نہ کرتی۔
دونوں گھروں کے درمیانی دروازے کو کھول کر ''افروز لاج'' کے لان میں قدم رکھ دیے۔
رمیز اس وقت لاؤنج کا دروازہ لاک کرنے ہی اٹھا تھا اسے آتا دیکھا تو ٹھٹک گیا۔ کئی دن بعد نظر آئی تھی وہ۔
''تم اب تک جاگ رہی ہو۔'' اس کے اندر جانے سے پہلے ہی وہ باہر نکل آیا اور وہ جو اپنے خیالوں میں گم چلی جا رہی تھی اسے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔
''خیریت!'' وہ پوچھ رہا تھا۔
''جی۔ خیریت ہے۔ وہ دراصل بابا آ گئے ہیں۔'' بعجلت میں آنے کا مقصد گوش گزار کیا۔ اس کے لہجے اور جملے سے خوشی جھلک رہی تھی۔
''کب؟'' رمیز بھی مسرت آمیز حیرت سے ہمکنار ہوا تھا۔
''بس ابھی آئے ہیں۔'' اس نے بتایا۔
''ٹھیک ہے تم یہ چابی پکڑو اور باقیوں کو بھی اُٹھا دو، میں ذرا چچا جان سے مل لوں۔'' رمیز نے اسے چابی تھمائی اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔ تو وہ گہری سانس بھر کر افروز لاج کے لاؤنج میں داخل ہو گئی اور جب سب کے ساتھ واپس پلٹی تو لاؤنج سے خوش گوار قہقہوں کی آوازیں باہر تک آ رہی تھیں۔ وہ پوری رات سب نے وہیں جاگ کر گزاری۔
☆☆☆
نکاح والے روز اورنج اور آلیو گرین کے امتزاج والے سوٹ میں ملبوس کانوں میں گرین اسٹونز والے نفیس سنہری آویزے پہنے وہ بڑی تیزی سے کام میں مصروف تھی۔ خوبصورت تحائف سجائے جا چکے تھے۔ وینیو جانے کے لیے گاڑیاں آ چکی تھیں۔ وہ سب تقریباً تیار ہی تھیں بس میک اپ کو فائنل ٹچ دینا باقی تھا۔ نائرہ نے گولڈن ہیل والا سینڈل پہن کر آئینے میں خود پر ناقدانہ نظر ڈالی اور اپنے کمرے سے باہر نکل آئی۔
''کون کون سا سامان بھجوانا ہے۔'' فہد نے جھانک کر ہانک لگائی تھی۔
''یہ سارا ہی جائے گا، تم بابا سے کہو وہ سامان رکھوانا شروع کریں۔'' اس نے تمام سامان چیک کر لیا۔
''نائرہ! دیکھ لینا کچھ رہ تو نہیں گیا۔'' فائقہ قدرے پریشان سی چلی آئیں۔
''نہیں امی! سب تیاری مکمل ہے۔'' وہ اطمینان سے بولی تو وہ سر ہلاتی رمنا کے کمرے کی طرف چلی گئیں۔
''فریحہ، زوبی۔ تم لوگوں کی تیاری مکمل ہوئی کہ نہیں۔'' رمیز پکارتا چلا آ رہا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو دروازے کے سامنے سے گزرتے رمیز پر نظر پڑتے ہی بعجلت رخ پھیر لیا جبکہ رمیز اسے دیکھ کر ٹھٹک کر رُک گیا تھا۔ نظریں اس کی لٹوں سے اٹکھیلیاں کرتے آویزوں میں جیسے الجھ سی گئیں... آج تو وہ نظر لگ جانے اور دل میں اُتر جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔
''فریحہ وغیرہ کہاں ہیں۔'' وہ وہیں چلا آیا بھاری آواز میں آج پہلی مرتبہ اتنی شگفتگی محسوس ہو رہی تھی....
''وہ سب رمنا کے کمرے میں ہیں۔'' اس نے رخ پھیرے پھیرے جواب دیا۔ رمیز کی موجودگی سے ہمیشہ کی طرح گھبراہٹ ہو رہی تھی۔
''اور تم کہاں ہو؟'' وہ اس کے عقب میں کھڑا بڑی سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔
''میں؟'' نائرہ نے بے اختیار پلٹ کر رمیز کی

طرف تحیر سے دیکھا۔ یہ سچ تھا کہ آج کل وہ لاشعوری طور پر خود کو رمیز سے چھپانے پر کمر بستہ تھی، اس کے سامنے آنے سے گریزاں۔ لیکن اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ رمیز اس کا کترانا محسوس کر گیا ہوگا۔ اور آج جب وہ اسے اکیلی نظر آ گئی تو اس نے براہ راست سوال بھی کر لیا۔

''میں۔ تو یہیں ہوتی ہوں۔'' گہری سانس بھر گول مول سا جواب دیا

''اچھا۔ تو پھر مجھے کیوں نظر نہیں آئیں۔'' اب رمیز نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر استفسار کیا تھا

''آپ کے ارد گرد لوگوں کا ہجوم رہتا ہے، شاید اس لیے آپ دھیان نہیں دے سکے ہوں گے۔ ورنہ میں یہیں ہوتی ہوں۔'' بڑی ٹرے میں سیٹ کیے ہوئے کفلنکس کی ترتیب کو بلا وجہ چھیڑتے ہوئے نائرہ کے لبوں سے بلا ارادہ ہی نکلا تھا۔

رمیز کی خاموشی پر اسے یکدم احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ گئی ہے تو بے ساختہ لب بھینچ لیے۔ جبکہ رمیز اس کے جملے کی معنویت پر غور کرتا اسے گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''بائی دی وے، اسے تمھارا شکوہ سمجھوں یا؟''

''ارے رمیز تم یہاں ہو۔ میں کب سے تمہیں ڈھونڈھ رہی ہوں۔ پلیز اپنی کار بیک کر لو، عامر کو اپنی بائیک نکالنی ہے۔'' انیلا عجلت میں اندر آئی تھی اس کی بر وقت آمد نائرہ کی رکی سانسیں بحال کرنے کا سبب بنی۔

''تم چلو، میں آتا ہوں۔'' رمیز نے انیلا کو جواب دیا تھا

''آتا ہوں نہیں۔ تم ابھی آ رہے ہو۔ پلیز چلو، میری ساس کی دو بار کال آ چکی ہے، عامر کو انہیں پک کرنے جانا ہے۔'' انیلا اسے ایک لمحے کی مہلت دینے کو تیار نہ تھی۔

مجبوراً رمیز کچھ کہے بغیر اس پر گہری نظر ڈالتا انیلا کے ساتھ ہو لیا۔

نکاح کی تقریب بہت اچھی رہی۔ اور اس دوران اس نے قصداً خود کو کچھ اس طرح مصروف رکھا کہ رمیز کو اس سے کچھ کہنے کا موقع ہی نہ ملا۔ نجانے کیوں آج اسے رمیز کی نظروں میں انوکھا اور نا آشنا مگر بہت دل آویز تاثر نظر آیا تھا۔ جس کے باعث دل کی دھڑکن رفتار بھولنے لگی تھی۔

گھر واپس آ کر سب نے اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا تو اس نے بھی بستر پر لیٹ کر آنکھیں موند لیں مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور رہی۔ رمیز کے بدلے رویے نے اسے تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ دوسری طرف شہلا کی طرف تائی جان کا جھکاؤ بھی نظر انداز کرنے کے لائق نہیں تھا۔

☆☆☆

افروز لاج میں شام کی چائے پر دونوں خاندان جمع تھے۔ ذوالقعدہ کا آخری سورج دھیرے دھیرے افق کے پیچھے اتر رہا تھا۔ آسمان نارنجی اور سنہرے رنگوں سے یوں دہک رہا تھا جیسے قدرت خود کسی جشن کی تیاری میں مصروف ہو۔ مغرب کی اذان کی آواز بلند ہوئی تو فہد نے پر جوش لہجے میں سب کو متوجہ کیا۔

''گائز! چاند نظر آنے والا ہے چلو سب اوپر ٹیرس پر چلتے ہیں۔''

''گریٹ۔ کیوں نہیں۔'' رمنا اور فریحہ نے سب سے پہلے لبیک کہا تھا۔ مرینہ اپنے کمرے سے دوربین اٹھا لائی اور اسے بھی ساتھ کھینچا۔ تو وہ انکار نہ کر سکی۔

ذرا دیر بعد وہ بھی اوپر ٹیرس پر برپا ہنگامے کا حصہ بن گئی تھی۔ آسمان کا رنگ نیلاہٹ سے دھیرے دھیرے سیاہی میں بدل رہا تھا ہواؤں میں ایک عجیب سی بے قراری تیرتی محسوس ہو رہی تھی۔ سب مختلف سمتوں میں چاند تلاش کر رہے تھے۔

''بھئی آج جس نے سب سے پہلے چاند نظر آنے کی نوید سنائی اس کے سیل فون کا بیلنس میں ادا کروں گا۔'' فہد نے دور سے ہانک لگا کر سب کے حوصلے بلند کرنے کی کوشش کی۔ جو آدھا گھنٹے کی

تلاش بسیار کے بعد اب کچھ کچھ مایوس ہونے لگے تھے۔

''اور اگر کسی کو آسمان کے چاند کے ساتھ آسمانِ دل کا چاند بھی نظر آجائے تو؟'' زوبیہ نے مرینہ کے ہاتھ سے دوربین لیتے ہوئے معنی خیز شوخی سے سوال کیا تو سب کھلکھلا کر ہنس پڑے۔

''تو پھر اس خوشی میں اُس خوش نصیب کو ہم سب کا بیلنس ادا کرنا ہوگا۔'' رمنا نے برجستہ کہا تو سب بلند آواز سے ہنس پڑے اور اس کی تائید کی۔

''ویل سیڈ۔ ٹریٹ تو بنتی ہے۔''

''تو پھر دعا کرو کہ اللہ ہم سب کے مہینے بھر کے بیلنس کا جلد انتظام کر دے۔'' زوبیہ نے ایک بار پھر معنی خیزی سے کہتے ہوئے نائرہ کو مخاطب کیا تو وہ محض مسکرا کر رہ گئی۔

(آسمانِ دل کا چاند نظر آ بھی جائے تو کیا فرق پڑتا ہے، کون سادہ آنگن کے اندھیروں کا اجالا بن جائے گا)

اس نے افسردگی سے سوچتے ہوئے سامنے نظر اٹھائی تو سیڑھیوں کے پاس کھڑے رمیز کو دیکھ کر قصداً رخ مرینہ کی طرف پھیر لیا اور اس کے ہاتھوں سے دوربین لے کر آنکھوں سے لگا لی۔ ذہن کو کسی اور مرکز کی طرف متوجہ کرنے کی کمزور سی کوشش تھی یہ۔

پانچ منٹ آسمان میں چاند کی تلاش کے بعد جونہی وہ مایوسی سے دوربین آنکھوں سے ہٹانے ہی لگی تھی کہ اچانک باریک سے ہلال کا جلوہ دل کی دھڑکن بڑھا گیا۔

''وہ رہا چاند۔۔'' بے ساختہ اس نے نعرہ لگا کر ایک جانب اشارہ کیا تو سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

''کہاں ہے۔ کس طرف ہے؟۔'' سب ایک ساتھ بول رہے تھے۔ فہد نے اس کے ہاتھ سے دوربین لے کر تصدیق کی۔ تو مبارک باد کا شور مچ گیا۔

''عید کا چاند تم نے دیکھ لیا۔
چاند کی عید ہو گئی ہوگی۔''

اپنی دائیں جانب سے سنائی دی گئی آواز اور خوب صورت انداز میں پڑھا گیا شعر یقیناً کوئی خواب نہیں تھا۔ اس نے چونک کر دیکھا تو اپنے پہلو میں کھڑے رمیز کو دیکھ کر چونک گئی۔ رمیز اور یہ شاعری۔

اس نے سٹپٹا کر اپنے اردگرد نظر دوڑائی۔ فریحہ اور فہد وغیرہ ٹیرس کے اختتام پر ریلنگ کے قریب کھڑے نیچے گھر کے بزرگوں کو چاند نظر آنے کی نوید اور مبارک باد دے رہے تھے۔ اس سے کچھ فاصلے پر رمنا اسد کی کال ریسیو کر رہی تھی۔ شہلا زوبی کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھی۔

ایسے میں رمیز نجانے کب اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔ تو گویا یہ سب نائرہ سے ہی کہا گیا تھا۔

''چاند مبارک ہو اور ساتھ ہی فہد کی طرف سے ملنے والا ایک ماہ کا موبائل بیلنس بھی۔ اور میرا دل بھی۔'' رمیز حسن کے لبوں سے نکلے الفاظ تھے یا نرم نرم پھولوں کی پتیاں نچھاور ہوئی تھیں اس پر۔ مدہم آواز اور گہرے لہجے میں وہ کیا کہہ گیا تھا ایک لمحے کے لیے نائرہ کے سر پر سے گزر گیا۔

''اور اب تو مجھے بھی سب کے لیے ایک مہینے کا بیلنس ارینج کرنا ہوگا۔'' رمیز کا اگلا جملہ اور بھی خطرناک تھا۔ وہ سمجھ کر بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ جبکہ حیرت اور بے یقینی سے اپنی جانب تکتی نائرہ کو دیکھ کر رمیز کے لبوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ اتر آئی تھی۔ وہ اسے بھرپور نظروں سے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ وہ سٹپٹا گئی۔ یقیناً رمیز کا یہ انداز اس کے لیے حیران کن تھا۔

''کک۔ کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ جیسے تمہیں آسمان کا چاند نظر آ گیا ایسے ہی مجھے بھی آسمانِ دل کا چاند مل گیا ہے۔'' متبسم نظروں کے حصار میں اسے لیتے ہوئے رمیز کچھ اس اطمینان سے بولا کہ نائرہ مہروز کے لیے یقین کرنا مشکل ہو گیا۔

''کک۔ کون سا چاند۔ کس کی بات کر رہے

ہیں آپ؟۔"

"یہ لو۔خود دیکھ لو۔" اپنا موبائل اس کی طرف بڑھایا تو اسکرین پر روشن اپنی تصویر نائرہ کو جہاں ورطہ حیرت میں ڈال گئی وہیں اس کا دل ایک سرشاری سے لبریز ہوا گویا خوشی اپنی معراج کو چھو رہی ہو۔

اگلے لمحے اس نے نظر اٹھا کر رمیز کے چہرے کو بغور دیکھا اور چند ثانیے دیکھتی ہی رہی۔یقیناً وہ اس کے چہرے پر خوشی اور انبساط کے رنگ تلاش کر رہی تھی جو اس وقت رمیز کی آنکھوں میں آ ٹھہرے تھے۔

"میرے خیال میں ایسے موقعوں پر لڑکیاں شرماتی ہیں۔تم بھی کوشش کر کے دیکھو۔" اس کی نظروں کے مسلسل ارتکاز پر رمیز نے شوخ انداز میں کہا تو وہ یکدم سرخ پڑ گئی۔بڑا دلچسپ منظر تھا۔وہ رمیز کی نگاہوں کے رستے سیدھا دل میں اتری تھی۔

"مگر وہ شہلا اور تائی جان؟۔" اس نے ساتھ چھوڑتے حواسوں کو بمشکل بحال کر کے سوال کرنے کی کوشش کی جو لبوں پر ادھورا ہی رہ گیا تھا۔

"یقیناً یہ ادھوری خبر تمہیں فریحہ نے سنائی ہوگی اور تم نے اس کا یقین بھی کر لیا۔گزرے دنوں میں تمہارا گریز اور یہ اترا چہرہ گواہ ہے اس بات کا۔"

وہ یقین سے کہتا اس کے تردید کرنے کے تمام راستے مسدود کر گیا تھا۔نائرہ مارے خفت کے لمحے بھر کے لیے لب بستہ سی رہ گئی۔مگر اگلے ہی پل اس نے پوچھا تھا

"تو کیا ایسا نہیں ہوا۔کیا تائی جان نے شہلا کو آپ کے لیے۔"

"مما نے مجھے محض ایک آپشن دیا تھا، جسے میں ایکسیپٹ نہیں کر سکا کیونکہ میرا دھیان تو اپنے ارد گرد ہجوم اکٹھا ہونے کے باوجود بھی بس ایک نادان اور بدگمان لڑکی کی طرف ہی لگا رہتا تھا۔

اور یہ بات میں نے مما پاپا تک بھی پہنچا دی ہے۔اب تم کہو کہ کیا تم میرے اس فیصلے سے خوش ہو نائرہ؟۔کیا یہ ہمارا فیصلہ کہلا سکتا ہے۔" وہ دوستانہ لہجے میں پوچھ رہا تھا۔اور زندگی میں یہ پہلی بار تھا کہ اسے رمیز کے انداز میں رعب کے بجائے مرعوبیت محسوس ہوئی تھی۔جس نے دل کو خوش کن انداز میں دھڑکا دیا تھا۔

"اس کا جواب تو تمہیں امی بابا دیں گے پیارے رمیز۔اب میری بہن کو تنگ کرنا بند کرو۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، انیلا نے اچانک دھاوا بولتے ہوئے نائرہ کو شریر نظروں سے دیکھا تو وہ واقعی جھینپ گئی۔

"دیکھ نہیں رہے کہ اس پر شادی مرگ طاری ہے۔" رمنا نے شریر لہجے میں اس کے قریب آتے ہوئے کہا تو وہ نہ چاہتے ہوئے بھی شرما گئی اور نیچے جانے والی سیڑھیوں کی طرف قدم بڑھا دیے۔اس کی تقلید میں رمیز اور انیلا سمیت باقی سب بھی نیچے لان میں چلے آئے جہاں بیگم افروز، فائقہ بیگم سے بقر عید کے دوسرے دن رمیز اور نائرہ کا نکاح کرنے کے بارے میں بات کرنے کی منتظر تھیں۔

رمیز نیچے آیا تو انہوں نے بیٹے کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا اور اس کے چہرے پر بچی اطمینان بھری مسکراہٹ انہیں نائرہ مہروز کے اثبات کا پتا دے گئی تھی۔

رمنا کی چھیڑ چھاڑ پر گلابی چہرے اور لبوں پر خوش کن مسکراہٹ لیے نائرہ، سامنے موجود رمیز کے دل کو سکون بخشنے کا سبب بن رہی تھی۔ نائرہ نے دیکھا رمیز کی آنکھیں، اسے وہ داستاں سنا رہی تھیں جسے سننے کا اس کا دل کب سے متمنی تھا۔

سماعتوں میں رمیز کی آواز ایک بار پھر گونج گئی تھی۔

عید کا چاند تم نے دیکھ لیا
چاند کی عید ہو گئی ہو گی

☆☆

قربانی سے پہلے قربانی

''عبدالباری......!!'' ایک کرخت آواز عبدالباری کی سماعت سے ٹکرائی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے رخ موڑا۔

''ادھر آؤ......'' مخاطب کرنے والا ایک بار پھر دھاڑا۔

''ج ج ج جی آیا۔'' عبدالباری نے گھبراتے ہوئے کہا۔

''اچھا عبدالباری میں بھی چلتا ہوں۔ ولی بھی

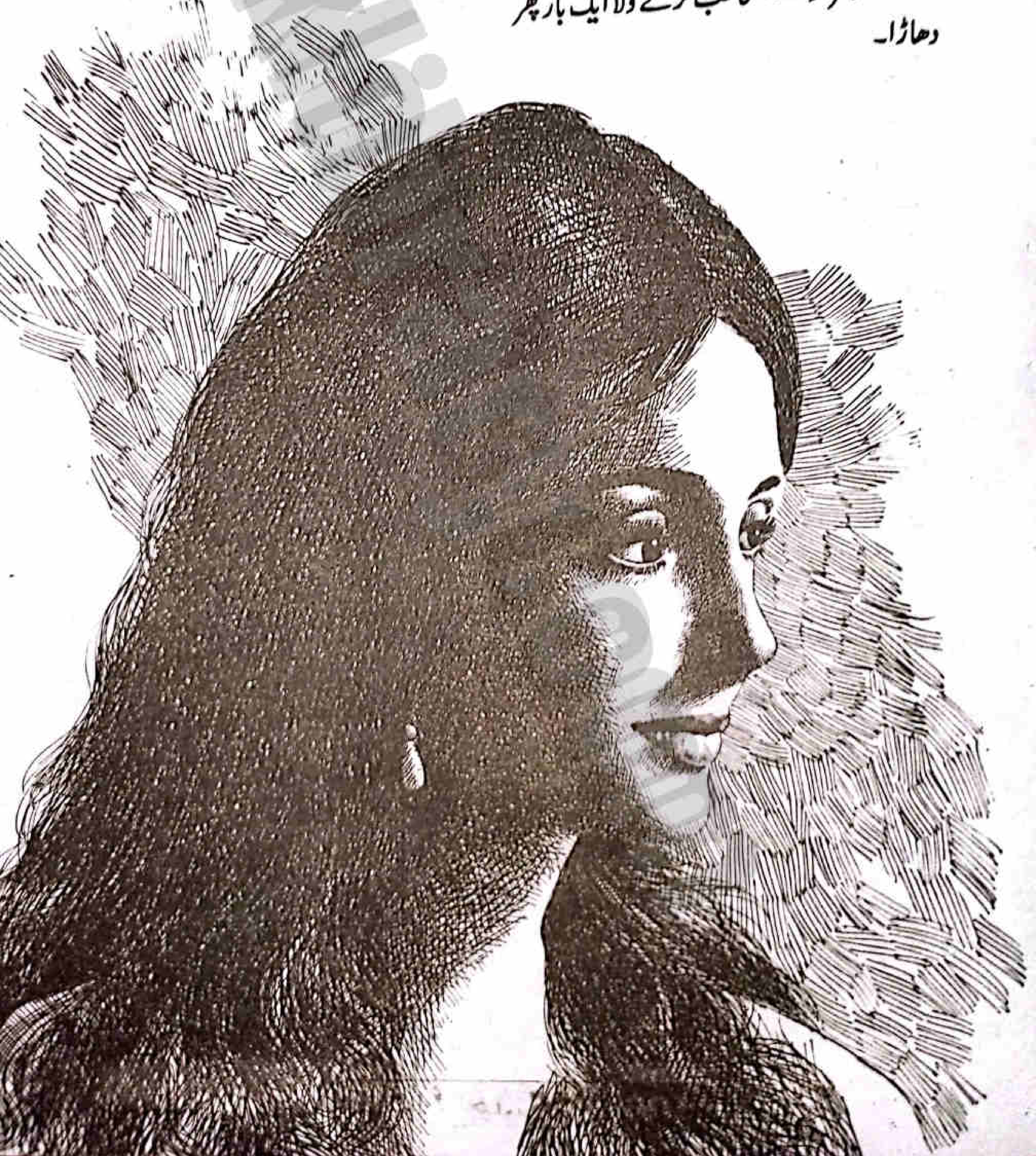

ڈر کر جانے لگا۔
"تمہیں کتنی بار کہا ہے کہ ولی کے آس پاس بھی نہ پھرا کرو، اور تم ہو کہ اس سے یاری دوستی گانٹھنے سے باز نہیں آتے۔" توقیر چاچو نے اس کے کان مروڑتے ہوئے چنگھاڑ کر کہا۔
"چاچو......ولی دوست ہے میرا۔" عبدالباری نے منمناتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں خوف کا عنصر نمایاں جھلک رہا تھا۔
"کوئی ضرورت نہیں ولی اور اس کے گھرانے سے دوستی کرنے کی۔" انہوں نے ڈپٹا۔ "دیکھ رہا ہوں میں بہت دنوں سے تمہارا وقت زیادہ ولی کے گھر گزرنے لگا ہے۔" انہوں نے ابرو اٹھا کر مشکوک لہجے میں کہا۔
"چاچو! ان کے گھر قربانی کے جانور دیکھنے گیا تھا۔" عبدالباری نے بے چارگی سے وضاحت کی۔
"چل گھر دوڑ جا، تمہارے ابو کو تمہاری اور ولی کی دوستی کے بارے میں بتاتا ہوں۔ وہی سیدھا کریں گے تمہیں۔" چاچو نے دھمکی دی۔
"مگر چاچو۔" عبدالباری ایک بار پھر منمنایا۔
"چپ......!" انہوں نے گیارہ سالہ عبدالباری کو جھڑک کر چپ کروا دیا۔
"چپ چاپ گھر چلو۔" انہوں نے اشارہ کیا تو عبدالباری نے سر جھکا کر قدم بڑھا لیے۔
"ایک منٹ رک۔" چاچو نے پیچھے سے آواز لگائی تو وہ پلٹا۔
"ویسے کتنے جانور لیے ہیں ولی کے گھر والوں نے؟" انہوں نے آنکھیں سیکڑ کر پوچھا انداز میں سن گن لینے کا چسکہ صاف جھلک رہا تھا۔
"ایک بڑا جانور اور تین بکرے۔" عبدالباری نے کہتے ہی توقیر چاچو کے سر پر بم پھوٹا۔ سکڑی ہوئی آنکھیں حیرت و جلن سے مزید پھیل گئیں۔
"ایک جانور اور ساتھ تین بکرے۔" عبدالباری نے توقیر چاچو کے ہلتے لبوں کو دیکھا جہاں وہ زیر لب دہرا رہے تھے۔
"تو اب تک بس یہیں کھڑا ہے چل گھر دوڑ جا۔" انہوں نے اپنا غصہ عبدالباری پر نکالا۔
"اور سیدھا اپنے گھر جانا ابھی اپنی سواری کا رخ ولی کے گھر کی طرف موڑ لو۔" انہوں نے ایک بار پھر ڈپٹا تو عبدالباری نے سرپٹ گھر کی جانب دوڑ لگا دی۔

☆☆☆

عبدالباری کے گھر والوں کا ولی کے گھرانے سے ذاتی عناد تھا۔ تیس سال پہلے کی رنجش اب تک چلتی آ رہی تھی۔ عبدالباری کے والد تین بھائی تھے۔ سب سے بڑے تایا ظہیر، ان کے بعد عبدالباری کے والد خلیل اور سب سے چھوٹے توقیر چاچو تھے ولی کے والد دو بھائی تھے تایا ناصر اور چاچو باسط، باسط صاحب ولی کے والد تھے۔ تایا ناصر، تایا ظہیر کے ماموں زاد تھے ایک طویل عرصہ گاؤں میں گزار کر کاروبار کی وجہ سے شہر شفٹ ہو گئے اور اتفاق سے آمنے سامنے کے پڑوسی بننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ دونوں گھرانوں کی طویل عرصہ سے بول چال اور میل ملاپ بند تھا۔
وجہ تنازع یاسمین آپا تھیں۔ تیس سال پہلے تایا ظہیر کے والدین نے ظہیر کے لیے یاسمین کا رشتہ مانگا۔ جو گاؤں میں ان کے پڑوسی تھے۔ اتفاق سے اگلے روز ہی ناصر تایا کے والدین بھی یاسمین کا ہاتھ مانگنے چلے گئے۔ اس بات کی بھنک تایا ظہیر کو ہو گئی تو انہوں نے تایا ناصر سے خوب ہنگامہ کیا۔
تایا ظہیر نے تایا ناصر سے خوب لڑائی کی ظہیر کا رشتہ دینے کے باوجود ناصر کی ہمت کیسے ہوئی یاسمین کے لیے اپنا رشتہ بھجوانے کی۔ غرض بہت بڑا فساد برپا ہوا۔
آخر تنگ آ کر یاسمین آپا کے والد نے اپنی بیٹی کی شادی اپنے بھائی کے بیٹے سے کر دی۔ مگر تایا ظہیر کے دل میں یہ واقعہ پھانس کی طرح گڑ گیا اور تایا

ناصر کے گھر والوں سے بول چال بند کردی۔ چار پانچ سال پہلے شہر شفٹ ہونے کے بعد تایا ناصر نے اپنی انا کو ایک طرف رکھ کر، صلح کا ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی تایا ظہیر نے نہایت نخوت سے ان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ خاندان کے بڑوں نے بھی دونوں گھرانوں کے بیچ مصالحت کروانے کی کوشش کی مگر اس بار بھی تایا ظہیر نے اپنی انا کا ہاتھ تھامے رکھا۔ اس کے بعد بھی متعدد مواقع پر ولی کے بڑوں نے صلح کی بات بڑھانی چاہی تو عبدالباری کے بڑوں نے ان مواقعوں پر بھی پڑھے لکھے جاہل ہونے کا ثبوت دیا۔ ان کی طرف سے بات تلخ کلامی سے ہوتی ہوئی گالم گلوچ تک پہنچ گئی۔ تایا ظہیر نے اپنی اکڑ اور ضد میں ان سے ہر طرح کا تعلق ختم کرلیا۔

کسی طرح عبدلباری اور ولی کی دوستی ہوگئی۔ ولی کے گھر والوں کو عبدلباری سے دوستی پر کوئی اعتراض نہیں تھا اس لیے عبدالباری اکثر و بیشتر ولی کے گھر جانے لگا۔ جبکہ دوسری طرف عبدالباری کے گھر والوں کو ولی سے دوستی پر اعتراض تو دور اس سے ہاتھ ملانا بھی گوارا نہ تھا۔ کئی بار عبدالباری کو ٹوکا بھی مگر وہ باز نہ آتا۔ تایا ظہیر بھی عبدالباری کے ذریعے تایا نصر کی سن گن لیے رہتے تھے۔ عبدالباری کے تایا والد اور چچا اپنے وقت کے پڑھے لکھے تھے۔ مگر ان کے انداز و اطوار بات چیت اور رکھ رکھاؤ میں تعلیم کا فقدان تھا ——— جہالت و بدتمیزی اور سن گن لینے کی عادات نے ڈیرہ جمایا ہوا تھا۔

☆☆☆

”کیا......“ ایک بڑا جانور اور تین بکروں کا بم جو عبدالباری نے اپنے چاچو کے سر پھوڑا تو قیر چاچو نے وہی بم اپنے دونوں بڑے بھائیوں کے سر پر پھوڑ دیا۔ اسی لیے دونوں کی زبانوں سے حیرت و صدمے کی کیفیت میں ”کیا“ نکلا۔ اس ”کیا“ میں حسد و نفرت و بغض و عناد اور اپنے سے آگے بڑھ جانے کی جلن کے رنگ شامل تھے۔

”ہمارے پاس تو قربانی کے لیے صرف ایک ہی بڑا جانور ہے۔“ تایا ظہیر نے پریشانی سے اپنے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”اب کیا کریں بھائی۔“ دونوں بھائیوں نے پریشانی سے بیک وقت پوچھا۔

”کل عید ہے۔ ہمارے پاس صرف آج کا دن باقی ہے تم دونوں منڈی جاؤ اور کسی بھی قیمت پر چار بکرے لے کر آؤ۔ ولی کا تایا ناصر اگر تین بکرے کرے گا تو ہم چار بکرے کریں گے۔“ تایا ظہیر کے لہجے میں حسد و رقابت کی بو تھی۔

”تم دونوں جلدی جاؤ کل جب عید کی نماز کے بعد ہم ایک بڑا جانور اور چار بکرے قربان کریں گے تو ولی کا تایا ناصر کیا پورا محلہ اور خاندان دیکھتا رہ جائے گا۔“ وہ غرور تکبر سے گویا ہوئے۔

”ظہیر سے قربانی میں آگے نکلنے کی اچھی کوشش کی تم نے ناصر، مگر ظہیر تمہاری اس کوشش کو بھی خاک میں ملا دے گا۔“ وہ غائبانہ طور پر ناصر سے مخاطب تھے۔ ان کی ہنسی میں غرور تکبر کے ساتھ حسد و رقابت کے عناصر بھی شامل تھے۔

عبدالباری کے والد خلیل اور توقیر چاچو کمرے سے نکلے تو عبدالباری اور ابراہیم جلدی سے اوٹ میں ہوگئے۔ وہ ان کی ساری بے سروپا گفتگو سن چکے تھے۔ وہ کف افسوس سے ہاتھ ملنے لگے۔ تایا ظہیر اور ان کے دونوں بھائی ایسے ہی تھے۔ تایا ناصر اور باسط چاچو سے لایعنی بغض و عناد پال رکھا تھا۔ ذاتی طور پر ناصر صاحب سے پرخاش تھی، تایا ناصر جب بھی کوئی کام کرتے یا کوئی چیز خریدتے تو تایا ظہیر ان سے مقابلے بازی میں ان سے بھی اچھی اور مہنگی چیز خرید لاتے۔ نفع و نقصان سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی۔ مقصد صرف ناصر تایا کو نیچا دکھانا مقصود ہوتا۔

ابھی چند ماہ پہلے ناصر تایا نے کاروبار کے لیے سیکنڈ ہینڈ کیری ڈبہ خریدا تو اگلے ہی دن ظہیر تایا نے حسد و جلن میں نئی کار خرید کر گلی میں ان کے کیری ڈبہ

کے ساتھ کھڑی کر دی اور فخریہ انداز سے ناصر تایا کو دیکھنے لگے۔ دو سال پہلے ناصر تایا نے اپنے گھر پر پینٹ کروایا تو ان سے مقابلے میں تایا ظہیر نے اپنی گھر کی دیواروں پر پینٹ کروانے کے بجائے سنگ مرمر لگوا کر ایک بار پھر تایا ناصر کو مات دے دی۔ وہ ان کو نیچا دکھانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے غرض کہ ذاتی عناد و پرخاش کا پرچم ظہیر تایا کی طرف سے بلند تھا۔

☆☆☆

وہ سب ہال کی کھڑکی سے جانوروں کو پچھلے صحن میں جاتا دیکھ رہے تھے۔ سب سے آگے تایا ظہیر تھے ان سے پیچھے چاروں بکروں کی رسیوں کو خلیل اور توقیر چاچو تھامے ہانک رہے تھے۔ ہال میں کھڑی انسانی مخلوق ہونقوں کی طرح کبھی بکروں کو دیکھتی اور کبھی ایک دوسرے کو تکتی۔

''یہ بکرے کیوں آئے ہیں جبکہ ایک گائے قربانی کے لیے پہلے سے موجود ہے۔'' تایا ظہیر کے سب سے بڑے بیٹے سالم نے سوال کیا۔

''پتا نہیں کیوں آئے ہیں۔'' سب نے کورس میں اجتماعی جواب دیا۔ سوائے عبدالباری اور تایا ظہیر کے منجھلے بیٹے ابراہیم کے۔

''تم دونوں کو کچھ پتا ہے اس بارے میں۔'' عبدالباری کی بڑی بہن عینی نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔

''اگر پتا بھی ہے تو آپ لوگ کیا کر سکتے ہیں؟'' ابراہیم نے الٹا سوال کیا۔

''پھر بھی پتا تو چلے۔'' اب کی بار توقیر چاچو کے سترہ سالہ بڑے بیٹے عبدالہادی نے پوچھا۔

''جب ہماری گھر میں کوئی چیز اچانک پاؤں آئے یا گھر کے بڑوں پر اچانک کوئی بڑا کام کرنے کا جنون سوار ہو تو اس کا کیا مطلب ہوتا ہے۔'' ابراہیم نے جل بھن کر کہا۔ چند ساعت تک سب سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر اچانک سالم کے ذہن میں کوندا لپکا۔

''مطلب کہ وہ'' سالم نے کشن گود میں لے کر۔ ''وہ'' پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

''جی جی وہی وہ'' ابراہیم نے طنزیہ کہا اور پھر ''ہونہہ کہہ کر سر کو جھٹکا دیا۔

''یا اللہ'' سالم نے سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

''نجانے کب ختم ہوگی ابو کی طرف سے یہ گونگی لڑائی۔'' سالم کی چھوٹی بہن فرح نے بھی افسوس سے کہا۔

''ہر وقت تایا ناصر سے مقابلے بازی اور بے تکی ضد، اس نے بھی سر پکڑ لیا۔ وہ سب یہ لڑائی بچپن سے ہی دیکھتے آرہے تھے۔

''اب کیسا مقابلہ'' عیسیٰ کے پلے کچھ بھی نہ پڑا تو اس نے زچ ہو کر پوچھا۔

''تایا ناصر نے قربانی کے لیے ایک گائے اور تین بکرے خریدے جبکہ ایک گائے تو ہمارے بڑوں نے پہلے سے ہی خرید لی تھی تو اب اصل کہانی کچھ یہ ہے کہ جوان چار بکروں نے گھر پر قدم رنجہ فرمایا ہے نا یہ ہمارے بزرگان کا تایا ناصر سے یک طرفہ ضد، رنجش اور مقابلے بازی کا نتیجہ ہے۔'' ابراہیم کی زبان سے شعلے نکل رہے تھے۔

''بوڑھے ہوگئے ہمارے بڑے مگر بچپنا اب تک نہیں گیا، وہی بچوں جیسی ضد اور اور مقابلے بازی ہے۔'' عینی نے اپنے بزرگوں کی عقلوں پر ماتم کیا۔

''اور جن کی وجہ سے یہ گونگی لڑائی عرصہ دراز سے چل رہی ہے نا'' آپا یاسمین''، سالم نے چڑ کر کہتے ہوئے'' آپا یاسمین'' پر زور دیا۔ ''وہ سب کچھ بھول بھال کر اپنے بچوں کے شادیانے بجانے کی تیاریوں میں کوشاں ہیں اور ادھر۔'' سالم ہاتھ نچا نچا کر بول رہا تھا۔

''ادھر ہمارے بڑے ہیں کہ آپا یاسمین کی وجہ سے اب تک تایا ناصر سے ذاتی عناد پالے بیٹھے ہیں۔'' سالم کو بھی اپنے والد کی تایا ناصر سے بے بنیاد چپقلش سے چڑ تھی۔

''آپا یاسمین زندگی میں آگے بڑھ گئیں۔ تایا ناصر اور ابو بھی زندگی میں آگے بڑھ گئے مگر ابو کی

طرف سے تیس سال بعد بھی تایا ناصر کو نیچا دکھانے کی منطق آج تک سمجھ نہیں آئی۔" ابراہیم بھی غصے سے بولا۔

"بھائی آپ ہی کچھ کریں۔ تایا ظہیر کیا کم تھے جواب ابو اور توقیر چاچو بھی ان کے نقش قدم پر چلنے لگے ہیں۔" عینی نے فکرمندی سے سالم سے کہا۔

"اب تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔" سالم نے پر سوچ لہجے میں کہا۔

"بلکہ آج ہی بات کرتا ہوں۔" سالم نے سب کو تسلی دی تو سب کے چہروں پر تناؤ کے آثار کچھ حد تک کم ہوئے۔ جبکہ ابراہیم کا سر ایک بار پھر طنزیہ انداز میں۔ "ہونہہ" کر کے جھٹکا۔ جیسے کہہ رہا ہوں یہ سدھرنے والے نہیں۔

☆☆☆

"آؤ آؤ" یہ دیکھو جوانوں...... تمہارے تایا نے ایک بڑے جانور کے ساتھ چار بکرے اور منگوا لیے قربانی کے لیے۔

جیو میرے جوانوں عیش کرو۔" انہوں نے پچھلے صحن میں بندھے چاروں بکرے اور ایک گائے کی طرف فخریہ اشارہ کیا۔ ابراہیم اور عبدالباری چارپائی پر سر جھٹک کر بیٹھ گئے۔ جبکہ سالم کھڑا رہا۔ بالآخر اس نے بات کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

"ابو" سالم نے تھوک نگل کر پکارا۔ گلے کی گلٹی ابھر کر معدوم ہوئی۔

"ہاں بول" انہوں نے ایک بکرے کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بول بھی اب" چند ساعت تک جب سالم کچھ نہ بولا تو انہوں نے جھنجلا کر کہا۔

"ابو...... کیا سچ میں یہ جانور قربانی کے لیے ہی ہیں۔" سالم نے عجیب لہجے میں پوچھا تو ان کا ہاتھ

چند ثانیے رکا بھورے بکرے کو پانی پلاتے خلیل چاچو بھی ٹھٹک گئے۔ تایا ظہیر نے سالم کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"او پتر...... قربانی کے لیے ہی ہیں اور کیا برادری میں بانٹنے کے لیے خریدے ہیں اتنے جانور۔" انہوں نے سالم کی بات کو ہنسی میں اڑا دیا تو چاچو خلیل اور صحن میں آتے توقیر چاچو نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ جبکہ ابراہیم کی مسکراہٹ خالص طنزیہ پر تھی۔

"ابو، قربانی کے لیے خریدے ہیں یا دنیا دکھاوے کے لیے، بلکہ یا یوں کہیں تایا ناصر کو دکھانے کے لیے۔" سالم نے ہاتھ باندھ کر طنزیہ پوچھا۔ لہجے میں سنجیدگی کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا۔

"اوئے ہوش میں رہ کر گل کر...... ابا نہ بن میرا۔"

اپنے بیٹے کے آئینہ دکھانے پر وہ آپے سے باہر

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
دستِ کوزہ گر
فوزیہ یاسمین

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

ہو گئے۔" میں بھلا کیوں ناصر کو دکھانے کے لیے جانور خریدوں۔" انہوں نے نظریں چرا کر کہا۔ "میں نے خالص اللہ کی راہ میں قربانی کے لیے خریدے ہیں۔" ان کے چہرے اور آنکھوں کے تاثرات ان کی باتوں سے میل نہیں کھا رہے تھے۔

"کیوں بھئی خلیل" انہوں نے بھائی کی تائید چاہی تو بھائی نے بھی جھٹ ہاں میں ہاں ملائی۔

"جی...... جی بھائی کیوں نہیں۔ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ۔"

"ابو! خالص اللہ کی راہ کے لیے آپ نے صرف ایک گائے خریدی تھی اور باقی کے چار بکرے آپ نے "خالص" تایا ناصر کو ہرانے کے لیے ان سے مقابلے بازی کی ضد میں خریدے۔" سالم نے خالص" پر زور دیتے ہوئے اپنے والد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مضبوط لہجے میں کہا۔ خلیل اور توقیر چاچو حیرت سے سالم کو تک رہے تھے۔ "ہاں...... ناصر کو ہرانے اس کو دکھانے کے لیے خریدے" وہ بھی سالم کے آگے ڈٹ گئے۔" مگر قربانی تو خالص اللہ کے لیے کریں گے نا۔" آخری جملے کو وہ اپنے مطلب کی بات پر گھما گئے۔

"اور قربانی تو اللہ قبول کرنے والا ہے اور کرے گا بھی۔" کیوں بھئی توقیر" انہوں نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے اب کی بار توقیر چاچو کی تائید چاہی۔ انہوں نے بھی جھٹ ہاں میں ہاں ملائی" ابو! کیا آپ کو لگتا ہے کہ اللہ واقعی آپ کی ان قربانیوں کو قبول کرے گا۔" سالم نے جانوروں کی طرف اشارہ کیا۔ خلیل و توقیر چاچو بھونچکا رہ گئے۔ عبدالباری اور ابراہیم بھی سنبھل کر رہ گئے کیونکہ اب بحث لمبی ہونے لگی تھی۔ جبکہ تایا ظہیر حیرت سے اپنے بڑے فرزند ارجمند کو دیکھ رہے تھے تم جواب ان کے بقول منہ کو آ رہا تھا۔ سالم دوبارہ گویا ہوا۔

"ایسی قربانی جس میں ریاکاری ہو۔ دکھاوا ہو۔ لوگوں کو پیچھے کرنے کا زعم ہو۔ حسد و نفرت ہو۔ بغض و رقابت اور برسوں کی نامعلوم چپقلش اور رنجش ہو، تایا ناصر کی دیکھا دیکھی ان سے مقابلے بازی کی ضد میں ایک گائے اور چار بکرے قربان کرنے کا جنون ہو۔" وہ ایک ہی سانس میں کہتا چلا گیا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ آپ کی قربانی قبول کی جائے گی۔" سالم نے سوالیہ انداز سے اپنے والد کی طرف دیکھا۔ جو اس کی طرف خوں خوار نظروں سے گھور رہے تھے۔ جبکہ توقیر و خلیل چاچو آنکھوں ہی آنکھوں میں سالم کو ٹوک رہے تھے کہ بھائی صاحب کے سامنے، زبان درازی نہ کی جائے مگر سالم کو ان کی گھوریوں کی قطعی پرواہ تھی۔

"کل اللہ کے ہاں ان جانوروں کا گوشت اور خون نہیں پہنچے گا بلکہ آپ کی نیت پہنچے گی۔ اگر آپ کی نیت واقعی خالص اللہ کے لیے تو اللہ پاک اپنے رحم و کرم سے قربانی قبول فرمالے گا۔ اگر آپ کی نیت محض تایا ناصر کو دکھانے کی ان سے سبقت لے جانے کی ہے تو اللہ کو ایسی قربانیوں سے کوئی واسطہ نہیں جن قربانیوں میں ریاکاری کی نیت شامل ہو چاہے آپ دس کی بجائے سو قربانیاں بھی کیوں نہ کریں۔ شرط صرف خالص نیت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں صرف خالص نیت اور عمل ہی پہنچتا ہے۔ خون اور گوشت تو یہیں رہ جانا ہے۔" سالم کے لہجے میں تیزی تھی۔ وہ چپ ہوا تو پیچھے سے ابراہیم فوراً بول اٹھا۔

"جی سالم بھائی......اور یہ تو پھر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے کہ "اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ اب معلوم نہیں ابو اور چاچوؤں کی کیا نیت ہے۔" آخر میں اس نے طنزیہ کہا تو سالم نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈپٹا کہ حد ادب،

"اور ہاں ابو۔" کل قربانی سے پہلے آپ کو ایک گائے اور چار بکرے قربان کرنے سے پہلے اپنی ضد، انا، غرور و تکبر، بغض عناد دکھاوا ریاکاری کو قربان کرنا ہوگا۔ تایا ناصر کے خلاف ذاتی عناد اور پرخاش کو قربان کرنا ہوگا۔ ان کی طرف صلح کا

ہاتھ اب آپ کو بڑھانا ہوگا تب ہی شاید اللہ اپنے فضل وکرم سے آپ کی ایک گائے اور چار بکروں کی قربانی کو قبول فرما لے۔" ناچاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ آخر میں طنزیہ ہوگیا۔

ابراہیم بمشکل اپنی ہنسی کنٹرول کیے بیٹھا تھا۔ وہ تایا ظہیر کو سوچ میں الجھا تا صحن سے نکل گیا جبکہ عبدالباری اور ابراہیم بھی تیزی سے اس کے پیچھے لپکے۔

"کیا واقعی ہماری قربانی قبول ہوجائے گی۔" وہ پرسوچ لہجے میں اپنی گھنی داڑھی میں ہاتھ پھیرتے صحن سے باہر نکل گئے۔ انہوں نے ہنگامی طور پر خلیل اور توقیر چاچو بلوایا۔ اپنا نقطہ نظر ان کے سامنے رکھا تو دونوں حیرت سے انہیں تکنے لگے۔

"جتنا کہا ہے اتنا کرو۔" انہوں نے دونوں کی آنکھوں سے چھلکتے جملے پڑھ لیے تھے۔ اسی لیے گویا ہوئے۔

☆☆☆

صبح عید کی نماز کے بعد محلے والوں نے یہ منظر نہایت حیرت سے ملاحظہ کیا کہ تایا ظہیر اور ان کے دونوں بھائی تایا ناصر کے جانوروں کو اپنے گھر کے پچھلے صحن کی طرف لے جا رہے تھے۔ تایا ناصر کے گھر کا صحن چھوٹا تھا۔ اس لیے انہیں قربانی میں مشکل در پیش آتی تھی۔ صبح صبح دونوں بھائیوں نے اپنے بڑے بھائی ظہیر کا پیغام، تایا ناصر کے گوش گزار کردیا کہ ان کے گھر کا صحن ان کے جانوروں کی قربانی کے لیے حاضر ہے۔ جہاں وہ قربانی میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے اور دوسرا یہ کہ تایا ناصر کے پورے گھرانے کی دعوت، تایا ظہیر نے اپنی طرف طے کردی۔ انہوں نے کھلے دل سے تایا ناصر کو گلے لگایا۔

تیس سال پہلے کی جلن بے بنیاد چپقلش، بغض وعناد اور مقابلے بازی کو تایا ظہیر نے اچانک ہی دھو دیا۔ انہوں نے واقعی قربانی سے پہلے اپنی ضد انا، غرور تکبر، ریاکاری اور بے جا مقابلے بازی کو قربان کردیا۔

آپ کو قربانی سے پہلے ایک اور قربانی دینی ہوگی۔ سالم کا یہی وہ جملہ جو سیدھا ان کے سوئے ہوئے ضمیر کو جگانے میں کامیاب ثابت ہوا۔ اب شاید اللہ کی قربانیوں کو اپنے فضل وکرم سے قبول فرما لے۔ کیوں کہ انہوں نے قربانی سے پہلے قربانی دی تھی اپنے اختلاف کو قربان کرکے۔

☆☆☆

ہال میں بیٹھی نوجوان نسل نے اس وقت شکر ادا کیا جب انہیں دونوں گھرانوں کے مابین اختلاف ختم ہونے کا پتا چلا۔

"اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ یہ سرد جنگ تو ختم ہوئی۔" عینی نے شکر کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

"سالم بھائی...... آپ نے واقعی ہمت دکھائی۔ آپ کو داد دینی بنتی ہے۔" فرح نے سالم کو داد دی۔

"سب سے زیادہ خوشی تو اس بات کی ہے کہ اب کی بار صلح کا ہاتھ تایا ظہیر نے بڑھایا ہے۔" عبدالہادی نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔ جبکہ باقیوں نے تائیدی انداز میں سر ہلایا جبکہ ابراہیم کے منہ سے ہنسی کا فوارہ چھوٹتے دیکھ کر سب اس کی طرف متوجہ ہوگئے۔

"اس میں بھی ابو کا فائدہ تھا۔ اگر ابو صلح نہ کرتے تو تایا ناصر کی قربانی قبول ہوجاتی جبکہ ابو کی نہیں ہوتی۔ اس لیے ہمارے والد محترم نے سوچا کہ تایا ناصر کی قربانی قبول ہو اور میری نہیں ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔" ابراہیم شرارت سے کہہ رہا تھا۔

"اسی لیے ابو نے سوچا کہیں ناصر میاں قربانی ہونے میں ان سے سبقت نہ لے جائیں۔" سب ابراہیم کی شرارت سمجھ کر اسے مارنے لپکے کیونکہ سب جانتے تھے کہ اب کی بار واقعی تایا ظہیر نے قربانی سے پہلے قربانی دی ہے۔

☆☆

چاندی کے گھر

بیلا اور ماہم عزیز سہیلیاں ہیں، ماہم اپنے ماموں ممانی کے گھر ماں کے ساتھ انتہائی برے ماحول میں پلی بڑھی، انتہائی خوب صورت اور ذہین ماہم دنیا فتح کرنے کی آرزو میں چال باز اور امیر علی بزنس مین کے ہتھے چڑھ جاتی ہے۔
بیلا تعلیم ختم کر کے مانٹیسوری کورس کرتی ہے ایک امیر گھرانے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانے جاتی ہے۔ ہارون ان بچوں کا چچا اسے پسند کرنے لگتا ہے۔ علی ماہم کو چھوڑ دیتا ہے وہ کسمپرسی میں ایک بچے کو جنم دیتی ہے۔

دوسری اور آخری قسط

اس کے برابر پڑا ننھا وجود ساکت ہو چکا تھا۔
اور ابھی چند ساعتیں ہی گزری تھیں کہ کوئی اس کا بیرونی دروازہ کھول کر کیچڑ سے بھرا ہوا چھوٹا سا صحن چھپ چھپ کر کے عبور کرتا اس کے کمرے تک آیا۔
کمرے کا بھڑا ہوا دروازہ اس نے دھکیلا تو وہ "چرررر......" کی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔
پچھلے تین دنوں میں وہ اپنے تصور میں اتنی دفعہ بارش کے قطروں کی مختلف جگہ پر پڑنے والی آوازیں، باہر سے آنے والا لوگوں کا شور، حتیٰ کہ کسی پڑوسی کے بجنے والے گیٹ پر بھی اسے یہی لگتا رہا تھا کہ کوئی اس کے لیے آیا ہے علی، بیلا۔ حتیٰ کہ وہ کئی بار اپنی امی کو بھی کمرے میں چلتے پھرتے دیکھ چکی تھی۔
اب جبکہ حقیقت میں اس کی مدد بھیجی گئی تھی تو وہ اسے اپنا وہم تصور کیے آنکھیں بند کیے بے سدھ پڑی تھی۔

نووارد کے ایک ہاتھ میں بند چھتری اور دوسرے ہاتھ میں موبائل تھا جس کی ٹارچ جل رہی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی مچھر اور اندھیرا موبائل ٹارچ کی تیز روشنی سے دور کونے کھدروں میں چھپ گئے تھے۔ چھوٹے سے کمرے کے ایک طرف پڑی چارپائی پر اس کی نظر پڑتے ہی چھتری اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے پانی سے بھرے فرش پر جا گری تھی۔

"ماہم......" بیلا کے منہ سے چیخ نما آواز نکلی تھی۔

"میرے اندر بہت تنہائی بہت خالی پن ہے۔ کاش بہت لوگ نہ سہی کوئی تو میرے ساتھ ہوتا۔ مجھے خوف ہے کہ یہ تاریکی اور خالی پن مجھے نگل لے گا۔"

یہ وہ آخری اسٹیٹس تھا جو بیلا نے ماہم کا پڑھا تھا بہت عرصے سے وہ اسی طرح کے اسٹیٹس لگا رہی تھی۔ اداس سا کوئی کوٹ یا کوئی دکھ بھری شاعری، یہ اسٹیٹس جو وہ علی کے لیے اس آس پر لگا رہی تھی کہ شاید اسے اس پر ترس آ جائے اور وہ اس کے پاس آ جائے مگر علی نے وہ اسٹیٹس کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اپنی لوکیشن بھی وہ علی کے لیے کھول کر رکھتی تھی کہ اگر وہ کبھی اسے ڈھونڈتا ہوا آئے تو اسے کوئی دشواری نہ ہو۔

اور پھر اچانک اس نے اسٹیٹس لگانے بند کر دیے تھے۔

بیلا بہت دنوں سے ماہم سے ملنے کا سوچ رہی تھی۔ اس کو کچھ عرصے سے ماہم کے متعلق خواب آ رہے تھے۔ عجیب عجیب سے خواب، کبھی وہ رو رہی ہوتی تھی کبھی سیاہ لباس میں ملبوس تنہا کالج کے کمرہ میں بیٹھی ہوئی۔

کبھی بارش دیکھتی جو صرف اسی پر برس رہی ہوتی تھی۔

اور پھر حقیقت میں بارشیں شروع ہو گئیں اور اس کا ماہم سے ملنے کا ارادہ ملتوی ہوتا گیا۔ مگر وہ مسلسل اس کے اعصاب پر سوار تھی۔ اس نے ماہم کے نمبر پر رابطہ کرنے کی کوشش کی تو وہ بند ملا۔ تمام سوشل سائٹس پر بھی اس کا لاسٹ سین تقریباً ایک ہفتے پہلے کا آ رہا تھا اور اس بات نے اسے مزید تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔ اس نے ماہم کی ممانی کے گھر پر فون کیا لیکن وہ وہاں بھی نہیں تھی۔

ممانی نے اس کے متعلق نامناسب زبان استعمال کی تھی اور کہا تھا کہ وہ ان سب کے لیے مر گئی

ہے لہٰذا اب بیلا کبھی ادھر فون نہ کرے۔ پھر بیلا اسی دن خراب موسم کی پروا کیے بغیر اس کو ڈھونڈنے نکل کھڑی ہوئی تھی۔

ماہم کی حالیہ لوکیشن کچھ عرصے پہلے اس نے اپنے علاقے کے قریب میں ہی دیکھی تھی مگر اب اس کی لوکیشن بھی بند تھی اور اسے اس لوکیشن کا صحیح اندازہ نہیں تھا لہٰذا وہ پہلے اس کے دیے گئے پرانے پتے پر گئی۔ اس کے اپارٹمنٹ پر مگر اب وہاں دوسرے لوگ رہ رہے تھے۔

بیلا کچھ دیر وہیں کھڑی سوچتی رہی کہ اب کیا کرے کہاں جائے اور پھر کچھ سوچ کر اس نے برابر والے فلیٹ کا دروازہ کھٹکھٹایا کہ شاید انہیں کچھ پتا ہو۔

دروازے کے پیچھے سے ایک پتھرائے ہوئے نقوش والی خاتون سفید کاٹن کے سوٹ پر گہرا سبز سویٹر پہنے ہوئے نمودار ہوئیں۔ ماہم کے متعلق پوچھنے پر انہوں نے بیلا کو دروازہ سے ہی ماہم کے گھر کی چابی اور وہ چٹ جس پر اس نے اپنا ایڈریس اور فون نمبر لکھا تھا دے دی۔ اور وہ ان کا شکریہ ادا کر کے اس پتے پر چل دی۔

بیلا ماہم کا پتا ڈھونڈتی ہوئی جب اس کے گھر تک پہنچی تو شام ڈھل چکی تھی۔ بارش تیز برس رہی تھی۔ اس کے گھٹنوں تک کپڑے کیچڑ میں لت پت تھے۔ کپکپاتی ہوئی وہ بمشکل اپنا ہینڈ بیگ چھتری اور موبائل جس کے ٹارچ کی رہنمائی میں ہی وہ یہاں تک پہنچ پائی تھی۔ سنبھالتی جب گھر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو اندر کے ماحول کو دیکھ کر چند لمحوں کے لیے وہیں کھڑی رہ گئی۔

چھوٹے سے صحن میں بارش کا پانی بھرا تھا اور پورا گھر گھپ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ اس کو لگا یہاں مدتوں سے کوئی ذی روح نہیں رہا ہے۔ وہ واپس پلٹتے پلٹتے رکی تھی۔ شاید اس کا وجدان تھا جو اس کو اندر کھینچ رہا تھا۔ کیچڑ سے بھرے صحن میں کونے میں بنے کچن کے برتن اور جھاڑو وغیرہ تیر رہے تھے، اسے عبور کر کے جب وہ کمرے میں داخل ہوئی تو شاکڈ رہ گئی۔ بارش کے پانی بدبو اور مچھروں سے بھرے اندھیرے کمرے کے کونے پر پڑی بوسیدہ گیلی چارپائی پر ایک ہڈیوں کا ڈھانچہ سکڑا سمٹا پڑا تھا۔

اور اس کے ساتھ بے تحاشا چھوٹے بڑے کپڑوں میں لپٹا ایک ننھا سا گٹھڑی نما وجود۔

شدید شاک اور صدمے کی کیفیت میں وہ ماہم کے پاس چارپائی پر بیٹھی تھی۔ اور تب اس کو احساس ہوا وہ چارپائی بھی گیلی تھی۔ اس نے ماہم کا ہاتھ پکڑا تو ایک عجیب سے خوف کا احساس اس کی ریڑھ کی ہڈی تک سنسنایا تھا۔ وہ بارش کا حبس نہیں تھا۔ وہ موت کی بو تھی جو اس کی ہڈیوں کو جما رہی تھی اس نے اپنی شال اتار کر ماہم پر ڈالی اور کپکپاتے ہاتھوں سے اس نے ایک کال ملائی تھی۔

''ہارون ...... ہارون۔ مجھے تمہاری ہیلپ چاہیے۔'' کال ملتے ہی اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا، آنسو اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔ اگر وہ ڈائریکٹ ایمبولینس بلاتی تو اس خراب موسم اور اس علاقے میں ایمبولینس آتے آتے کافی ٹائم لگاتی اس نے اسی لیے ہارون کو فون کیا تھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔ ایمبولینس بھیجو یہاں پر جلدی۔ میں تمہیں لوکیشن بھیج رہی ہوں ابھی فوراً۔''

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔ یہاں کسی کو مدد کی ضرورت ہے۔ جلدی پلیز۔'' وہ فون رکھ کر پھر سے ماہم کی طرف متوجہ ہوئی۔ ماہم نے بمشکل آنکھیں کھول کر بیلا کو دیکھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ بیلا وہاں حقیقت میں موجود ہے۔ بیلا نے اس کے دونوں سرد اور استخوانی ہاتھ تھام لیے۔

''ماہم! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میں آ گئی ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' بیلا اس کے ہاتھ سہلانے لگی ماہم کے ہونٹ لرزنے لگے جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ بیلا اس کے نزدیک ہوئی۔

''اللہ۔'' اس کے ہونٹوں سے مدھم آواز ابھری تھی۔

''اللہ۔'' اس کے ہونٹ پھڑ پھڑانے لگے۔

لٹھے جیسا سفید چہرہ سرخ پڑنے لگا اور آنکھوں سے گرم گرم آنسو ابلنے لگے۔ اس کے پورے جسم پر کپکپی چڑھی تھی جیسے رقت طاری ہو۔

"اللہ" وہ بس ایک اسی لفظ کی تکرار کیے جا رہی تھی۔ بیلا کو اندازہ ہوا کہ وہ اس وقت اس سے مخاطب نہیں ہے۔ "یا اللہ" اس کی آنکھیں اوپر چڑھنے لگیں اور بیلا کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

"ماہم...... ماہم۔" اس نے ماہم کو جھنجوڑ ڈالا مگر وہ اس وقت خود میں نہیں تھی۔ اسے بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔

زندگی بھر اس نے اللہ کی نافرمانی میں گزاری تھی، اللہ سے ضد کی تھی اس کی ایک نہیں مانی تھی کبھی۔ ساری زندگی وہ دنیا کے پیچھے بھاگی تھی۔ پیسے کے پیچھے بھاگی تھی اور اس کے ہاتھ کچھ نہیں آیا تھا۔ وہ خالی ہاتھ تھی۔ علی کے لیے وہ پاگل تھی۔ اس کے بار بار ذلیل کرنے، دھتکارنے کے باوجود اس نے علی کو ہزاروں کالز اور میسجز کیے تھے اور اگر اللہ کو سجدے بھی کیے تھے تو بھی علی کے لیے۔

اسے سب یاد آ رہا تھا علی سے ملاقات اس کا اس کے لیے پاگل ہونا۔ اس کی تعریفیں کیے جانا پھر اس کا ماموں کا گھر چھوڑنا۔ بیلا کا اسے سمجھانا۔

اسے سب ایک ایک کر کے یاد آیا۔

ایک دفعہ اس نے بیلا سے کہا تھا جب وہ علی اور علی اس کے "عشق" میں پاگل تھا۔

"وہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے بیلا! جب وہ کہتا ہے "ماہی آئی لو یو" تو دل کرتا ہے اس پر یقین کر لوں۔ اور جب وہ کہتا ہے کہ میرا دل کرتا ہے کہ تمہیں میرے سوا کوئی نہ دیکھے تو دل کرتا ہے کہ سات پردوں میں چھپ جاؤں۔"

وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر آسمان کی طرف دیکھتی ہوئی گول گول گھوم رہی تھی۔ موسم خوش گوار تھا ماہم کے موڈ کی طرح اور وہ دونوں اس وقت قریبی پارک میں تھیں۔

بیلا آلتی پالتی مارے ایک بڑے سے نیم کے درخت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔

"کیا مطلب وہ جو آئی لو یو بولتا ہے تو تمہیں لگتا ہے کہ اس کا مطلب آئی لو یو ہی ہے۔"

بیلا نے ماہم کی بات پر ناگواری سے بھنویں چڑھا کر کہا تھا۔

"اور...... کوئی اور نہ دیکھے تمہیں، بس وہ دیکھ لے۔ اچھی طرح۔ ہونہہ مردوں کے حربے۔" ماہم نے رک کر استعجاب سے بیلا کو دیکھا تھا۔ اس کو بیلا کی بات اچھی نہیں لگی تھی مگر بیلا نے پروا نہیں کی اور بولتی رہی۔

"اور اللہ کے کہنے پر تو پردہ کیا نہیں تم نے، ایک نامحرم کے کہنے پر تمہارا دل کرتا ہے پردے میں چھپنے کا واہ۔"

"ہاں۔ ایسا ہی ہے بس۔ اللہ نے مجھ سے صرف لیا ہی ہے اب تک، میں کیوں مانوں اس کی۔" پاس پڑی بینچ پر منہ پھلا کر بیٹھ گئی بچوں کی طرح۔ اب کے بیلا بہت سنجیدگی سے اسے دیکھنے لگی پھر اٹھ کر اس کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کسی راستے کی تلاش میں

میمونہ خورشید علی

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

فون نمبر:
32735021

"آزمائشیں اللہ کے نیک بندوں پر ہی آتی ہیں ماہم سب سے زیادہ سختیاں تکلیفیں انبیاء کرام پر آئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آئیں۔ سیرت پڑھو۔ قرآن کھولو، پتا چلے گا تمہیں۔ اللہ نے یہ دنیا کی زندگی امتحان کے لیے ہی بنائی ہے۔ جنت نہیں ہے یہ ماہم اور سوچو ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ اللہ نے تمہیں اتنا کچھ عطا کیا ہے۔ حسن، ذہانت، شکر ادا کرو اللہ کا وہ اور دے گا۔"

بیلا نے اس کو بہت سنبھل کر بہت مناسب ترین الفاظ کا چناؤ کر کے سمجھانا چاہا تھا مگر۔

"وعظ سے پیٹ نہیں بھرتا بیلا۔"

"اف......ف پھر وہی کم بخت پیٹ۔" بیلا نے اپنا سر پیٹ لیا تھا۔

"ماہم...... ماہم۔ آنکھیں کھولو۔" بیلا اس کی ہتھیلیاں سہلا رہی تھی۔

"اللہ!" ایک کرب آمیز سرگوشی کی طرح ماہم کے لب پھر سے ہلے تھے۔

"آخری سانسوں تک سارا دن میں نے صرف لوگوں کو مدد کے لیے پکارا۔ یہاں تک میرے حلق میں زخم پڑ گئے مگر کوئی نہیں آیا۔ کوئی بھی نہیں۔ اور آج جب مجھے اپنی موت نزدیک نظر آنے لگی اور پوری دنیا مجھے دھتکار چکی تھی تب میں نے تجھے پکارا اور تو نے فوراً میرے لیے مدد بھیج دی۔

تو کتنا رحم کرنے والا ہے اور میں کس قدر گناہ گار۔"

وہ اتنی شرمسار تھی کہ روتے روتے اس کی ہچکی بندھ گئی اور اتنی شاکڈ تھی کہ زندگی سے گزر گئی۔

بیلا پر یہ ایمبولینس کے انتظار میں گزارے جانے والے وقت کا ایک ایک لمحہ قیامت بن کر گزر رہا تھا۔ وہ کبھی گٹھڑی بنے اس بچے پر نظر ڈالتی کبھی ماہم کو سنبھالتی۔ اس کو ایسا لگ رہا تھا کہ وہ بے حس و حرکت پڑا بچہ زندگی کی جنگ ہار چکا ہے تب ہی اس نے ڈر کر اسے ابھی تک چھوا بھی نہیں تھا مگر پتا نہیں کیوں اسے یہ یقین سا تھا کہ وہ لوگ ماہم کو بچا لیں گے۔

ماہم کے پھڑ پھڑاتے ہونٹ اور ڈبڈباتی آنکھیں ساکت ہو چکی تھیں۔ اس نے اپنے ہینڈ بیگ سے پانی کی بوتل نکال کر ماہم کو سہارے سے بٹھانے کی کوشش کی تاکہ اسے پانی پلا سکے مگر تب تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ ایمبولینس ٹھیک بارہویں منٹ پر ان کے دروازے پر موجود تھی مگر بیلا اپنے بازوؤں میں ماہم کی لاش کو جکڑے بت بن چکی تھی۔

میں نے کوڑوں پہ پڑے دیکھے ہیں رخشندہ نجوم
میں نے لتھڑے ہوئے کیچڑ میں قمر دیکھے ہیں

وہ جو سنو وائٹ کی طرح سفید اور نازک تھی۔ جس کے کندھوں تک ریشمی بال تھے اور دراز قد پر جو پہنتی تھی، سج جاتا تھا۔ جو اتنی ہنرمند تھی کہ گھر کے سارے کام خود کرتی تھی۔

بہترین کھانا بناتی تھی۔ کپڑے خود ڈیزائن کرتی اور سیتی تھی۔ جو اتنی ذہین تھی کہ اسے اچھے مارکس لینے کے لیے بھی کوشش نہیں کرنا پڑی تھی۔ جس کی براؤن آنکھوں میں بڑے بڑے خواب تھے۔ ایسے خواب جو ہر عام انسان دیکھتا ہے۔ عام سے انسانوں کے خاص خواب۔

وہ ماہم اسرار اس ایک کمرے کے کرائے کے گھر میں بے بسی اور اذیت کی موت مر گئی تھی۔ اور اپنے پیچھے اپنے وجود کے ایک ٹکڑے کو زندگی کی جنگ لڑنے کے لیے چھوڑ گئی تھی، وہ جنگ جو وہ خود ہار چکی تھی۔

☆☆☆

ایک اچھے ہاسپٹل میں بچے کو فوری فرسٹ ایڈ دی گئی تھی۔ اسے نمونیہ تھا، اس کی زندگی خطرے میں تھی مگر وہ بچ گیا تھا۔ دس دن ہاسپٹل میں رہ کر وہ بالکل ٹھیک ہو گیا تھا اور بیلا اسے اپنے ہمراہ اپنے گھر لے آئی تھی۔

ماہم کو نہ بچا سکنے کے دکھ نے بیلا کو توڑ کر رکھ دیا تھا اگرچہ وہ سمجھتی تھی کہ سب کی موت کا ایک وقت

مقرر ہے اور کوئی بھی اپنی مقررہ مدت سے ایک سانس زیادہ نہیں لے سکتا مگر اسے پچھتاوا تھا کہ اگر وہ اس کے پاس پہلے چلی گئی ہوتی یا اس سے قطع تعلق ہی نہ کرتی تو وہ کم از کم اتنی بے بسی سے تو نہ مرتی۔

جس طرح ماہم نے بیلا کے سامنے دم توڑا تھا بیلا کو زندگی کے ارزاں ہونے کا احساس پوری شدتوں سے ہو رہا تھا۔ ہر چیز سے اس کا دل اٹھ گیا تھا مگر وہ بچہ جو ماہم اپنے پیچھے چھوڑ گئی تھی۔ وہ براؤن آنکھوں اور براؤن سلکی بالوں والا اتنا خوب صورت بچہ تھا کہ اسے دیکھ کر ہی پیار آتا تھا۔ بیلا نے اس کا نام ''موسیٰ'' اسی لیے رکھا تھا کیونکہ اس کو دیکھ کر اسے لگا اللہ نے واقعی اس بچے کے اندر بھی ایک ''اثر محبت'' پیدا کر دیا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر پیدا کر دیا تھا۔

اس کو پہلی دفعہ ہاسپٹل کے وینٹی لیٹر میں دیکھ کر ہی بیلا کو اس سے محبت ہو گئی تھی اور اس کو لگا وہ بچہ اب اس کی ذمہ داری ہے۔ اسے سنبھالنے میں پورا دن کب گزر جاتا، پتا ہی نہیں چلتا تھا۔

بیلا اپنا ڈپلوما مکمل کر کے اب ایک مونٹیسوری میں جاب کر رہی تھی مگر فی الحال اس نے وہاں سے چھٹیاں لی ہوئی تھیں۔ اس بچے کے ساتھ، دن رات اس کی دیکھ بھال میں وہ اپنا آپ بھی بھول رہی تھی اور یہ چیز انیسہ بیگم کے لیے قابل قبول نہیں تھی۔

ابھی موسیٰ کو ہاسپٹل سے ڈسچارج ہوئے تیسرا ہی دن تھا۔ اول جلول حلیے میں بیلا اس کی فیڈر تیار کر رہی تھی۔ اس نے فیروزی شلوار کے ساتھ کسی دوسرے سوٹ کی پرنٹڈ براؤن قیص پہن رکھی تھی۔ چھوٹے بچے کی وجہ سے اس کے کپڑے اکثر ناپاک ہو جاتے تھے اور اسے نماز کے لیے بار بار تبدیل کرنا پڑتے تھے اور وقت کی کمی کے باعث جو ہاتھ لگتا تھا پہن لیتی تھی۔ گھنگریالے بال الجھے ہوئے اور لاپروائی سے جوڑے کی شکل میں بندھے تھے۔

''پھر تم نے کیا سوچا بیلا۔'' انیسہ بیگم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اس کے حلیے پر ایک ناگوار نظر ڈال کر کہا تھا۔

''کس بارے میں امی؟''

''اس بچے کے بارے میں جو میں نے تم سے کہا تھا۔''

وہ سامنے پڑے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ بیڈ پر موسیٰ سو رہا تھا۔ ساتھ بیلا کی بڑی بہن ثانیہ جو اس ''واقعہ'' کی وجہ سے رہنے کے لیے آئی ہوئی تھی بیٹھی تھی، اس کی دونوں بیٹیاں باہر صحن میں کھیل رہی تھیں۔ انیسہ بیگم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ثانیہ کو اشارہ کیا، وہ جو اپنے موبائل میں کوئی ڈرامہ دیکھ رہی تھی۔ موبائل سائیڈ پر رکھ کر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

''امی! میں آپ کو اپنے فیصلے کے بارے میں بتا چکی ہوں۔ میں موسیٰ کو کسی کو نہیں دے رہی۔ میں اسے اپنے پاس رکھوں گی۔'' بیلا فیڈر سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بیڈ کے کنارے ٹک گئی اور سوتے ہوئے موسیٰ کو دیکھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

''میں نے بھی اس سے رات کو بات کی تھی امی! مگر یہ کچھ سننے پر تیار ہی نہیں ہے۔'' ثانیہ نے کندھے اچکائے۔

''دیکھو بیلا! پوری زندگی پڑی ہے تمہارے سامنے ابھی تمہیں شادی بھی کرنی ہے، میں بوڑھی جان اور ایک بچے کی ذمہ داری بہت ہوتی ہے اگر تم سمجھو تو، وہاں ہاسپٹل میں دو ایک لوگوں سے میری بات ہوئی تھی۔ نرس بھی بتا رہی تھی اگر تم اسے کسی یتیم خانے میں نہیں دے سکتیں تو کسی بے اولاد جوڑے کو۔'' انہوں نے اسے سبھاؤ سے سمجھانا چاہا۔ مگر

''امی...... پلیز...... ذمہ داری بڑی ہے۔ میں جانتی ہوں مگر اللہ اس سے بہت بڑا ہے۔''

''جس نے اللہ پر توکل کیا، وہ اسے کافی ہے۔'' بیلا نے تحمل سے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اچھا صحیح ہے۔ لیکن تم نے سوچا ہے اسے کیسے پالو گی۔ کل کو تمہاری شادی ہو گی پھر کیا کرو گی؟''

ہر ماں کی طرح ان کو بس بیلا کی شادی کی فکر تھی جیسے فقط یہی ان دونوں کی زندگی کا مقصد ہو۔

''میں نہیں پالوں گی امی! اللہ پالے گا، میں صرف ذریعہ بنوں گی۔''

شادی والی بات اس نے جان بوجھ کر نظر انداز کر دی تھی۔ اس کی اس بات پر انیسہ بیگم بالکل چپ ہو گئیں اور ثانیہ کا دل چاہا کہ اپنا سر پیٹ لے۔

''تمہیں پتا ہے، لوگ کتنی باتیں بنائیں گے۔ ایسا بچہ جس کے باپ کا کچھ۔'' ثانیہ نے چاہا کہ بیلا کو ایک بدصورت حقیقت سے آگاہ کرے مگر بیلا نے اس کی بات کاٹ دی۔ اس سے ثانیہ کی بات پوری سنی ہی نہیں گئی تھی۔

''لوگوں کو کون بتائے گا آپی؟'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ایسی باتیں نہیں چھپتیں۔ لوگ......''

''لوگ!!'' بیلا نے استعجاب سے ثانیہ کو دیکھا اس نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی تھی۔

''وہی لوگ ناں آپی، جنہوں نے بھوک، تکلیف اور سردی سے مرتی ہوئی ماہم کو پوچھا تک نہیں تھا۔''

''جس طرح تمہاری وہ سو کالڈ دوست رہ رہی تھی ناں، خود سے دگنی عمر کے اس شخص کے ساتھ، اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر، اسے لوگوں نے کیا ہی پوچھنا تھا بیلا۔''

''آپی! وہ جس طرح رہ رہی تھی ناں اپنے ان سو کالڈ گھر والوں کے ساتھ اگر لوگوں نے اسے وہاں رہتے ہوئے نہیں پوچھا ناں تو ان کا کوئی حق نہیں بنتا تھا اس کے کسی کے بھی ساتھ کسی بھی طرح رہنے پر اعتراض کرنے کا۔''

''تو تم ڈیفنڈ کر رہی ہو اس کا اس طرح رہنا؟''

''فار گاڈ سیک! میں ڈیفنڈ نہیں کر رہی ہوں۔ میں بس یہ کہنا چاہتی ہوں کہ ہم کیوں سوچتے ہیں کہ لوگ کیا سوچتے ہیں، ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ اللہ کیا چاہتا ہے۔ لوگوں کو اپنا آقا کیوں بنا لیا ہے ہم نے اور ان کے غلام کیوں بن گئے ہیں ہم۔ اور لوگوں نے تو انتہائی برگزیدہ شخصیات کو بھی نہیں چھوڑا تھا آپی۔ لوگوں کی کیا بات کرتی ہیں آپ۔

اور ہم بھی جب مر جائیں گے ناں تب بھی لوگوں کو ہم سے زیادہ ہمارے جنازے کی بریانی کھانے کی فکر ہو گی۔ اس لیے ہمیں اپنی قبروں اور آخرت کی فکر کرنی چاہیے اور ان لوگوں کی جو ہمارے ساتھ ایک چھت کے نیچے رہتے ہیں۔ ان کے احساسات، ان کی خواہشات کو پیروں تلے روند کر ہم ان کی فکر کرتے ہیں جو ہمارے پڑوسی ہوتے ہیں۔ ہمارے چچا کے پڑوسی، دوسرے ملک میں بیٹھے ہمارے دور کے رشتہ دار۔ امیزنگ۔''

انیسہ بیگم اس کی اس طرح کی باتوں سے بہت بیزار تھیں۔ وہ غصے سے بولیں۔

''دور کے رشتہ دار نہیں۔ میں نے ثانیہ کی سسرال میں جواب دینا ہے بے وقوف لڑکی۔''

''آپ انہیں جواب دہ کیوں ہیں امی۔ ہم ان کا کھاتے ہیں کیا۔ یا وہ خدا ہیں؟''

انیسہ بیگم اور ثانیہ نے ایک دوسرے کو دیکھا اور ثانیہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی، اسے برا لگا تھا۔

''بہت زیادہ باتیں بنانے لگی ہو بیلا تم۔ اس لیے پڑھایا لکھایا تھا میں نے تمہیں کہ تم ہمارے سروں پر چڑھ کر ناچو۔ جاب کرنے لگی ہو، چار پیسے کمانے لگی ہو تو کیا سمجھتی ہو۔ بہت عقل مند ہو گئی ہو۔'' وہ غصے سے بولتے بولتے کھڑی ہو گئی تھیں۔

''امی! آپ خفا نہ ہوں۔ میں بس یہ کہنے کی کوشش۔''

''بس کرو، بہت سن لیا میں نے اگر تمہیں میں نے آزادی دے دی ہے تو تم نے قسم کھالی ہے کہ ضرور مجھے غلط ثابت کر کے دکھاؤ گی۔''

''ایسا نہیں ہے امی۔'' اس کا صبر جواب دے رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح سب کو سمجھائے۔ جب آپ کا واحد عزیز از جان دوست آپ کے ہاتھوں میں دم توڑ دے تو کیسا لگتا ہے اور پیچھے رہ جانے والے اس کے بچے کو وہ کس طرح کسی اور کے حوالے کر دے۔

"جو بھی ہے۔"
"ٹھیک ہے ہمیں بھی دکھ ہے تمہاری دوست کی موت کا اور بچے کا بھی۔ تو کیا کریں پھر۔ اتنے لوگ یونہی مرجاتے ہیں۔ اتنے بچے لاوارث ہوتے ہیں۔ اب ہم سب کو تو نہیں اٹھا کر نہیں رکھ سکتے ناں۔"
"اگزیکٹلی ہم سب کو نہیں رکھ سکتے۔ مگر اس کو۔"

وہ جذبات سے کہتے ہوئے اٹھی اور سامنے کھڑی اپنے امی کے ہاتھ تھام کر کہنے لگی اس کو لگا کہ بس اب وہ انہیں قائل کر ہی لے گی۔ مگر......
"بحث کرا لو تم سے بس ہر وقت۔" انہوں نے اس کے ہاتھ جھٹکے۔
"اگر تم نے کچھ کرنا ہی ہے ناں اس کے لیے تو قرآن پڑھ پڑھ کر بخشوا سے زیادہ سے زیادہ۔"
"قرآن پڑھتی ہوں امی، اپنے لیے۔ ماہم کے ایصال ثواب کے لیے اس کی طرف سے صدقہ کردیا تھا میں نے، آگے بھی کروں گی ان شاء اللہ دعائے مغفرت بھی کرتی ہوں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ مرچکی ہے اور میں اس کی زندگی میں اس کے لیے کچھ نہیں کرسکی لیکن اب جو زندہ ہیں ان کے لیے جو کرسکتی ہوں وہ ضرور کروں گی تاکہ آنے والے دنوں میں ایک اور گلٹ کے ساتھ جینا نہ پڑے مجھے۔" وہ نظریں جھکا کر ندامت سے بولی۔
"ہم بھی تو زندہ ہیں اور تمہارے اپنے ہی ہیں۔ ایک ہی چھت کے نیچے بھی رہتے ہیں۔ تم ہمارا بھی کچھ سوچ لو۔ بھلے لوگوں کا نہ سوچو۔ ہم نے کیا بگاڑا ہے تمہارا؟"
ان کی برداشت جواب دے چکی تھی اب۔
"آپ کا کب نہیں سوچا میں نے۔ ہمیشہ خیال کیا ہے، اب بھی کروں گی۔ جو کہیں گی وہ کروں گی بس اسے مجھے رکھ لینے دیں آپ، پلیز پلیز میں ریکویسٹ کررہی ہوں آپ سے۔" اس کے لہجے میں بےچارگی گھلنے لگی۔
"ہاں بس شادی نہیں کروں گی۔ اپنی مرضی کی دوستیاں کروں گی۔ ان کے بچے لے کر پالوں گی ہماری مرضی کے خلاف، آگے بچتا ہی کیا ہے ہماری مرضی کا۔ حد ہوگئی ہے۔" وہ متاثر ہوئے بغیر بولی تھیں۔ "بس اسے رکھ لینے دیں، ایسے کہہ رہی ہو جیسے کوئی بلی کا بچہ ہو۔ انسان نہ ہو۔"
"بلی کا بچہ ہوتا تو رکھ لینے دیتیں؟ انسان زیادہ اہم اور مستحق ہوتے ہیں امی۔"
"تو ہم جانور ہیں کیا؟" وہ چلائیں۔ بیلا ڈر گئی۔ سویا ہوا موسیٰ کسمسانے لگا۔
"علاج کرادیا ہے ناں تم نے اس کا۔ ٹھیک ہوگیا ہے۔ اب بس بہت ہوگیا۔ تم دے رہی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں خود دے آؤں گی اس کو کل، سنا تم نے۔" اور وہ یہ کہہ کر کمرے سے نکل گئیں مبادا بیلا آگے سے کچھ اور بولے۔
بیلا لب بھینچ کر آگے کے بارے میں سوچنے لگی اس پر جیسے منوں بوجھ آگرا تھا مگر جونہی اس کی نظر سوتے ہوئے موسیٰ پر پڑی عین اسی وقت موسیٰ زور سے سوتے میں ہنسا تھا۔ اس کے داہنی طرف ڈمپل پڑتا تھا۔ بیلا سب بھول کر موسیٰ کو دیکھنے لگی اسے لگا کسی نے جیسے بوجھ ہلکا کردیا ہو۔ وہ افسردگی سے مسکرا کر اس کو فیڈر پلانے لگی۔
"ہارون اپنا لے گا اسے اس بچے کے ساتھ؟"
انیسہ بیگم کمرے سے نکل کر صحن میں ثانیہ کے پاس گئیں تو ثانیہ، جو موڑھے پر بیٹھ کر جاتے دسمبر کی دھوپ میں اپنی چھوٹی بیٹی کے کنگھا کررہی تھی کہنے لگی۔
انیسہ بیگم ثانیہ کو دیکھنے لگیں۔
"ہارون!!"

☆☆☆

بیلا کو اپنے جذبات اور خواہشات میں توازن رکھنا آتا تھا۔
محبت بڑی ظالم چیز ہوتی ہے۔ یہ جب کسی انسان کا انتخاب کرلے تو اسے رگڑ ڈالتی ہے۔ اور یہ وقت بیلا پر بھی آیا مگر اس نے کمال مہارت سے اس

وقت کو بھی "ڈیل" کر لیا۔
بیلا بھی اندر ہی اندر محبت کی آنچ پر سلگتی رہی اور اپنے روز مرہ کے امور اوپر اوپر سے بظاہر پورے اطمینان کے ساتھ انجام دیتی رہی یہاں تک کہ اپنے قاتل ہارون کو بھی پتا نہیں لگنے دیا جب تک کہ اس نے خود سے کھوج نہ لیا اور یہ محبت کا وار اس پر اس وقت ہوا تھا جب وہ عالیان کے گھر کے لان میں بچوں کو پڑھانے کے بعد اپنی فیس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ اور ہارون اس کے بالکل سامنے اور تب ہی مسز شمیم آرا اپنی چھوٹی بہن کے ہمراہ اسے فیس کے پیسے دینے کے لیے آئیں اور انہیں ساتھ بیٹھا دیکھ کر جو کچھ انہوں نے اپنی بہن سے با آواز بلند کہا اس نے بیلا اور ہارون دونوں کے ہوش اڑا دیے تھے۔
وہ دونوں ایک ساتھ کھڑے ہوئے تھے اور تب ہی بیلا نے ہارون کو دیکھا۔ دونوں کی نظریں ملیں اور ہارون کی آنکھوں میں ایسا کچھ تھا کہ ایک لمحے کو سب دھندلا گیا۔
سفید بوگن ویلیا کی بیل پر اڑتی تتلیاں۔ بادام اور نیم کے درختوں پر بیٹھی چڑیوں کی چہچہاہٹ۔ مسز شمیم آرا کے زہر آلود جملوں کی بازگشت ۔ بس باقی رہ گیا تو ہارون کی کانچ جیسی شفاف اور معصوم آنکھوں کا وہ تاثر جس میں اس وقت بیلا سے محبت اس کو پانے سے پہلے ہی کھو دینے کا خوف اور اپنی بھابھی کے کہے جملوں کی جھنک سب کچھ بیک وقت پانی بن کر تیر رہا تھا۔
ہارون نے بے اختیار اپنے بائیں ہاتھ کی مٹھی بنا کر اپنے لبوں پر رکھی تھی اس کی آنکھیں پوری کھل گئی تھیں۔ کہتے ہیں، محبت کا کوئی ایک خاص لمحہ ہوتا ہے جس میں محبت اپنا وار کر دیتی ہے یہ۔ وہی لمحہ تھا اگلے لمحے جب شمیم آراہ اور ان کی بہن ان کے قریب آئیں تب تک بیلا اس لمحے کے فسوں میں تھی۔ شمیم آرا نے کیا کہا اور پھر ہارون نے ان کو کیا جواب دیا وہ صرف دیکھ رہی تھی، الفاظ اس کے کانوں سے ٹکرا رہے تھے مگر وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی بس اسے اتنا اندازہ تھا کہ ہارون اس کے حق میں بول رہا ہے۔ اور پھر جب شمیم آرا نے ہنوز مسکراتے ہوئے فیس کے ہزار ہزار کے آٹھ نوٹ بغیر لفافے کے اس کی طرف بڑھائے تو وہ جیسے چونک سی گئی۔
اس نے ان کے ہاتھ میں کاغذ کے ان ٹکڑوں کو دیکھا۔ وہ آٹھ کاغذ کے ٹکڑے جن کی خاطر وہ دو بسیں بدل کر اور بہت سا پیدل چل کر یہاں تک آتی تھی اور پوری ایمان داری سے ڈھائی گھنٹے ان دو چھوٹے بچوں کو پڑھاتی تھی۔ اس کی محنت اور ایمان داری ان دونوں بچوں کے رزلٹ میں جھلکتی بھی تھی، یہ اس کے حق حلال کے پیسے تھے مگر اس نے وہ نہیں لیے تھے۔
اس نے شمیم آرا کو بس ایک نظر دیکھا تھا تاسف اور مایوسی سے جیسے کہہ رہی ہو۔
"بس اتنی چھوٹی سوچ۔" اور پھر سر جھٹک کر ہارون کو دوبارہ دیکھنے کی غلطی کیے بغیر وہاں سے چلی آئی تھی۔
پھر اس رات وہ سو نہیں سکی تھی اور اس کے بعد بھی بہت ساری راتیں وہ ٹھیک سے سو نہیں سکی تھی۔ اس کو لگتا تھا کہ محبت دنیا کا فضول ترین کام ہے جو بے کار لوگ ہی کرتے ہیں۔ اس نے اس کو خود پر سوار ہونے نہیں دیا تھا اور دن رات کے چکر میں خود کو مصروف کر لیا تھا۔
اور پھر بہت سارے دن یونہی گزر گئے۔ اس نے اپنا ڈپلوما مکمل کر لیا۔ اور فوراً ہی اسے ایک مونٹیسوری میں جاب مل گئی اور ابھی اسے وہاں جاتے ہوئے زیادہ دن نہیں ہوئے تھے کہ ایک شام چھٹی کے وقت اسے پارکنگ ایریا میں ہارون اپنی گاڑی سے ٹیک لگائے انتظار کرتا نظر آیا۔
اس نے فوراً سر جھٹک کر آگے بڑھ جانا چاہا تھا۔ کیا پتا وہ یہاں کسی اور سے ملنے آیا ہو۔ اس نے خود کو سمجھایا مگر ہارون نے اسے آواز دی، بیلا نے مڑ کر دیکھا تو اس کی آنکھوں کی قندیلیں بجھی ہوئی تھیں اور بیلا نے ان آنکھوں میں لکھی ہوئی واضح شکست پڑھ لی تھی۔ بیلا کی آنکھیں اس کے دل کے حال کی

چھپی کھڑی ہیں۔
چاہتی تھی کہ ہارون کے سامنے ٹوٹ کر بکھرے، خاموشی کے کئی لمحے ان کے درمیان آکر گزر گئے۔

"مجھے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔" ہارون نے آہستہ سے کہا۔ بیلا نے نظریں اٹھائیں اور پھر جھکالیں۔ بیلا کا یوں اس سے نظریں چرانا اس کے دل کا سارا حال کہہ رہا تھا۔ وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے باہر تک آئے۔

"تو...... بیلا سوان۔" ہارون نے جان بوجھ کر کہا تھا بیلا نے اپنی چھوٹی سی ناک چڑھائی۔

"بیلا اشفاق"

ویسے بھی مجھے ٹوائی لائیٹ سیریز پسند نہیں ہیں۔"

بس اسٹاپ پر کھڑے۔ وہ دونوں ہی اس عجیب سی صورت حال سے نکلنا چاہتے تھے جو ان کے درمیان آگئی تھی اور کامیابی سے نکل آئے تھے۔

"تو مجھے کون سا عشق ہے اس سے۔ ہاں ٹین ایج میں اچھی لگتی تھی کی رومینٹک سی۔"

"ویسے تم کہہ سکتی ہو کہ میں بیلا سے محبت کرتا ہوں۔" اور بیلا نے بے اختیار اس کو دیکھا تھا۔

"میرا مطلب ہے کرسٹین اسٹوارٹ" اس نے بات گھمائی۔

"تو اسی کے پاس جاؤ۔"

"وہ تو پہنچ سے باہر ہے۔ ہاں وہ تمہاری دوست ہے ناں۔ ایک دن تمہارے گھر کے باہر دیکھا تھا میں نے اسے۔ وہ ملتی ہے اس سے۔ بہت کیوٹ تھی یار۔ کیا نام ہے اس کا؟"

"ماہم۔ نمبر دوں اس کا۔"

"پلیز دو ناں۔"

بیلا نے اسے ٹیڑھی نظروں سے دیکھا اور بے اختیار مسکرادی۔

اس کی بس آگئی تھی۔ وہ مزید کچھ کہے بغیر بس میں چڑھ گئی اور ہارون اپنا نچلا لب دانتوں سے چباتا ہوا اس کی بس کو دور جاتا ہوا دیکھتا رہا۔

☆☆☆

اور پھر وہ دونوں ایک ان کہی سی کمٹمنٹ میں بندھ گئے بغیر کسی لمبے چوڑے قول وقرار اور عہد و پیمان کیے۔ بیلا نے اپنی ایتھکس اور ویلیوز پر کوئی سمجھوتا نہیں کیا تھا۔ ان کا تعلق بھی کوئی روایتی یا رومانوی نہیں تھا۔ نہ ہی باہر ملاقاتیں، نہ ہی کالز پر لمبی لمبی عامیانہ باتیں۔ بس کبھی کبھی ادھر ادھر کی رسمی باتیں یا غیر سنجیدہ سی کوئی گفتگو۔

مہینہ دو مہینہ بعد اس کے گھر ملنے آجاتا تھا ہمیشہ کچھ نہ کچھ عام سا لے کر۔ کیونکہ وہ جانتا تھا اگر قیمتی لے کر آیا تو بیلا لے گی نہیں اور خالی ہاتھ آنا اسے اچھا نہیں لگتا تھا اسی لیے کبھی گول گپے، آئس کریم، کبھی چاکلیٹ، کوئی کتاب یا پھر کوئی کی چین لے کر۔ خجالت سے سر کھجاتا ہوا۔ اپنے آنے کا کوئی گھسا پٹا سا بہانا بنا کر۔

انیسہ بیگم اگرچہ کوئی بہت آزاد خیال نہیں تھیں اور ہارون کے اس طرح ان کے گھر آنے کے مقصد کو اچھی طرح سمجھتی تھیں۔ بدلتے زمانے کا رخ، ہارون کی آمد پر بیلا کا خاموش اپروول اور سنجیدہ نگاہوں سے جھلکتی اس کے لیے پسندیدگی اور سب سے بڑھ کر ہارون کی جھکی نگاہوں سے ٹپکتی شرافت۔

وہ ان کے سامنے بیلا کو نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا تھا۔ بیلا سے زیادہ ان سے باتیں کرتا تھا۔ اکثر تو وہ بیلا سے ایک بھی بات کیے بنا واپس چلا جاتا تھا۔ اور ہمیشہ کا مددگار اور ساتھ دینے والا بندہ۔ جب بھی آتا پوچھتا ضرور تھا۔ آنٹی کوئی کام ہو تو ضرور بتائیے گا یا میرے لائق کوئی خدمت۔ اور وقت پر خدمت کر بھی دیتا۔

ایک دفعہ ان کی پانی کی موٹر خراب تھی کرائے دار پریشان بیلا جس پلمبر کو ہمیشہ بلاتی تھی وہ عید کی چھٹیوں پر اپنے گاؤں گیا ہوا تھا۔ پھر ہارون آگیا۔ اور ان کے لاکھ منع کرنے پر بھی جھٹ پٹ پلمبر کو بلا کر موٹر ٹھیک کرادی۔

اور جب وہ آستینیں کہنیوں تک فولڈ کیے ایک

بچہ موڑے زمین پر پلمبر کے ساتھ بیٹھا اسے ٹولز پکڑاتے ہوئے اس سے دھیمی آواز میں باتیں کررہا تھا۔ اس کی جینز، اور ہاتھ پانی اور گریس سے گندے ہو چکے تھے تب بیلا سیڑھیوں پر بیٹھی سیاہ شال اوڑھے گال ہاتھ پہ ٹکائے محویت سے اسے دیکھ رہی تھی اور یہ منظر اوپر کھڑی انیسہ بیگم نے سامنے صحن میں کھڑے کرائے داروں کے انکل آنٹی اور آسمان پر اڑتے پرندوں نے ساتھ مل کر دیکھا پھر سب خاموش نگاہوں کا تبادلہ کرکے بنا کچھ کہے اپنے اپنے کام دھندوں پر لگ گئے۔

وہ خواتین جو عرصے سے کسی مرد کے بغیر زندگی گزارتی چلی آرہی تھیں، انہیں ہارون جیسا بندہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے کی طرح لگتا تھا جو بیلا سے شادی کرنا چاہتا تھا۔۔ ہارون نے اگرچہ ان سے شادی کی کوئی ڈائریکٹ بات نہیں کی تھی بس اس کی فیوچر پلاننگ میں وہ اس کے ساتھ ہوتی تھی ہر جگہ۔

''ہم ورلڈ ٹور پر چلیں گے۔نہیں بلکہ سب سے پہلے عمرہ کریں گے۔''

''ہم پہاڑوں پر اپنا گھر بنائیں گے جہاں سورج سب سے پہلے نکلتا ہے اور سبزندی میں ڈوب جاتا ہے۔ ساتھ اپنا کیٹل فارم، جہاں بکریاں، مرغیاں اور گائے پالیں گے۔شہر کی افراتفری اور مادیت پسندی سے دور، تم بکریوں کا دودھ دوہنا۔صبح صبح فجر کی نماز پڑھ کر سفید چادر سر سے اوڑھے دودھ دوہتی ہوئی کیسی لگو گی تم اور میں پیا کروں گا فریش دودھ۔''

وہ ہونق منہ بنا کر اس کو دیکھتی۔

''میں ایک ٹرسٹ بناؤں گا۔ ایک آرگنائزیشن جہاں سارے بھکاریوں کو اٹھا کر بھر دوں گا جو بلاوجہ مانگتے ہیں کتنے زیادہ ہیں ناں۔ وہاں ان سے ان کی صلاحیت کے مطابق کام کرواؤں گا اور انہیں مختلف ہنر سکھائے جائیں گے اور اس کے بدلے انہیں رہائش اور کھانا ملے گا۔ملک کی معیشت بھی بڑھے گی۔کمال آئیڈیا ہے ناں۔کیا خیال ہے۔

ہم دونوں مل کر ہینڈل کریں گے سب؟'' وہ اس سے پوچھتا تو وہ نفی میں سر ہلا دیتی۔

''آئیڈیا اچھا ہے۔مگر وہ کام کریں گے۔نہیں کرنا چاہتے تو مانگتے ہی کیوں۔اور ان کا خاندان ہوتا ہے پیچھے۔''

''تو اس خاندان کو بھی رکھ لیں گے وہاں۔''

''اچھا اور مافیا کرنے دے گا تمہیں یہ سب؟''

''کون سا مافیا؟''

''جوان کے پیچھے ہوتا ہے۔ نیٹ ورک ہوتا ہے ان کا۔''

''اچھا!! کون سا نیٹ ورک؟'' وہ ہونٹ کا کونا دانتوں میں دبا کر مسکراہٹ روکتا اور مصنوعی حیرت سے پوچھتا۔

''پتا نہیں۔'' وہ سر جھٹکتی۔

اسی طرح کی بہت سی لایعنی باتیں۔ پلاننگ جس میں وہ ہمیشہ اس کے ساتھ ہوتی تھی۔

کبھی کبھی انیسہ بیگم سوچتیں کہ ہارون اگر اتنا ہی سنجیدہ ہے تو اپنے گھر والوں کو کیوں نہیں بھیجتا رشتہ لے کر۔اور کہیں نہ کہیں ہارون ان کی یہ سوچیں پڑھ لیتا تھا اور دل ہی دل میں کلٹی ہو جایا کرتا تھا۔حقیقت میں وہ اپنے والدین سے بیلا سے شادی کی بات بہت پہلے ہی کر چکا تھا اور وہ طبقاتی فرق ہونے کی وجہ سے صاف انکار کر چکے تھے۔

جس پسماندہ علاقے میں بیلا رہتی تھی، شادی تو دور کی بات اس علاقے میں اس کے گھر والے جانے کا بھی سوچ نہیں سکتے تھے۔مزدور طبقے کے اس علاقے سے عورتیں اور مرد ان کی اعلا سوسائٹی میں میڈ، ڈرائیور، بے بی سٹر، وغیرہ کی جاب کے لیے جاتے تھے۔ اس علاقے میں جہاں جابجا کچرے کے ڈھیر اور سیوریج کے پانی کے سیلاب کھڑے تھے جس کے دور مین روڈ سے کار میں بھی وہ لوگ ناک بھوں چڑھا کر گزرے تھے۔

بھلا ایسے علاقے کے چھوٹے سے گھر کی لڑکی وہ کیوں کر بیاہ کر اپنے گھر لاسکتے تھے۔ہاں اگر بیلا کی

امی کسی ذرا بہتر علاقے میں ذرا "بہتر گھر" لے لیتیں تب معاملات ہارون کے حق میں ہو سکتے تھے اور یہ بات ہارون ذرا مناسب الفاظ میں بیلا کی امی سے کئی بار کر چکا تھا کہ آپ کسی اچھے علاقے میں گھر لے لیں۔ میں آپ کی مدد کر دیتا ہوں ایک اچھا گھر ڈھونڈنے اور اس گھر کو بکوانے میں۔ پر ان کی اپنی ہی وجوہات کی طویل لسٹ تھی۔

کیوں؟

"کیونکہ یہاں لوگ مناسب نہیں ہیں۔ سیوریج سسٹم ٹھیک نہیں ہے اور نہ ہی اگلے سو سال تک ٹھیک ہو سکتا ہے۔"

مگر انیسہ بیگم کے پاس بھی کئی ایک وزنی جواز تھے۔

"یہاں سب جاننے والے ہیں۔"

"کرائے دار اچھے ہیں۔"

"ثانیہ کا سسرال پاس میں ہے اسے آسانی رہتی ہے۔"

"یہ گھر بیلا کے مرحوم والد نے اپنے ہاتھوں سے بنوایا تھا ان کی یادگار ہے۔" پھر نئے علاقے میں، نئے لوگوں میں دو "اکیلی" عورتیں کیسے رہیں گی اور اور......"

ہارون آنکھیں پھیلائے ان کی وجوہات کی فہرست سنتا اور اس کے ذہن میں وہ منظر گڈمڈ ہونے لگتا جب ایک "چھوٹے گھر" کی لڑکی سے شادی پر اس کے ماں باپ اس کو اعتراضات گنوا رہے تھے اور وہ آنکھیں سکیڑے سن رہا تھا۔

"وہ چھوٹے گھر کی لڑکی، ہماری میڈ کے گھر کی دیوار ملی ہے اس کے گھر سے اور اس کا شوہر کباڑی کا ٹھیلہ لگاتا ہے اسی نے ریفر کیا تھا اسے "گرل فرینڈ" کو تمیرا (شمیم آرا) کے بچوں کو ٹیوشن دینے کے لیے اب تم خود سوچو کس علاقے کس لیول کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو تم۔" اس کی ماں نے فیشن میگزین کی ورق گردانی کرتے ہوئے تحمل سے کہا تھا۔

"ان سب باتوں سے کوئی کمتر یا برتر نہیں ہو جاتا۔ وہ بھی ہم جیسے انسان ہیں۔" ہارون نے اپنے تئیں بڑی دانائی کی بات کی تھی۔ اس کی اس بات پر یوں مسکرائی تھیں جیسے کلاس کے سب سے کیوٹ بچے کی کسی معصوم سی بات پر ٹیچر مسکراتی ہے۔ انہوں نے میگزین ایک طرف رکھ دیا اور اس کو غور سے دیکھتے ہوئے کہنے لگیں۔

"بات انسانوں کی نہیں ہو رہی بات تو مینٹل لیول اور سوچ کی ہے۔ ایسے چھوٹے گھروں کی لڑکیاں ہمارے سرکل میں گھس تو جاتی ہیں مگر ایڈجسٹ نہیں ہو پاتیں۔ وہی ان کی چھوٹی سوچ، ان کو ایڈجسٹ ہونے ہی نہیں دیتی ناں۔ تمہارے جیسے بہت مجنوں ہوتے ہیں جن پر یہ محبت کا بھوت سوار ہوتا ہے مگر شادی کے کچھ ہی عرصے بعد عقل ٹھکانے پر آجاتی ہے۔ ہمارا تجربہ ہے بچے۔"

"صحیح کہہ رہی ہیں تمہاری مام!" اس کے ڈیڈ نے کہا تھا جو اتنی دیر سے خاموشی سے بظاہر اپنے موبائل پر اسکرولنگ کرتے ہوئے انہیں سن رہے تھے۔

"تمہیں اگر وہ اتنی ہی بھا گئی ہے تو رکھو ساتھ، برت لو، سال دو سال، شادی کا ڈھول گلے میں ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔ اچھا ہے اس عرصے میں آنکھیں کھل جائیں گی تمہاری۔" اور اس کی آنکھیں واقعی کھل گئی تھیں ان کی اس بات پر۔

"اچھا تم اس سے شادی کیوں کرنا چاہتے ہو؟" بیٹے کی سنجیدگی دیکھتے ہوئے انہوں نے پوچھا۔ تب ہی اس نے کہا۔

"کیونکہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اس لیے بھی کہ اس میں وہ ساری کوالٹیز ہیں جو ایک اچھی بیوی اور ماں میں ہونی چاہئیں۔"

"اچھی ماں!" اس کی مام نے استعجاب سے ابرو اٹھائے۔

"ہاں، میرے ہونے والے بچوں کا مجھ پر یہ حق ہے کہ میں ان کے لیے ایک اچھی ماں تلاش کروں جو ان کی اچھی تربیت کر سکے۔"

وہ بے اختیار ہنسی تھیں اور ڈیڈ نے اسے گھورا تھا۔

''ہنسنے کی بات نہیں ہے ممی ——— ہمیں اپنی آنے والی نسلوں کا سوچنا چاہیے جو ایک معاشرہ بنائیں بہتر ماں، بہتر نسل، بہتر معاشرہ، ایک ذمہ داری ہے کوئی مذاق نہیں ہے۔ ہماری نسلیں تباہ و برباد ہو رہی ہیں، وہ ڈپریشن کا شکار ہیں یا پھر عشق کا۔''

''تو عشق کا تو آپ بھی شکار ہیں بچے۔'' انہوں نے ٹانگ پر ٹانگ رکھے اطمینان اور دلچسپی سے کہا تھا۔

''ہاں مگر میری محبت اندھی نہیں ہے۔''

''سب کو یہی لگتا ہے۔'' ڈیڈ اب بور ہونے لگے تھے اس بحث سے۔

''اور کیا تمہارے ڈیڈ کی چوائس غلط تھی۔ کیا ہماری تربیت اچھی نہیں ہے۔ تم تباہ و برباد تو نہیں ہوئے ناں؟''

''نہیں، بہت اچھی چوائس تھی۔ بہت اچھی تربیت ہے تب ہی میں اچھا سوچ رہا ہوں۔ اور ڈیڈ کی طرح مجھے بھی پورا حق ہے کہ میں اپنی زندگی کے متعلق فیصلہ لے سکوں۔''

''چاہے تم غلط ہی فیصلہ کیوں نہ لے رہے رہو۔'' مام نے کہا۔

''میں صرف اپنا بیسٹ کر سکتا ہوں۔ باقی اللہ مالک ہے۔''

''جو تمہارے نزدیک بیسٹ ہے، وہ ہمارے نزدیک بدترین ہے۔ کیسے پتا تمہیں کہ یہ بیسٹ ہے ہاں۔ کیسے پتا تمہیں کہ وہ تمہارے ہونے والے بچوں کی اچھی ماں ثابت ہو سکتی ہے۔ کیونکہ ایسا اس نے خود کہا ہے؟'' ڈیڈ کے لہجے میں تنفر تھا۔

''استغفر اللہ۔ ایسا نہیں ہے۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''پھر کیا ہے؟''

''بس......اس کی وضاحت تو مشکل ہے بس اس کو دیکھ کر اللہ کی یاد آتی ہے مام، ایمان تازہ ہوتا ہے۔'' اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

''واٹ؟'' مام کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

اور پھر بہت دیر بعد جب وہ ان سے ایک لاحاصل بحث کر کے جانے لگا تو اس کی مام کی تشویش میں ڈوبی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

''وہ اس کا مکمل برین واش کر چکی ہے۔ ہمیں اس مسئلے پر سنجیدگی سے کچھ کرنا پڑے گا۔''

اور اس کو لگا یہ مشن کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اور پھر اس نے صرف ایک ہی دفعہ بیلا سے اس بارے میں بات کی تھی اور بری طرح پچھتایا تھا۔ بیلا سمجھ گئی تھی کہ وہ اسے گھر بدل کر کسی بہتر علاقے میں لینے کا کیوں کہہ رہا ہے۔

اسے اتوار کے دن کی فرصت میسر تھی۔ وہ اپنے من پسند شارٹس اور ٹی شرٹ میں ملبوس کوزی کاؤچ میں دھنسا ٹی وی دیکھتا ہوا بیلا سے میسجز پر بات کر رہا تھا۔

''پلیز ہارون۔ قرآن میں اللہ نے کئی جگہ پر فرمایا ہے کہ اللہ جس کی چاہے روزی فراخ کرتا ہے۔ یہ اللہ کی تقسیم ہے۔ مگر اسٹیٹس اور خاص طور پر اپنے گھروں کو غرور کا ذریعہ سمجھنا اور انہیں اتنا عالیشان بنا لینا کہ جیسے ہمیشہ انہیں اس میں رہنا ہے اور جن میں رہ کر چھوٹے گھروں اور چھوٹے علاقوں کے لوگ کیڑے مکوڑے لگنے لگیں، غلط ہے۔ اگر میں کسی اچھے علاقے کے بڑے سے گھر میں رہوں تو تمہارے گھر والوں کے لیے قابل قبول ہوں اور اگر اس طرح کے چھوٹے علاقے کے چھوٹے سے گھر میں رہوں جس میں لاکھوں کا قیمتی فرنیچر نہ ہو تو وہ مجھے کبھی قبول نہیں کریں گے۔''

ہارون کے پاس کوئی جواب نہیں تھا مگر اس نے بات بنانے کی کوشش کی تھی پھر۔

''بیلا! یہ باتیں جو تم کر رہی ہو۔ کوئی بھی نہیں سمجھتا نہ ہی میں اور تم سمجھا سکتے ہیں کیونکہ کوئی سمجھنا چاہتا ہی نہیں ہے۔ جو دنیا کے طور طریقے ہیں۔ تم ان

ہے۔"

"ہارون فار گاڈ سیک ایک تو ہر کوئی مجھے دنیا کے طور طریقے اور رسم و رواج سکھانا چاہتا ہے۔ لیکن اس سے غلط صحیح نہیں ہو جاتا۔"

ہارون نے ایک گہرا سانس لیا۔ "تم ٹھیک کہہ رہی ہو بالکل۔ مگر مجھے بتاؤ، میں کیا کروں اب۔ مام ڈیڈ کو یہ سب باتیں جو تم کر رہی ہو کہوں گا تو وہ کچھ کھینچ کر ماریں گے میرے سر پر اور میرا سر پھاڑ دیں گے۔" بیلا جب چاپ سنتی رہی تو وہ پھر گویا ہوا۔

"وہ کبھی نہیں مانیں گے یار! تمہیں کیا لگتا ہے کہ میں اتنے عرصے سے کوشش نہیں کر رہا۔"

"اس علاقے میں بھی انسان ہی رہتے ہیں ہارون۔ یقین کرو۔"

"اب تم مجھے شرمندہ کر رہی ہو بیلا۔ میں نے ایسا کب کہا ہے۔ اور تم جانتی ہو، یہ سب میرے لیے اہم نہیں ہے۔ مگر میں مام ڈیڈ اور اس معاشرے کا کیا کروں، یار میں مام ڈیڈ سے بغاوت نہیں کر سکتا۔ میں انہیں ناراض کر کے اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کیسے۔"

"ہاورن آئی ایم سوری۔" بیلا نے اس کی بات کاٹی۔

"اگر تم لوگوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق کسی کو جانچنے کا معیار تقویٰ نہیں ہے تو میری طرف سے ویسے بھی انکار ہے۔ میں کسی ایسی جگہ شادی نہیں کر سکتی جہاں میرا گھر، میرا علاقہ مجھ سے زیادہ اہم ہو۔"

بیلا نے دھیمے لہجے میں کہا تھا اور ہارون کے جواب کا انتظار کیے بنا ہی کال کاٹ دی تھی۔ ہارون ایک ہاتھ سے فون پکڑے دوسرا ہاتھ اپنے کرلی بالوں میں پھیرتا جہاں بہت زیادہ پریشان ہو گیا تھا وہیں وہ بیلا سے اس قدر متاثر ہو رہا تھا کہ اس کا دل کر رہا تھا کہ اسی وقت اڑ کر۔ بیلا کے پاس جائے اور اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے زندگی بھر کے لیے اس کا مرید بن جائے۔

اس کا فیصلہ کہ شادی کروں گا تو صرف بیلا سے، اس بات چیت کے بعد مزید پختہ ہو گیا تھا۔

اور پھر ماہم کی موت کا حادثہ ہو گیا اور بیلا اس کا بچہ اڈاپٹ کرنے پر بضد۔ وہ بچہ جس کے باپ کا کچھ اتا پتا نہیں تھا اور ہارون جو کسی معجزے کے انتظار میں بیٹھا تھا بیلا کے اس فیصلے کے بعد اسے بیلا سے اپنی شادی ناممکنات میں سے نظر آنے لگی۔

بیلا نے موسیٰ کے معاملے میں کسی کی نہیں سنی تھی اور سب کے اختلاف کے باوجود اس نے موسیٰ کو اپنے پاس رکھا تھا پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب ہی حالات کے ساتھ ایڈجسٹ ہوتے گئے۔ بیلا کی مونیٹسوری سے لی گئی چھٹیاں ختم ہو گئیں۔ وہ مونیٹسوری جانے لگی اور اہیمہ بیگم کو بھی موسیٰ کی عادت سی پڑ گئی۔ وہ بہت سمجھ دار بچہ تھا اسے پالنا ان دونوں کے لیے بہت مشکل ثابت نہیں ہوا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کا تکون مضبوط ہوتا چلا گیا۔ بیلا موسیٰ اور اہیمہ بیگم کا تکون۔

☆☆☆

زندگی تلخ سہی، زہر ہلا ہل ہی سہی
حلق سے پھر بھی ہر اک گھونٹ اتر جاتا ہے
وقت آماج گہہ شورش پیہم ہے مگر
کتنا چپ چاپ دبے پاؤں گزر جاتا ہے

وہ ویسا ہی ایک بھیگا دسمبر تھا جب وہ گلابی ٹراؤزر گلابی ڈھیلی سی لانگ شرٹ پر سفید گھٹنوں تک آتا لانگ کوٹ اور سر پر ہم رنگ گلابی دوپٹا اسکارف کی طرح اچھے سے لپیٹے مونیٹسوری سے نکل رہی تھی۔ ہینڈ بیگ سے اس نے گاڑی کی چابی اور موبائل نکالا اور گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی اسٹارٹ کرنے سے پہلے اپنا موبائل چیک کیا، ہارون کی پانچ مس کالز آئی ہوئی تھیں۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر دوپٹے کے اندر سے ایر پوڈز لگائے اور ہارون کو کال ملا کر گاڑی اسٹارٹ کرنے لگی، ہارون نے فوراً ہی کال ریسیو کر لی تھی۔

"السلام علیکم ...... کیسے ہو؟"

"الحمدللہ ...... ہاں ٹھیک۔ وہ بھی ٹھیک الحمدللہ،

جرمنی سے کب آئے۔ ہم اوکے......ہاں۔"

"ٹھیک ہے میں بعد میں بات کرتی ہوں تم سے، اللہ حافظ۔"

چالیس سیکنڈ کے اندر اس نے بات ختم کر کے گاڑی مین روڈ پر ڈال دی۔ راستے میں رک کر اس نے موسیٰ کے لیے پھل اور کچھ کتابیں اور کلر پینسلز وغیرہ لیں۔ وہ اکثر اس کے لیے کچھ نہ کچھ لے کر گھر جاتی تھی۔ بیلا فی الحال اس کی ہوم اسکولنگ کرا رہی تھی۔

ایک عربی ٹیچر اس کو گھر پر آ کر عربی زبان سکھا رہا تھا۔ وہ گھر پہنچی تو موسیٰ ہمیشہ کی طرح بھاگتا ہوا آ کر اس کے گلے لگ گیا۔

اس نے موسیٰ کے ہاتھ میں کتابوں کا بیگ پکڑایا تو وہ خوشی سے اچھلنے لگا۔ پھر کچھ یاد آنے پر کہنے لگا۔

"گیس کریں، موسیٰ کو آج ٹیچر نے کیا دیا؟"

"آں...... اسائمنٹ" بیلا کوٹ اور دوپٹا اتار کر صحن میں لگے واش بیسن میں منہ دھوتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔" وہ اس کے بالکل پیچھے کھڑا اچھل رہا تھا۔ امی کچن میں کھانا دیکھ رہی تھیں۔

"پنشمنٹ (سزا)"

"نو۔" وہ خفگی سے چلایا۔

"اچھا...... پھر، ہم مم...... آئس کریم"

"نو۔"

"ڈائنوسار"

"ہاہا...... نہیں۔" وہ ہنسا اور بیلا مسکرائی۔ اس کی ہنسی تھی ہی اتنی پیاری کہ بیلا اسے ہنسانے کے بہانے ڈھونڈتی تھی، خود کو خوش رکھنے کے لیے۔ اس نے موسیٰ کو جنم نہیں دیا تھا مگر وہ اس کی ماں تھی۔

"نجم" (اسٹار) اس نے اپنی ہتھیلی بیلا کے سامنے کی جس پر گولڈ مارکر سے اسٹار بنا ہوا تھا۔ بیلا نے ایک نظر اس کی گلابی ہتھیلی پر ڈالی پھر الگنی پر پھیلے تولیے سے ہاتھ خشک کر کے اس کو گود میں اٹھا لیا۔

"ارے واہ! میرے شیر کو آج پھر اسٹار ملا ہے۔" اس نے اس کے گال چومتے ہوئے کہا۔

"جی۔"

"یو نو آنس مائی برتھ ڈے منتھ؟ مجھے دو گفٹ چاہئیں۔" موسیٰ نے ہاتھ اٹھا کر دو انگلیاں کھڑی کر کے بیلا کو دکھائیں۔

"آپ کو تین گفٹ ملیں گے بس۔" اس نے موسیٰ کو اتارا اور کچن میں جا کر امی کی مدد کرنے لگی۔

"واؤ" اس نے خوشی سے نعرہ لگایا۔ پھر وہ تینوں زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھانے لگے۔

☆☆☆

چند دن بعد بیلا موسیٰ کو اپنے علاقے کے ایک پارک میں لے آئی، اس کی چوتھی سالگرہ منانے وہاں ہارون بھی مدعو تھا ہارون کے اگرچہ اب بیلا سے مراسم نہ ہونے کے برابر تھے۔

ان گزرے ماہ و سال نے ہارون کو سنجیدہ اور کم گو کر دیا تھا۔ وہ زیادہ تر سفر میں رہتا تھا۔ دنیا کے مختلف ممالک گھومتا رہتا، اپنے گھر بھی کم کم ہی جاتا تھا۔

اتنے سالوں میں اس کے ماں باپ شاید اس کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال ہی دیتے اگر موسیٰ بیچ میں نہ آیا ہوتا۔ ہارون بیلا کو موسیٰ کے ساتھ بھی اپنانے کو تیار تھا۔ موسیٰ تھا ہی اتنا پیارا بچہ اور اس کی موسیٰ سے اچھی انڈر اسٹینڈنگ بھی تھی مگر درمیان میں پھر وہی ظالم سماج آ جاتا تھا۔

بیلا کے اس عرصے میں کئی ایک اچھے رشتے آئے تھے مگر بیلا ہر کسی کے سامنے اپنے گود لیے بیٹے کو ساتھ رکھنے کی شرط رکھ دیتی تھی اور ظاہر ہے اس شرط کو سن کر کوئی بھی پلٹ کر واپس نہیں آتا تھا۔

انیسہ بیگم کو اس کی بڑھتی عمر کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ مگر بیلا ایک ایسی کمٹ منٹ نبھا رہی تھی جو ماہم سے اس نے کبھی کی ہی نہیں تھی۔ اس نے اپنی تنخواہ اور کمیٹیوں کے پیسے جوڑ کر ایک چھوٹی سی سیکنڈ ہینڈ گاڑی بھی لے لی تھی تا کہ اسے موسیٰ کے ساتھ بسوں

میں دھکے نہ کھانے پڑیں۔ موسیٰ کے لیے اس نے اپنے خرچے بہت محدود کرلیے تھے، اس کی زندگی موسیٰ سے شروع ہوکر موسیٰ پر ختم ہوجاتی تھی۔

پارک میں ایک چھوٹا سا چاکلیٹ کیک کاٹ کر بیلا نے اس کے آگے تین گفٹس رکھے تو وہ خوشی سے تالیاں بجانے لگا۔ ہارون بھی اس کے لیے گفٹس لایا تھا وہ ویسے بھی جب بھی کسی ملک سے ہوکر آتا تو ان دونوں کے لیے گفٹس ضرور لاتا تھا۔

''پانچ سال گزر گئے ہارون! پتا بھی نہیں چلا۔'' بیلا موسیٰ کو سلائیڈ کرتے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''مجھ سے پوچھو، کیسے گزرے ہیں یہ پانچ سال۔'' ہارون سینے پر ہاتھ لپیٹے کھڑا تھا، بیلا نے گردن موڑ کر اسے دیکھا پھر موسیٰ کو دیکھنے لگی۔

''مجھے ماہم بہت یاد آرہی ہے آج پتا نہیں کیوں۔'' بیلا کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔

''میری دوست بہت ٹیلنٹڈ، بہت ذہین تھی۔ پریوں جیسی حسین اور نازک مگر بروکن فیملی کے بچے جن کو محبت نہیں ملتی وہ ساری زندگی محبت کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں اور یہ محبت کی بھوک انہیں بہت خوار کرتی ہے اور کبھی کبھار قبر تک لے جاتی ہے۔ جیسے ماہم کو لے گئی۔ مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا۔ میں اگر...... اسے نہ چھوڑتی تو...... شاید وہ آج......''

آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے گالوں پر بہنے لگے تھے ہارون اس کو دیکھنے لگا۔

''تمہارا کوئی قصور نہیں ہے بیلا! تم نے تو اپنی استطاعت سے بڑھ کر کیا ہے۔ اتنا تو کوئی بھی نہیں کرتا یار۔'' ہارون نے اسے اپنی جینز کی پاکٹ سے ٹشو نکال کر دیا تو وہ جلدی جلدی اپنی آنکھیں اور ناک صاف کرنے لگی۔

''اور تمہیں تو اللہ نے علم دیا ہے ناں۔ تمہیں پتا ہے کوئی اپنے وقت سے ایک سانس بھی کم یا زیادہ نہیں لے سکتا۔''

وہ قرآن اور نماز پڑھنے لگا تھا اس کی باتوں سے ظاہر تھا۔

موسیٰ کا سلائیڈ سے دل بھر ہی نہیں رہا تھا وہ دونوں پاس پڑی بینچ پر بیٹھ گئے۔

''پھر بھی...... پھر بھی وہ اس طرح تو نہ مرتی کم از کم، میں اس...... شخص کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ جس کی وجہ سے ماہم......'' اس نے لب بھینچ کر خود کو تلخ ہونے سے روکا تھا۔

''تم نے کیوں چھوڑا تھا اپنی دوست کو؟''

ہارون نے بس یونہی بات بڑھانے کی غرض سے پوچھ لیا تھا۔ ماہم کی موت کے بعد یہ پہلی دفعہ تھا کہ وہ اس طرح ماہم کے متعلق بات کررہے تھے۔ سو اس نے چاہا کہ وہ کھل کر ماہم کے بارے میں بات کرلے تاکہ جو بھی کانٹا اس کے اندر چھپا ہے اس وہ نکل جائے۔ بیلا ہارون کو دیکھنے لگی اس کا دماغ اس وقت کہیں اور تھا۔

''تم نے ابھی کہا ناں، تمہیں ساری زندگی افسوس رہے گا اگر تم اسے نہ چھوڑتیں تو۔'' ہارون نے وضاحت کی۔

''ہماری لڑائی ہوگئی تھی۔'' کافی دیر بعد بیلا نے آہستہ سے کہا۔ ''ایک شیطان آگیا تھا ہماری فیری ٹیل میں۔''

''میں نے بہت سمجھایا تھا اس کو، مت آؤ اس کی باتوں میں مت اعتبار کرو اس کا مگر ماہم کے سر پر تو بھوت سوار تھا۔ اس کا ہر وقت علی علی کرتی رہتی تھی۔''

''علی!'' ہارون بڑبڑایا۔

''ہاں اس کو عشق ہوگیا تھا علی سے۔ مگر صرف میں جانتی تھی کہ اسے علی سے عشق نہیں تھا، علی کے دکھائے خوابوں سے عشق تھا۔ میرڈ تھا وہ دو بچے تھے اس کے۔ اور خود سے آدھی عمر کی لڑکی کو اس ذلیل انسان نے۔''

ہارون نے بیلا کو دیکھا پھر غور سے سامنے کھیلتے ہوئے موسیٰ کو دیکھنے لگا۔

''پورا نام کیا تھا علی کا؟'' اس نے بیلا کو دیکھا۔

''پتا نہیں۔''

"کہاں جاب کرتی تھی ماہم؟"
"پتا نہیں۔"
"تم نے دیکھا تھا اس...... شخص کو؟ شادی اٹینڈ کی تھی تم نے ان دونوں کی؟"
"نہیں۔ ماہم نے مجھے بہت بلایا تھا اپنے نکاح میں مگر میں نہیں گئی تھی۔ کیونکہ۔" بیلا رکی۔
"کیونکہ؟" ہارون پر تجسس ہوا۔
"ماہم اپنے گھر والوں کی اجازت کے بغیر علی سے شادی کر رہی تھی۔ چھپ کر۔ اپنے "ولی" کی اجازت کے بغیر۔"
"ولی؟" ہارون نے نا سمجھی سے کہا۔
"ہاں۔ گارجین اس کے ماموں۔"
"تو؟"
"ایسا نکاح باطل ہوتا ہے۔"
"مطلب۔" ہارون کو اب بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔
"جو عورت اپنے ولی (سرپرست) کی اجازت کے بغیر نکاح کرے اس کا نکاح باطل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔"
(سنن ابوداود۔2083)
(سنن ابن ماجہ۔1882)
بیلا نے حدیث حوالے کے ساتھ ماہم کو سینڈ کر دی تھی۔ اور ماہم نے فوراً دیکھ بھی لیا تھا بیلا کا میسج، پھر بہت دیر تک اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔ رات گزر گئی پھر اگلے دن علی الصبح ماہم کا میسج آیا۔
"اور جس کا کوئی ولی نہ ہو۔ اس کے لیے کیا حکم ہے؟"
بیلا ناشتا کر رہی تھی جب اس نے اس کا میسج پڑھا اور جواب بھیجا۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے تمہارا تو ولی ہے۔"
"کون؟" فوراً جواب آیا۔
"تمہارے ماموں۔"
"نہیں، وہ نہیں ہیں۔" جواب کچھ دیر سے آیا۔
"ولی ایسے نہیں ہوا کرتے۔"

ایک اور میسج، بیلا نے گہرا سانس لیا تھا تو بچ مگر......
"ولی تو ولی ہوتا ہے ناں...... لاپرواہ، غیر ذمہ دار، نام کا، جو بھی، تمہارے نہ ماننے سے کیا ہوتا ہے ڈیئر۔"
بیلا نے لکھ کر بھیجا اس نے دیکھا۔ بہت دیر تک دیکھا مگر پھر اس کا کوئی اور جواب نہیں آیا اور پھر اس نے علی سے خفیہ نکاح کر لیا۔ اس نکاح میں بس علی کے "کرائے کے" دو دوست شامل تھے اور ماہم کی طرف سے کوئی بھی نہیں تھا۔ ماہم نے بیلا کو بہت زیادہ اصرار کر کے بلایا تھا مگر بیلا نہیں گئی تھی۔ پھر کچھ دنوں بعد ماہم آڑو اور دوسرے بہت سے گفٹس لے کر اسے منانے آئی تھی۔ مگر وہ نہیں مانی، وہ اس کے نکاح کو قبول کرنے کو تیار نہیں تھی۔
"تم جس راستے پر جا رہی ہو ناں، اس کے آگے صرف کھائی ہے۔" بیلا غصے سے کھڑی ہو گئی تھی۔
"تم سے کس نے کہا تم مستقبل میں جھانک کر آئی ہو۔" ماہم کو بھی غصہ آ گیا تھا۔
"ہاں۔ کچھ باتیں صاف دکھ رہی ہوتی ہیں۔"
"تو کیا کروں اپنی ماں کی طرح سسک سسک کر اور ذلیل ہو کر مر جاؤں۔" ماہم نے کہا۔
"مانا کہ زندگی کا رویہ تمہارے ساتھ بے رحمانہ تھا مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ تم اپنی مفلسی اور محرومی کو اشتہار بنا دو۔"

بیلا کا رویہ سخت ہوتا جا رہا تھا۔ ماہم خاموش ہو گئی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔ اس نے چند لمحے رک کر خود کو کنٹرول کیا تھا۔ اس کو اس طرح روتا دیکھ کر بیلا کے دل کو کچھ ہوا تھا۔
وہ کتنی خوش خوش آئی تھی۔ فل تیار، جھلملاتی ہوئی خوشبوؤں میں نہائی ہوئی۔ بیلا نے گہرا سانس لے کر ذرا نرم لہجے میں اسے سمجھانا چاہا۔
"اگر وہ اتنا ہی تمہارے ساتھ مخلص تھا تو اسے

تمہارے گھر رشتہ بھیجنا چاہیے تھا ماہم! سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ اتنا بھی مشکل نہیں تھا۔ مان جاتے تمہارے ماموں۔ ہر شریعت کے ہر حکم کی حکمت ہوتی ہے۔ فائدہ پوشیدہ ہوتا ہے ہمارا ہی۔ سمجھو پلیز تم۔ اس طرح چوری چھپے نکاح صرف وہ کرتے ہیں جو مخلص نہیں ہوتے اور یہ نکاح بھی اس نے تم سے صرف اس لیے کیا ہے کہ تم نکاح کے بغیر مان نہیں رہی تھیں۔"

ماہم جو نظریں جھکائے لب کاٹتے ہوئے اسے سن رہی تھی، ایک دم تیز لہجے میں بولی۔

"وہ کتنا مخلص ہے، اس کی تم فکر مت کرو۔ میں خوش ہوں کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں؟"

"لیکن تم نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ کبیرہ گناہ۔" بیلا چلائی تھی۔

"آہستہ بولو بیلا۔ پاگل ہوگئی ہو تم۔" ماہم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اس کو ایک طرف بٹھانے کے لیے اور بیلا نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ ماہم کو اس وقت بیلا کی آنکھوں میں اپنے لیے نفرت نظر آئی اور اس سے پہلے کہ وہ نفرت بڑھتے بڑھتے اس کے پورے وجود کا احاطہ کر لیتی اس نے وہاں سے جانے کا فیصلہ کیا۔

"میں بس ایک بات جانتی ہوں ماہم! اچھائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی۔ یہی میری زندگی کا اصول ہے جو مجھے اللہ نے دیا ہے قرآن کے ذریعے، جس پر میں کسی قیمت پر کوئی سمجھوتا نہیں کر سکتی۔ آئی ایم سوری۔"

جب ماہم اپنے لائے ہوئے آڑوا اور دوسرے گفٹس کے بیگ اٹھا کے جانے کے لیے مڑی تو بیلا نے پیچھے سے دھیمی اور افسردہ آواز میں کہا تھا۔

"ماہم۔"

"اسی قرآن میں اللہ نے یہ بھی تو کہا ہے اللہ ہر گناہ معاف کر دیتا ہے۔" اور بیلا ایک لمحے کے لیے سُن ہو گئی تھی۔

"اور بار بار معاف کرتا ہے۔" آنسو ماہم کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، بیلا پلک جھپکے بغیر اسے دیکھے گئی وہ لاجواب ہو گئی تھی پھر ماہم وہاں سے چلی گئی اور بیلا نہیں جانتی تھی کہ اس ملاقات کے بعد ان کی جو ملاقات ہوگی وہ آخری ہوگی۔ اور کس حال میں ہوگی۔ اگر جانتی تو اسے کبھی جانے نہیں دیتی۔

آنسو بیلا کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

رات کا سیاہ اندھیرا دن کو نگل چکا تھا وہ مغرب کی نماز پڑھ کر وہیں بیڈ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی اور اب تک بیٹھی تھی بیڈ پر موٹی تھک کر سو رہا تھا جب مسجد سے عشاء کی اذان کی صدا بلند ہوئی اور ساتھ ہی اس کا موبائل جو وائبریٹ پر تھا۔ زوں زوں کرنے لگا۔ وہ اٹھی اور عشاء کی نماز ادا کی، پھر موبائل چیک کیا تو ہارون کی دو مس کالز اور ایک میسج آیا ہوا تھا۔

"تمہارے پاس علی کی کوئی پک ہے؟؟ کبھی ماہم نے شیئر کی ہو تم سے۔"

اور اس نے نہیں پوچھا "کیوں۔"

بس اٹھ کر الماری کھولی اور اس میں رکھا ایک براؤن گتے کا درمیانے سائز کا باکس نکال کر وہیں نیچے بیٹھ گئی۔

اس باکس میں ماہم کا وہ سامان تھا جو اس کے اس "گھر" سے ملا تھا جہاں وہ اپنے آخری وقت میں تھی۔ اس کے کپڑے تو بیلا نے مستحق لوگوں کو دے دیے تھے۔ مگر دوسرا بہت سا چھوٹا موٹا سامان سرٹیفکیٹس وغیرہ اس نے سنبھال کر رکھ لیے تھے۔ ماہم کے پاس نکاح نامہ نہیں تھا مگر ایک نوٹ بک نکلی تھی اس کے سامان سے جس میں مختلف فون نمبرز تھوڑی بہت شعر و شاعری اور زیادہ تر وہ حدیثیں اور قرآنی آیتیں لکھی تھیں جو بیلا اپنے اسٹیٹس پر لگاتی تھی۔ تاریخ کے ساتھ اور اس نوٹ بک کے اندر چند تصویریں بھی رکھی تھیں۔

ماہم اور علی کی مختلف موقعوں پر ساتھ لی ہوئی سیلفیز ایک ماہم کے نکاح کی تصویر تھی جس میں ماہم سفید کام دار لباس پہنے ہاتھ میں سرخ گلابوں کا گلدستہ پکڑے علی کے کندھے پر سر رکھے مسکرا رہی تھی۔

ایک علی کی جوانی کی تصویر تھی۔ جو شاید علی نے

اسے سینڈ کی ہوگی، ایک ماہم اور بیلا کی کالج کے زمانے میں لی گئی تصویر تھی۔ وہ دونوں یونیفارم پہنے کھڑی مسکرا رہی تھیں۔ یہ سب تصویریں ماہم نے موبائل سے پرنٹ کروائی تھیں۔ بیلا نے موبائل سے علی کی تصویریں لے کر ہارون کو بھیجیں اور پھر خود بہت دیر تک ماہم کی تصویریں دیکھتی رہی۔ اس کے لکھے الفاظ پر انگلیاں پھیرتی رہی۔

اس نوٹ بک پر لکھے آخری الفاظ 26 نومبر 2018 کی تاریخ کے ساتھ جس کے بعد تقریباً آدھی نوٹ بک خالی تھی۔ بیلا کے آنسو بہت دیر تک ان الفاظ کو بھگوتے رہے تھے۔

☆☆☆

چند دن بعد وہ ماہم کی برسی پر قبرستان آئی تھی۔ ماہم کی قبر کے برابر بیٹھ کر اس نے ہری ٹہنی قبر کی گیلی مٹی میں گاڑ دی۔ پھر اس کے اور تمام اہلِ قبور کے لیے دعائے مغفرت کی۔ پھر چھتری سر پر تانے دیر تک وہیں کھڑی رہی۔ آج اس کی سیاہ بڑی بڑی آنکھیں اور اداس دسمبر ساتھ بھیگ رہے تھے۔

”محبت کے معاملے میں، میں نے تمہیں ہمیشہ غلط سمجھا ماہم۔ ہمیشہ تمہیں جج کیا۔ تم پر فتوے لگائے اور کہیں نہ کہیں تمہیں اور محبت کو غلط کہتے کہتے میں خود محبت کا شکار ہوگئی۔“

بادل زور سے گرج رہے تھے۔ بارش تیز ہوگئی تھی۔ وہ بیلا کے غم میں شریک تھے۔ بادل اور بیلا ساتھ مل کر ماہم کے لیے رو رہے تھے، بالکل پانچ سال پہلے کی طرح۔

”میں تمہیں بتانا چاہتی تھی سب...... مگر نہیں بتا سکی۔ اور پھر تم...... ہماری محبت کا انجام...... نجانے کیا ہو۔ میں نہیں جانتی۔ بس اک رابطہ مسلسل ہے، اک فاصلہ مسلسل ہے۔ یو نو۔“ وہ روتے روتے ذرا سا مسکرائی تھی۔

”اگر اس سیارے پر وفادار مرد اب بھی موجود ہیں تو ہارون ان کی ایک اعلا مثال ہے۔“

اور پھر موٹی کی بہت ساری باتیں کرنے کے بعد جب وہ اپنی گاڑی میں آکر بیٹھی تو اس کا موبائل لگاتار بج رہا تھا۔ اس نے ٹشو نکال کر اپنا چہرہ صاف کیا اور برابر سیٹ پر پڑے ہینڈ بیگ سے موبائل نکالا۔ ہارون مسلسل اسے کال کر رہا تھا۔

”کہاں ہو تم؟ اور کال کیوں نہیں اٹھا رہی تھیں۔“ وہ ایسا انداز کبھی نہیں اپناتا تھا۔ بیلا کو تعجب ہوا۔

”قبرستان میں۔“ بیلا نے مختصر جواب دیا تھا۔

یہ کوئی وقت اور موسم ہے قبرستان جانے کا؟ اور تم رو رہی ہو؟“ وہ عصر کی نماز پڑھ کر گھر سے نکلی تھی اور اب مسجدوں سے مغرب کی اذان کی آواز آ رہی تھی۔

”بارش میرے ارادوں پر پانی نہیں پھیرتی ہارون۔ آج ماہم کی برسی تھی۔“ ہارون چند لمحوں کے لیے بالکل خاموش ہوگیا۔ پھر اس نے کہا۔

”مجھے ملنا ہے تم سے ابھی...... اسی وقت۔“

”کہاں؟“ بیلا نے پوچھا۔ وہ بیلا سے کبھی باہر ملنے کا نہیں کہتا تھا اگر اب کہہ رہا تھا تو ضرور کوئی اہم بات ہی ہوگی۔

”قبرستان کے برابر جو چائے کا ڈھابہ ہے وہاں۔“

”تم وہیں اپنی گاڑی میں بیٹھی رہو، میں بس دس منٹ میں آ رہا ہوں۔“ بیلا نے فون بند کر دیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے وہاں سے چلی گئی۔ آدھے گھنٹے بعد جب وہ قبرستان کے برابر پٹھان کے ہوٹل میں پہنچی تو بارش رک چکی تھی۔ ہارون اسے فٹ پاتھ پر رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھا نظر آیا۔

”کہاں چلی گئی تھیں تم؟“ وہ خفا خفا سا لگا بیلا کو پتا نہیں کیوں اور کس سے۔

”چار بلاک چھوڑ کر جو مسجد ہے وہاں مغرب کی نماز پڑھنے۔“ اس نے ہارون کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے نرمی سے کہا۔

ہارون نے اس کا سیاہ اسکارف میں لپٹا چہرہ دیکھا۔ سیاہ لباس میں وہ اس سیاہ رات کا ایک حصہ

معلوم ہوتی تھی۔ پرملال سی۔ پھر اس نے ویٹر کو بلا کر دو چائے لانے کا کہا اور گردن موڑ کر رات کے اندھیرے میں سامنے گیلی سڑک پر گزرتا ہوا ٹریفک دیکھنے لگا۔

بیلا اسے منتظر نگاہوں سے دیکھنے لگی کہ ہارون نے اسے اس وقت اور اس موسم میں کون سی اہم بات کرنے کے لیے یہاں بلایا تھا۔ تیز برفیلی ہوا چل رہی تھی اور اس شدید سردی میں وہ ٹراؤزر کے اوپر ایک ہلکی سی آدھی آستین کی ٹی شرٹ پہنے بیٹھا تھا۔ اس کے گھنگھریالے نم بال ہوا سے اڑ رہے تھے اس کی شرٹ بھی ہلکی ہلکی گیلی تھی وہ یقیناً بارش میں بھیگتا رہا تھا۔ اس طرح تو وہ ضرور بیمار پڑ جاتا۔

بیلا بے اختیار اپنی کرسی سے اٹھی اور اپنی فیروزی گرم شال اتار کر ہارون کے گرد پھیلا دی۔

''یہ کیا کر رہی ہو بیلا؟'' ہارون نے مزاحمت کی۔

''چپ ہارون۔'' بیلا نے اسے جھڑک دیا۔

''اس کی ضرورت اس وقت تمہیں زیادہ ہے۔'' اسے زبردستی شال اوڑھا کر اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔ چائے لے کر آتے ویٹر اور ارد گرد بیٹھے اکا دکا لوگوں نے انہیں غور سے دیکھا تھا۔

''تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا بیلا۔ بالکل اچھا نہیں لگ رہا مجھے۔''

ویٹر ٹیبل پر چائے رکھ کر مڑا تو ہارون نے آہستہ سے کہا۔

''نہ لگے۔'' بیلا گرم گرم چائے پینے لگی۔

''مجھے سردی نہیں لگ رہی تھی۔''

''صحیح ہے۔'' بیلا نے اسے ٹالا۔ ہارون کی آنکھیں ایک دم پانیوں سے بھر گئی تھیں اس نے نظریں جھکا لیں اور مضبوطی سے بیلا کی شال کو پکڑ لیا۔ گرم گرم چائے سے نکلتے دھوئیں نے اس کا بھرم رکھ لیا تھا۔

''سریسلی۔ ویسے یہ تھوڑا ریورس نہیں ہو گیا۔ ہمیشہ ہیرو اپنی جیکٹ ڈالتا ہے ناں سردی سے کانپتی ہوئی ہیروئن پر۔'' تھوڑی دیر بعد اس نے چائے کا گھونٹ لے کر کہا۔ وہ خود پر قابو پا چکا تھا۔

''پر کیا کریں، تم جیکٹ پہن کر آئے ہی نہیں تھے۔ ویسے کیوٹ لگ رہے ہو تم۔''

''تمہیں سردی لگ رہی ہو گی۔'' اس کو بیلا کی فکر لگی تھی۔

''نہیں، میں نے یہ جرسی پہنی ہے اور میرے کپڑے بھی گیلے نہیں ہیں تمہاری طرح۔ ویسے یہ تم کس خوشی میں اس دسمبر کی بارش میں بھیگتے رہے ہو۔ بہت شوق ہے تمہیں ہرکولیس بننے کا۔ اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو۔''

''تو کیا ہو جائے گا۔ کچھ بھی نہیں۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''میں مرڈر کر دوں گی تمہارا۔'' اور ہارون نے ایک دم اسے دیکھا تھا۔ وہ ایسی عام سی باتیں بھی کر سکتی ہے۔ اسے پتا ہی نہیں تھا۔

''اس دنیا میں اچھے لوگوں کی ویسے ہی کمی ہوتی جا رہی ہے یار۔''

بیلا نے نظریں چرا کر لاشعوری طور پر پھر اس کی تعریف کر دی تھی۔ اور ایک نہایت سنجیدہ قسم کی صورت حال سے ان کی باتیں ایک دم بہت روایتی قسم کا رخ اختیار کر گئی تھیں اور یہ زندگی میں پہلی بار ہوا تھا ان کے ساتھ۔ جس کا احساس ہوتے ہی وہ دونوں بالکل چپ ہو گئے تھے اور پھر ان کے درمیان خاموشی باتیں کرنے لگی۔

''ہمارے دو گھر چھوڑ کر میرے ایک بیسٹ فرینڈ کا گھر تھا۔ وہ میرا کلاس میٹ بھی تھا۔'' کچھ دیر بعد ہارون نے اچانک ہی عجیب سے لہجے میں کہنا شروع کیا۔ بیلا چائے بھول کر اس کو دیکھنے لگی۔

''یہ تب کی بات ہے جب میں تیرہ یا چودہ سال کا ہوں گا۔ اس کی بڑی بہن کی شادی تھی۔ اکلوتی بڑی بہن اس کے چھوٹے تین بھائی تھے۔ وہ لوگ بہت زیادہ دولت مند تھے۔ ہم سے بھی زیادہ۔'' کچھ

ساعت کے لیے وہ رکا۔

اس کے اندر ایک طوفان برپا تھا جسے اس وقت اور اسے باہر نکالنے کے لیے وہ مناسب لفظ ڈھونڈ رہا تھا۔

"اس دن جب اس کی بہن کی بارات تھی۔ تو ان کے مالی نے، زیاد کے ڈیڈ کو، انکل شہر یار کو...... قتل کردیا۔ چھریوں کے وار سے۔ دیکھتے ہی دیکھتے۔ گھر ماتم اور سسکیوں سے بھر گیا۔ میں وہیں تھا تب زیاد کے ساتھ۔" بیلا سانس روکے اسے سن رہی تھی۔

"وہ مالی...... انکل زمان...... وہ بہت اچھے تھے یار۔ ہم لوگ اکثر کھیلتے تھے تو وہ ہمارا بہت خیال رکھتے تھے۔ اکثر باتیں بھی ہوتی تھیں ہماری۔"

ہارون کی آنکھوں سے کئی آنسو ٹوٹ کر بیلا کی شال میں جذب ہو گئے تھے۔ بیلا پلکیں جھپکنا بھول گئی تھی۔

"بہت نرمی سے بولنے والے اور شفیق۔ پتا چلا۔ ان کی چار جوان بیٹیاں بیٹھی تھیں۔ شادی کے انتظار میں۔ جن کی عمریں نکل رہی تھیں۔ مگر ان کے پاس ان کی شادی کے لیے پیسے نہیں تھے۔ انہوں نے کئی بار انکل سے بات کی تھی مگر......"

وہ رکا پھر کہنے لگا۔

"پھر جب انہوں نے دیکھا کہ انکل اپنی بیٹی کی شادی پر کروڑوں روپے آنکھیں بند کر کے لٹا رہے ہیں۔ تو ان سے دیکھا نہیں گیا۔ دو خاندان تباہ ہو گئے۔ میرے اور زیاد کے سامنے اس کے ڈیڈ کی لاش پڑی تھی۔ خون میں لت پت۔

ہر کسی پر کوئی واقعہ مختلف طریقے سے اثر انداز ہوتا ہے۔ میرے ذہن پر اس واقعہ کا اثر بالکل الگ طریقے سے ہوا۔ معاشرتی تضاد کا یہ پہلا واقعہ میرے ذہن پر ثبت ہو کر رہ گیا تھا اور کئی سوال اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔

اس ایک واقعے نے میری سوچ کا زاویہ میری پوری پرسنالٹی بدل کر رکھ دی۔ میں پھر وہ چودہ سالہ ہارون نہیں بن سکا کبھی۔"

وہ کہہ کر چپ ہو گیا بیلا خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ اور ان کے درمیان پھر سے خاموشی کا ایک اور وقفہ آ گیا۔ تب اس نے اچانک سے پوچھا۔

"موسیٰ کیسا ہے؟" اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"ٹھیک ہے الحمدللہ۔" بیلا نے کہا۔

"کیا کر رہا تھا؟" ہارون نے ٹھنڈی چائے کا مگ اپنے دونوں ہاتھوں سے مضبوطی جکڑا۔ اتنا کہ جیسے توڑ ہی دینا چاہتا ہو۔

"کھیل رہا تھا۔ ثانیہ آپی آئی ہوئی ہیں ان کی بچیوں کے ساتھ مگن تھا۔" بیلا نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اور تب یک دم ہارون نے کہا تھا۔

"ماہم کی زندگی برباد کرنے والے شخص کو میں جانتا ہوں۔" ایک تیز ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا اور سردی کی ایک لہر بیلا کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنائی۔ وہ منہ کھولے ہارون کو دیکھنے لگی۔

"بہت...... قریبی رشتہ ہے میرا...... اس شخص کے ساتھ۔" ہارون نے نظریں جھکا کر زخمی لہجے میں اس طرح کہا جیسے کوئی قاتل کٹہرے میں کھڑا اپنے جرم کا قرار کر رہا ہوں۔ شکست خوردہ اور شرم سار، بارش پھر سے شروع ہو گئی تھی۔ اور بیلا کو شدید سردی لگنے لگی تھی۔

☆☆☆

"ہم کہاں جا رہے ہیں ہارون؟"

"اپنے گھر۔" ہارون نے گاڑی چلاتے ہوئے مختصر کہا۔

"اپنے گھر۔" اس نے حیرت سے دہرایا۔

"ہاں اپنے گھر۔"

"آپ کا مطلب؟ آپ کے گھر۔"

"نہیں...... میرا مطلب ہے ہمارے گھر۔"

"ہمارے گھر!"

"ہاں۔"

مگر بات اس کی سمجھ میں اب بھی نہیں آئی تھی لیکن وہ چپ ہو گیا تھا۔

اس کی گاڑی دیکھ کر مستعد چوکیدار نے فوراً

گیٹ کھول دیا تھا۔ اس نے گاڑی لمبے ڈرائیو وے سے لا کر کار پورچ میں روکی اور موسیٰ کو لے کر گھر کے فرنٹ کی دو مختصر سیڑھیاں چڑھ کر اندر لاؤنج میں داخل ہوا۔ شام کے چھ بج رہے تھے۔

اس کے ڈیڈ اس وقت اسٹڈی میں تھے اور چھوٹی بہن اپنے کمرے میں اس نے جان بوجھ کر ایسے وقت کا انتخاب کیا تھا جب اس کی ممی گھر پر موجود نہیں ہوں۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے اسٹڈی کے آگے رکا۔

''موسیٰ، ڈیڈ سے ملو گے۔ وہ تھوڑے غصے والے ہیں مگر میں امید کرتا ہوں کہ تمہیں پسند آئیں گے۔''

اور وہ اسے لیے اسٹڈی میں داخل ہوا تو اس کے ڈیڈ نظر کا چشمہ لگائے سیاست پر لکھی ہوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ سامنے لیپ ٹاپ بھی کھلا پڑا تھا۔ وہ ہمیشہ دو کام ایک ساتھ کرنے کے عادی تھے۔

ہارون نے اسٹڈی ٹیبل کے دوسری طرف آکر انہیں سلام کیا اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور ایک کرسی پر موسیٰ کو بٹھا دیا۔ ڈیڈ اسے سلام کا جواب دے کر موسیٰ کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

''میں آج آپ سے کسی کو ملوانے لایا ہوں ڈیڈ۔ موسیٰ سے ملیے۔ میرا دوست۔''

انہوں نے چشمے کے پیچھے سے آنکھیں سکیڑ کر اس کو دیکھا۔ موسیٰ اب کنفیوز ہونے لگا تھا۔

''موسیٰ! ان سے ملو۔ یہ ڈیڈ ہیں۔'' ہارون نے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے کہا تھا۔

موسیٰ نے قدرے شرماتے ہوئے سلام کیا۔

انہوں نے مبہم سے لہجے میں جواب دے کر پھر سے کتاب پڑھنا شروع کر دی تھی۔

''کیسے لگے آپ کو ڈیڈ، موسیٰ؟'' اور انہوں نے اس بات پر ہارون کو دیکھا اور کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی۔

''گریٹ'' موسیٰ نے آہستہ سے کہا تھا۔

''اوکے ڈیڈ...... ایکسکیوز۔'' ہارون نے کھڑے ہوتے ہوئے ڈیڈ سے کہا تو وہ اسے تعجب اور ناپسندیدگی سے بھنویں سکیڑ کر دیکھنے لگے۔ مگر وہ موسیٰ کا ہاتھ پکڑ کر اسٹڈی سے نکل گیا۔

گراؤنڈ فلور پر مام ڈیڈ کے ماسٹر بیڈ روم کے بالکل برابر اسٹڈی روم تھا۔ ایک طرف سیڑھیاں تھیں وہ سیڑھیاں چڑھ کر فرسٹ فلور پر آیا اور مندانہ کے کمرے کے باہر رک کر اس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے مصروف سے انداز میں ''کم ان'' کی آواز آئی۔

وہ موسیٰ کے ہمراہ اندر داخل ہوا تو وہ کمرے کے آخر میں بنی کلوزٹ میں گھسی نجانے کیا ڈھونڈ رہی تھی ساتھ کاؤچ پر رکھے اس کے موبائل پر میوزک بج رہا تھا۔ ہارون نے آگے بڑھ کر موبائل بند کیا تو وہ پلٹی۔ ''السلام علیکم مانا۔''

''وعلیکم السلام بھائی۔'' اس نے ہارون کے ساتھ کھڑے موسیٰ کو دیکھتے ہوئے سلام کا جواب دیا۔ اس کے قدموں میں کپڑوں کا ڈھیر گرا تھا، وہ ان پر سے پھلانگتی ہوئی آگے آئی۔ وہ بیس بائیس سال کی انتہائی گوری، لانبے براؤن بالوں لڑکی تھی۔ اس نے جینز پر ڈھیلا سا اونچا فراک ٹائپ ٹاپ پہن رکھا تھا۔

''میرے فرینڈ موسیٰ سے ملو۔''

ہارون کے تعارف پر مندانہ نے آگے بڑھ کر موسیٰ کے آگے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ ہارون موسیٰ کے برابر پنجوں کے بل بیٹھا اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

''موسیٰ! یہ میری سسٹر ہے مندانہ۔''

ہارون کی بات پر مندانہ نے موسیٰ کو دیکھا۔ پھر کہا۔

''ہیلو موسیٰ، آپ سے مل کر خوشی ہوئی۔''

اس نے موسیٰ کا ہاتھ پکڑ کر پر جوش انداز سے ہلایا

''مجھے بھی آپ سے مل کر اچھا لگا۔''

موسیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ دار اور کم گو تھا۔

''مندانہ، کیا تم میرے اس ننھے دوست کو کمپنی

دینا پسند کروگی۔ تب تک میں ڈیڈ سے کچھ ضروری بات کرلوں۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری اس چھوٹی سی دنیا میں ایسا بہت کچھ نکل آئے گا جو تم اس سے شیئر کرسکتی ہو۔"

"واؤ...... شیور۔" مندانہ ذرا سے کندھے اچکا کر مسکرائی تھی۔ اسے بچے پسند تھے۔

پھر وہ موسیٰ کی طرف مڑا۔

"موسیٰ! مجھے بس کچھ منٹس دو، میں ڈیڈ سے بات کرکے ابھی آیا۔ پلیز"

وہ موسیٰ کو دیکھتا ہوا دو قدم پیچھے مڑا اور بھاگتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

"یہ موسیٰ تھا ڈیڈ۔" وہ جو دوبارہ سے کتاب پڑھنے لگے تھے، ایک گہرا سانس لے کر بدمزہ ہو کر بولے۔

"میں نے سن لیا تھا۔"

"یہ موسیٰ بن عبداللہ "تھا۔" اس نے اب کی دفعہ "تھا" پر زور دیا تھا۔ مگر وہ دھیان دیے بنا بولے۔

"بور نہ کرو پلیز۔"

"ماہم اسرار کا بیٹا۔ کچھ یاد آیا؟"

"نو...... پلیز صاف صاف بات کرو۔ کیوں سسپنس پھیلا رہے ہو بے کار میں۔" وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے تھے اور کتاب ایک دفعہ پھر سے بند کرکے ٹیبل پر رکھ دی تھی۔

"یہ ماہم اسرار اور علی صہیب کا بیٹا ہے ڈیڈ۔" ہارون نے ان کی آنکھوں میں غور سے جھانکتے گویا بم گرایا تھا۔ لیپ ٹاپ اپنے سامنے سیدھا کرتے ہوئے ان کے ہاتھ ساکت رہ گئے تھے اور آنکھیں خطرناک حد تک پھیل گئی تھیں۔

"واٹ نان سینس کیا بکواس ہے یہ۔" وہ غضب ناکی سے گرجے تھے۔

"بدقسمتی سے یہ سچ ہے۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اگر تمہیں کوئی پریکٹیکل جوک کا بھوت سوار ہوا ہے تو آئی وارن یو۔"

انہوں نے اپنے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سیدھی کرکے اسے تنبیہ کی مگر اس نے ان کی بات کاٹ دی۔

"نو ڈیڈ۔ ابھی اتنا سڑا ہوا سینس آف ہیومر نہیں ہوا ہے میرا۔"

"پھر تم بدتمیزی کر رہے ہو۔"

"سوری...... بٹ میرے پاس ثبوت ہے۔"

اس نے یہ کہہ کر اپنے ٹراؤزر کی پاکٹ پر ہاتھ مارا۔

اب کی بار وہ صحیح معنوں میں سنجیدہ ہوئے تھے اپنا نظر کا چشمہ اتار کر انہوں نے ٹیبل پر رکھا اور بڑی براؤن آنکھوں کو سکیڑ کر اسے گھورنے لگے۔

"کون سا ثبوت؟" ان کی بھنویں اکٹھی ہوئیں۔

"مگر ٹھہرو...... ابھی تم نے کہا تھا کہ وہ کسی عبداللہ کا بیٹا ہے۔" وہ محتاط لہجے میں بولے۔ اندر کہیں خطرے کی گھنٹی زور زور سے بج رہی تھی۔

"ہاں...... عبداللہ۔ اللہ کا بندہ۔ ہم سب اللہ کے بندے ہیں ناں اور جب کسی کے باپ کا نام پتا نہ ہو تب اس کے نام کے آگے عبداللہ لگا لیتے ہیں۔ اس کے بھی باپ کا نام پتا نہیں تھا۔ تو یہ موسیٰ بن عبداللہ تھا مگر اب اس کے باپ کا نام پتا چل گیا ہے۔ میں نے پتا چلا لیا ہے ڈیڈ۔"

"شرلاک ہومز...... تو دکھاؤ ذرا، کیا ثبوت ہے تمہارے پاس...... میں بھی تو دیکھوں۔" اور ہارون نے ایک خاکی رنگ کا لفافہ اپنے ٹراؤزر کی جیب سے نکال کر اس لفافے میں سے کچھ مختلف سائز کی تصویریں نکال کر ان کے سامنے کیں۔ انہوں نے اس کے ہاتھ سے وہ تصویریں لے کر ایک نظر ان پر ڈالی اور پھر ان کے دو ٹکڑے کرکے دور اچھال دیے۔

"اس غلاظت سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا ایڈیٹ اور آج کل یہ پچاس روپے کا فوٹو شاپ کرنا کون سا مشکل کام ہے۔" وہ غصے سے دھکیل کر کھڑے ہو گئے تھے۔ ہارون لب بھینچ کر انہیں دیکھنے

لگا۔

"اور ایک منٹ کیا یہ وہی بچہ نہیں ہے موسیٰ جو تمہاری اس گرل فرینڈ نے لے کر پالا تھا۔" وہ اس قدر غصے اور جذبات میں بھی دور کی کوڑی لائے تھے۔

"اسی نے پڑھائی ہیں تمہیں یہ پٹیاں، رائٹ۔"

ان کا تنفس تیز اور آواز بلند ہو گئی تھی۔ جس طرح کسی شخص کا جھوٹ پکڑو تو وہ دفاعی موڈ میں جا کر اونچی آواز اور غصے سے آپ کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ہارون نے گہرا سانس لے کر خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کی تھی، اسے ان سے کسی ایسے ہی ردعمل کی امید تھی۔

"ہاں یہ وہی بچہ ہے ڈیڈ۔ کیونکہ ماہم بیلا کی دوست تھی۔ ماہم اسرار، جو آپ کے آفس میں کام کرتی تھی۔ کرتی تھی ناں ڈیڈ؟" اس کا لہجہ عجیب ہونے لگا تھا۔

"واہ...... وہ تمہاری اس گرل فرینڈ کی دوست نکلی۔ کیا عجیب اتفاق ہے یہ...... نہیں؟" وہ طنزیہ بولے مگر اس نے دھیان نہیں دیا۔

"ڈیڈ، آپ نے اسے جوہر میں ایک لگژری فلیٹ کرائے پر لے کر دیا تھا ناں؟ میں نے سب انکوائری کرائی ہے۔ میرے پاس ثبوت ہیں ڈیڈ، آپ اس کے ساتھ وہاں رہتے رہے ہیں۔"

علی صہیب ٹھہر کر اپنے جوان بیٹے کو دیکھنے لگے جس کی سیاہ آنکھوں میں سرخ ڈورے ابھرنے لگے تھے۔

"پھر کیا ہوا تھا ڈیڈ؟ آپ کا دل بھر گیا تھا اس سے؟" وہ ان کے سامنے بیٹھا ان سے حساب لے رہا تھا۔

"ہاں۔ میں نے اسے فلیٹ لے کر دیا تھا۔ یہ سچ ہے۔" وہ کرسی پر بیٹھ گئے اور متوازن لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"مگر یہ آدھا سچ ہے بچے۔ تم صرف ایک طرف کی کہانی سن کر آئے ہو اور اتنے ہی بضد ہو تو میری طرف کا سچ بھی سن لو۔" ہارون کچھ نہیں بولا بس تشویش سے دیکھے گیا۔

"میں نے ہی اسے فلیٹ لے کر دیا تھا اور اس سے ملنے بھی جاتا تھا وہاں۔ مگر اس پر ترس کھا کر اور بس ہمارے بیچ کوئی رشتہ نہیں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا اس کے بوائے فرینڈ سے چکر چل رہا تھا اور جب وہ پریگنینٹ ہو گئی تو اس کو اس کے گھر والوں نے گھر سے نکال دیا اور اس کے بوائے فرینڈ نے بھی اسے چھوڑ دیا تب وہ میرے پاس آئی تھی مدد کے لیے اور تب میں نے اسے۔"

اور ہارون کی آنکھیں ان کی اس کہانی پر پھیلتی گئیں اس کو امید نہیں تھی کہ اس کا باپ اس حد تک بھی گر سکتا ہے۔

"آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں ڈیڈ۔ بیوی تھی وہ آپ کی۔ نکاح کیا تھا آپ نے اس سے۔ اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر۔ عزت تھی وہ آپ کی۔"

"بس اتنا ایموشنل ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ جذبات نے تمہاری عقل کھا لی ہے ورنہ یہ کرسٹل کلیئر ہے۔ ان دونوں دوستوں نے مل کر یہ پلان بنایا۔ ایسی عورتوں کو میں خوب جانتا ہوں۔ ہمارے سرکل میں گھسنے کے لیے یہ کسی بھی حد سے گزر سکتی ہیں اور تم جیسے عقل سے پیدل گدھے ہی ان شاطر لڑکیوں کا آسان ہدف ثابت ہوتے ہیں۔ ہم شادی کے لیے نہیں مانے تو وہ اس بچے کو سامنے لے آئی۔ ویسے میں اس کی ذہانت کو سلام پیش کرتا ہوں، کتنی لمبی اور شان دار پلاننگ۔"

"چپ ہو جائیں ڈیڈ! اللہ کا واسطہ ہے۔ اور ایک لفظ بھی مت بولیے گا پلیز بیلا کے بارے میں، بیلا نے مجھ سے کچھ نہیں کہا ہے۔ اسے تو میرا سرنیم تک نہیں پتا تھا۔"

"اوہ رئیلی! تو تمہیں اپنے باپ کا اعتبار نہیں ہے ان دو ٹکے کی عورتوں کا اعتبار ہے۔" ہارون سے مزید برداشت نہیں ہو سکا تھا وہ اٹھ کھڑا ہو گیا۔

"ایسا ہوتا ہے ناں کہ کسی کی لاپرواہی آپ کو "کیئرنگ" بنا دیتی ہے۔ کسی کی نفرت آپ کو محبت کرنا سکھا دیتی ہے کسی کا غیر انسانی سلوک آپ کو انسانیت کی پہچان کرا دیتا ہے۔ ایسا ہی اس کے ساتھ بھی ہوا تھا۔

آپ نے اسے کیوں چھوڑا تھا ڈیڈ، آپ نے اس کی زندگی برباد کردی۔ آپ کو کوئی آئیڈیا ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ کوئی بھی نہیں تھا اس کا۔ وہ اکیلی اس حالت میں...... کرائے کے ایک کمرے میں بھوک اور سردی سے ٹھٹھر کر مرگئی تھی ڈیڈ۔"

ہارون کی آنکھوں میں آنسو بھرنے لگے تھے پانچ سال پہلے شدید سردی اور برسات کی وہ رات اسے یاد آنے لگی تھی جب اس نے ہاسپٹل سے اس کی ڈیڈ باڈی وصول کی تھی اور ڈاکٹرز کے اس کے بارے میں وہ سارے ریمارکس بھی جو رونگٹے کھڑے کردینے والے تھے۔ اور پھر اس کی آخری رسومات کا انتظام کرتے ہوئے۔ قبرستان میں اسے دفناتے ہوئے۔ وہ بہت عجیب اور پراسرار رات تھی۔ اس وقت وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ جس کو قبر میں اپنے ہاتھوں سے اتار رہا ہے اس کی سوتیلی ماں ہے مگر اب جان گیا تھا۔

اس نے ایک دفعہ ماہم کو بیلا کے گھر سے نکلتے دیکھا تھا اور اس کو اس وقت دیکھ کر ایسا محسوس ہوا تھا کہ اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہے پھر وہ یہ بات بھول گیا۔ اور پانچ سال بعد جب ساری کڑیاں آپس میں مل گئی تھیں، تب اسے یاد آیا تھا کہ اس نے اسے کہاں دیکھا تھا۔ اس نے اسے اپنے ڈیڈ کے آفس میں دیکھا تھا۔ بس ایک نظر سرسری سا۔

اس رات اس نے سوچا تھا کہ وہ کون ظالم اور بدبخت انسان تھا جس نے اتنی حسین اور زندگی سے بھرپور لڑکی کو اس طرح مرنے پر مجبور کردیا تھا۔

اگر کوئی اسے ابھی آکر بتاتا کہ اس کے باپ نے کسی لڑکی سے خفیہ شادی کی تھی اور اسے چھوڑ دیا تھا پھر وہ مرگئی تھی اور اب اس کا ایک عدد بچہ بھی ہے اس کے باپ سے، تب شاید اسے اتنا فرق نہیں پڑتا۔ وہ اس خبر کو شاید ایسے ہی سنتا جیسے کسی دور کے عزیز کے مرجانے کی خبر سنی جاتی ہے جس سے انسان کا رشتہ تو ہو مگر رابطہ، تعلق نہ ہو۔

بات دراصل ساری تعلق کی ہوتی ہے۔ رشتہ تو بس رسمی سی چیز ہے اور اس کا ماہم سے تعلق جڑ گیا تھا۔ موسیٰ اور بیلا ہی کے توسط سے تھوڑا بہت ماہم سے بھی اور سارا رونا اسی بات کا تھا اور اب اس سفاک حقیقت کو جاننے کے بعد باپ جیسے عظیم رشتے کے بارے میں اس کے خیالات بری طرح مجروح ہوئے تھے کوئی بت اس کے اندر جو پاش پاش ہوگیا تھا۔

اور اس کی آنکھیں جل رہی تھیں۔ اذیت سی اذیت تھی۔

"میں نے...... میں نے دفنایا تھا اسے۔ اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا تھا اور آپ کا یہ بچہ جس کو جنم دیتے ہوئے وہ مرگئی۔ جسے آپ نے لاوارث چھوڑ دیا تھا اسی لڑکی نے پالا۔ بغیر یہ جانے کہ اس کا باپ کون ہے۔ اس نے تو آپ کو دیکھا تک نہیں ہے بھی ڈیڈ، اس لڑکی نے جسے آپ بنا دیکھے ریجیکٹ کرچکے ہیں۔" آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔ علی صہیب لب بھینچ کر اس کو دیکھے گئے۔

"آپ نے مجھے سکھایا تھا ڈیڈ، کہ کسی کی کمزوریوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ اور وہ تو اتنی کمزور، اتنی محروم لڑکی تھی ڈیڈ، آپ نے کیوں سہانے خواب دکھا کر اسے لوٹ لیا۔ وہ پہلے ہی بروکن فیملی کی بچی تھی ڈیڈ۔ اور ایسے بچوں کے پاس ان کے خواب اور جانوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہوتا ہے اور آپ نے اس سے دونوں ہی چھین لیے۔ آپ نے اسے مار ڈالا ڈیڈ۔ آپ نے اس کی جان لے لی۔"

اور وہ اب بھی اس کی بات نہ سنتے مگر آپ کے سامنے آپ کا جوان بیٹا بیٹھ کر اس طرح روئے تو یہ وقت اس سے بحث و تکرار کرنے کا نہیں ہوتا۔

"کیا کہا تھا آپ نے بیلا کے بارے میں ڈیڈ۔ چھوٹے گھر کی لڑکی، ہماری میڈ اس کی پڑوسن

ہے۔ کس گھر، کس گیلی بری لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو تم۔ یہی کہا تھا ناں ڈیڈ؟ یہ کیلیبر ہے ڈیڈ اس کا۔ اس نے آپ کی اولاد کو کچرے کے ڈھیر میں کتوں کے کھانے کے لیے نہیں پھینکا کسی ٹرسٹ کے جھولے میں بھی نہیں ڈالا۔ خود پالا۔ اس کی خاطر شادی تک نہیں کی۔"

وہ دونوں کھڑے ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے، ایک نم نگاہوں سے ایک شاکڈ آنکھوں سے اوران کے بیچ ایک اسٹڈی ٹیبل کا نہیں صدیوں کا فاصلہ حائل تھا۔

"ایسے گھر کی لڑکی سے افیئر چلانا، خفیہ تعلقات رکھنا صحیح ہے آپ کی نظر میں اور عزت کے ساتھ شادی کرنا غلط ہے۔"

"تم جذباتی ہو رہے ہو، ہارون! ہم اس مسئلہ کا حل نکال لیں گے جب تم۔"

"نو ڈیڈ۔ ابھی اسی وقت۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بولا "مجھے اپنی بات ختم کرنے دیں۔"

اس نے ہتھیلیوں سے اپنے بھیگے چہرے کو بے دردی سے رگڑا اور پھر سے کہنا شروع ہوا۔

"میں اس بچے کو اپنا نام دیتا مگر اسی "چھوٹے گھر" کی لڑکی نے مجھے یہ بتایا ہے کہ اللہ نے اپنی کتاب میں باپ کا نام بدلنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لیے یہ موسیٰ بن علی صہیب ہی رہے گا۔ خدا کی قسم میں دلاؤں گا اس کو اس کی شناخت۔ اور میں کروں گا بیلا سے شادی اور ساری زندگی اس کو اپنی عزت بنا کر رکھوں گا ان شاءاللہ۔"

ہارون کے لہجے میں پختگی اور عزم تھا وہ مڑا اور کمرے سے نکلنے لگا۔ آتے ہوئے اس نے اسٹڈی کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ مگر اب وہ ذرا سا کھلا تھا اس نے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف کھینچا تو دہلیز کی دوسری طرف اس کی مام کھڑی تھیں۔ ایسے جیسے کوئی سپہ سالار جنگ ہار کر آتا ہے اور خلیفہ وقت کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔

ہارون نے ان کا لٹھے کی طرح سفید چہرہ دیکھا اس کا منہ کھل گیا تھا۔ یہ ان کے آنے کا وقت نہیں تھا۔ وہ انٹیریئر ڈیزائنر تھیں اور اس وقت وہ ایک بزنس میٹنگ میں تھیں۔ پتا نہیں کیسے وہ اس وقت آ گئی تھیں۔ چند لمحے وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ ہارون نے ایسا کبھی نہیں چاہا تھا کہ اس کی مام کو یہ سب پتا چلے۔ اس کی سرخ آنکھوں میں شرمندگی کھلنے لگی تھی۔

وہ سر جھکا کر ان کے برابر سے نکل کر تیزی سے اوپر آیا اور مندانہ کے برابر والے اپنے کمرے میں گیا تھا۔ وہاں واش روم میں گھس کر دیر تک اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتا رہا اور آئینے میں اپنے عکس کو عجیب نظروں سے گھورتا رہا، بار بار اس کی نظروں میں اپنی ماں کا فق چہرہ ابھر رہا تھا۔ اس نے آنکھیں زور سے میچ کر اس عکس کو جھٹکنا چاہا مگر وہ اس کی آنکھوں سے چپک کر رہ گیا تھا۔

ایک دم سے بے حد وحشت ہونے لگی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کا دل مٹھی میں لے کر بھینچ رہا ہے۔ اس کو سانس لینے میں دشواری ہوئی۔ کوئی بوجھ سا تھا جو اس کے کندھوں پر آن گرا تھا اس نے واش بیسن کے ساتھ رکھے خوب صورت سے گملے میں لگے پلانٹ کو غور سے دیکھا اور ہاتھ مار کر اسے نیچے فرش پر گرا دیا۔ مٹی کا گملہ زور کی آواز کے ساتھ ٹوٹ گیا تھا۔ اس کے اندر بھی پچھلے کئی دنوں سے کچھ اسی طرح کی توڑ پھوڑ کا عمل جاری تھا جس میں مزید شدت آ گئی تھی۔

اسے لگا تھا کہ اپنے ڈیڈ کے سامنے عدالت لگا کر وہ یہ مقدمہ جیت جائے گا مگر وہ غلط تھا۔

ہمارے بڑے اگر غلط بھی ہوں تب بھی انہیں غلط ثابت کر کے ہمیں کچھ نہیں ملتا سوائے دکھ اور شرمندگی کے۔

ہارون کچھ لمحے فرش پر بکھری ہوئی مٹی اور پلانٹ کو دیکھتا رہا پھر موسیٰ کو لے کر گھر سے باہر چلا گیا۔

☆☆☆

ادھر مسز البینہ مردہ قدموں سے اسٹڈی میں داخل ہوئیں اور عجیب سی نظروں سے علی کو دیکھا۔ جیسے کوئی اجنبی اجنبی کو دیکھتا ہے۔

علی صہیب جو ٹینشن میں اسموکنگ کرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے موبائل پر جلدی جلدی کچھ ٹائپ کررہے تھے انہیں دیکھ کر ششدرہ گئے۔ البینہ کا پتھرایا ہوا چہرہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا وہ سب سن چکی ہیں۔ علی نے ان کی نظریں خود پر گڑی دیکھیں تو خائف ہو کر موبائل سائیڈ پر رکھا اور انہیں وضاحتیں دینا شروع کیں۔

"وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ بکواس کررہا تھا سب...... اس گھٹیا لڑکی سے شادی کرنے کے لیے دونوں نے مل کر ڈرامہ۔"

وہ ملک کی چند مشہور انٹریئر ڈیزائنر میں سے ایک تھیں۔ کینیڈا سے بھی اس کے کورسز کر کے آئی تھیں۔ اپنا گھر انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے ڈیزائن کیا تھا۔ پوری دنیا گھوم چکی تھیں۔ کسی ملک سے شوپیس، کسی ملک سے پینٹنگو، کسی ملک سے رگز، کسی سے مجسمے اور پھر کس چیز کو کہاں رکھنا ہے کہ وہ انگوٹھی میں نگینے کی طرح فٹ ہو جائے۔ "بے عیب" لگے۔ کیونکہ جو دنیا کے گھر سجاتی ہے اس کا اپنا گھر تو سب سے حسین اور لاجواب ہونا چاہیے ناں۔

اس اسٹڈی کو بھی انہوں نے اپنے ہاتھوں سے ڈیزائن کیا تھا۔ پوری دنیا کی نایاب اور قیمتی کتابیں یہاں رکھی ہوئی تھیں اور ہر چند مہینے بعد ان میں دنیا کی بیسٹ سیلر اور علی صہیب کی پسند کی کتابوں کا اضافہ کیا جاتا تھا۔ اور اب انہیں یوں لگ رہا تھا کہ وہ ساری کتابیں کسی نے شیلفس سمیت ان کے اوپر الٹ دی ہیں۔

ہلکے میک اپ میں سفید پڑتے چہرے اور خالی نگاہوں سے وہ علی صہیب کے ہلتے لب دیکھ رہی تھیں۔ علی کی دو انگلیوں کے درمیان دبے سگریٹ سے دھواں نکل کر فضا میں مدغم ہو رہا تھا انہوں نے جلتے سگریٹ سے نکلتے اس دھوئیں کو خاموش نگاہوں سے دیکھا پھر ذرا آگے بڑھ کر فرش پر بکھری وہ پھٹی ہوئی تصویریں اٹھا کر دیکھنے لگیں۔

انسان کی پوری زندگی میں ایک دفعہ ایسا ضرور ہوتا ہے کہ ایک بہت بڑا سوالیہ نشان اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایسے کہ اس کے علاوہ اس کو اور کچھ نہ دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی سجھائی دیتا ہے۔ کیا، کیوں، کیسے؟؟

ساری زندگی اور اس میں کی گئی ساری جدوجہد پھر بے کار اور بے معنی لگنے لگتی ہے۔ جیسے آغاز سے ہی کسی نے غلط اسٹیشن کی ٹرین کا ٹکٹ تھما دیا تھا اور منزل پر پہنچ کر پتا لگا کہ یہ منزل تو اس کی منزل تھی ہی نہیں۔

وہ بھی اس وقت ایسے ہی ایک موڑ پر آ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔ اپنی انتیس سالہ کامیاب لو میرج ان کو آج مذاق لگ رہی تھی اور اس عالی شان گھر کا مہنگا انٹیریئر اور اس کی خوب صورت سجاوٹ ان کا منہ چڑا رہی تھی۔

میں نے دیکھے ہیں رئیسوں کے لتاڑے ہوئے دل
میں نے جھلسے ہوئے آہوں سے جگر دیکھے ہیں

☆☆☆

ہارون کے دادا صہیب احمد ایک مشہور صنعت کار تھے۔ ان کے نام سے صہیب انڈسٹری مشہور تھی۔ ان کے دو بیٹے علی اور ارتضیٰ تھے۔ بڑے بیٹے ارتضیٰ کا بیٹا عالیان تھا۔ دونوں بیٹے برابر گھروں میں رہتے تھے۔ کیونکہ ان کے دادا کا نام مشہور تھا اسی لیے ان کے خاندان کے سب افراد اپنے نام کے آگے صہیب ہی لگاتے تھے۔

بیلا بھی ہارون کو ہارون صہیب کے نام سے ہی جانتی تھی یہ جانے بغیر کہ یہ وہی مشہور صنعت صہیب کا پوتا ہے اور نہ ہی کبھی ہارون نے اسے یہ بتانے کی ضرورت محسوس کی تھی۔

دنیا اس قدر گول تھی مگر قسمت جب نوازنے پر آئے تو لاحاصل کو حاصل بنانے کے لیے سمندر سے بھی راستے نکال دیتی ہے اور قسمت جب کچھ لینا چاہے تو باپ دادا کا خزانہ بھی چھین کر سڑکوں پر لا کھڑا

کے باوجود
اسے وہ نہ مل سکا تھا جو اس عام سی لڑکی بیلا کو بنا کسی تگ و دو اور چاہت کے مل گیا تھا۔ یہ سب قسمت کے کھیل ہیں اور قسمت کے آگے ہم سب اور ہماری ساری تدبیریں فیل ہیں۔

☆☆☆

اور پھر رات کے بعد دن آ گیا تھا جیسے ہر مشکل کے بعد آسانی اور ہر غم کے بعد خوشی آتی ہے اور دن کی چمکیلی دھوپ ان کے سروں اور قبرستان کی ویران مٹی پر یکساں برس رہی تھی۔ وہ تینوں ایک کچی قبر کے ایک طرف کھڑے تھے۔ قبر کے کتبے پر ماہم زوجہ علی صہیب لکھا تھا۔ چند دن پہلے ہارون نے اس قبر کا کتبہ بدلوایا تھا اگرچہ وہ جانتا تھا کہ زندہ لوگوں کو ذلیل کر کے مرنے کے بعد انہیں عزت دینے سے ان کی روحوں پر کوئی فرق نہیں پڑتا مگر پھر بھی۔ ان تینوں نے دعائے مغفرت پڑھی اور پھر ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹہنیاں قبر کی مٹی میں گاڑ دیں، موسیٰ قبر کی مٹی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

ہارون نے ساتھ کھڑی بیلا ہارون کو دیکھا تو وہ اداس سا مسکرا دی۔

"چلیں؟" ہارون نے اس سے پوچھا تھا۔

"ہاں۔" بیلا نے ہارون سے کہا پھر قبر کو دیکھا۔

"ہم جا رہے ہیں مگر جلد یا بدیر ہمیں بھی یہیں یا ایسے ہی کسی قبرستان میں آنا ہے اور یہ بات ہم یاد رکھیں گے ماہم علی ان شاء اللہ۔ تاکہ ایک نئی منزل اور اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر حساب دینے کو فراموش کر کے لوگوں کے حقوق پامال نہ کرنے لگیں۔"

"ہم لوگوں کو یاد ہی نہیں رہتا کہ ہمیں مرنا بھی ہے اور اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے ہر عمل کا جواب دینا ہے اسی لیے ہم اسی دنیا کو سب کچھ سمجھ لیتے ہیں اور اسے حاصل کرنے کے لیے کسی بھی حد سے گزرنے اور کسی بھی انسان کی جان و مال جس کی

سے بڑھ کر ہے کو اپنے پیروں تلے روندنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔"

ہارون جاتے جاتے بیلا سے کہہ رہا تھا، موسیٰ مڑا۔

"اللہ حافظ مما۔" اس نے ماہم کی قبر کی طرف اپنا ننھا سا ہاتھ ہلا کر کہا تھا اور پھر وہ دونوں اس کا ہاتھ تھام کر دوبارہ آنے کے لیے وہاں سے چلے گئے تھے۔

پیچھے قبرستان کا سناٹا اور ویرانی افسردہ سی مسکرا رہی تھی۔

☆☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

ملال زیست	آمنہ ریاض
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی
فصل غم کا گوشوارہ	رضیہ جمیل
دل اک گلشن	رضیہ جمیل
سوچ نگر کی رانی	رضیہ جمیل
حنا	نادرہ خاتون
چلمن	نادرہ خاتون

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

نازنین فردوس

کیا بنے گا شیبا تیرا

''شیبا۔ شیبا۔ یہ اپنے کپڑے الماری میں رکھ لو۔ تہہ تو تم کر ہی نہیں سکتیں۔ میں نے ہی کر دیے۔'' امی اسے پکارتی اس کے کمرے میں آئیں تو وہ اپنے اسمارٹ فون میں منہ دیے بیٹھی تھی۔

امی کی تو جان جل کر خاک ہوگئی۔

''شیبا۔'' وہ چلائیں۔ ''یہ کپڑے رکھنے ہیں الماری میں۔ جلدی سے الماری کھولو۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں کپڑوں کا ڈھیر لیے کھڑی تھیں۔

''اوہ۔ ہو۔ اچھا۔ امی ابھی کھولتی ہوں۔'' وہ امی کے غصہ سے ڈر کر الماری کھول چکی تھی۔ لیکن الماری کھولنے کی دیر تھی کہ الماری سے کپڑوں کی برسات ہونے لگی۔

''یہ کیا ہے شیبا! کبھی تو الماری میں کپڑے ڈھنگ سے جماؤ۔ یہ دیکھو۔ کپڑے کیسے ابل رہے ہیں۔'' امی نے ایک کھولتی ہوئی نظر شیبا پر ڈالی جواب گرے ہوئے کپڑوں کو جلدی جلدی الماری میں ٹھونس رہی تھی۔

''امی۔ پتا نہیں اس الماری کو مجھ سے کیا دشمنی ہے۔ جب دیکھو۔ غصہ سے میرا مطلب کپڑوں سے ابلتی رہتی ہے۔ اپنے پھوہڑپن وہ پردہ ڈالنے کی کوشش میں جلدی جلدی کپڑوں کو الماری میں ٹھونستے ہوئے بولی تو امی کا پارہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔

''دشمنی۔ شیبا۔ دشمنی تو تمہیں اپنے آپ سے ہے۔ تم سگھڑ، سلیقہ مند لڑکی کب بنو گی پتا نہیں۔ میں تو بس دعا ہی کر سکتی ہوں۔'' غصہ سے کہتے آخر میں امی کا لہجہ مایوس سا تھا۔

''امی! جب دعا ہی کرنا ہے تو پھر میرے لیے ایسے لڑکے کی دعا مانگیں ناں جو مجھے میری بدسلیقگی کے ساتھ قبول کرے۔'' وہ شرارتاً بولی تو امی نے پہلے الماری میں قرینے سے کپڑے رکھے۔ پھر سکون سے الماری کا پٹ بند کیا اور پلٹ کر اس کے پاس آئیں اور ایک دھموکا جڑ دیا اس کی پیٹھ پر۔

''نجانے کیا بنے گا شیبا تیرا۔''

''اف امی! کچھ بنے نا بنے میرا مربہ تو ضرور ہی بنے گا۔'' وہ اپنی پیٹھ کو ایک ہاتھ سے سہلاتے ہوئے بولی تو امی اسے گھورتی باہر چلی گئیں۔

شیبا ان کی دوسری بیٹی تھی۔ بڑی بیٹی ثوبیہ تو اتنی سگھڑ سلیقہ مند تھی کہ اس کے سارے خاندان میں چرچے تھے۔ شیبا ہوئی تو وہ یہی سمجھیں کہ وہ بھی اتنی ہی سلیقہ مند ہوگی جتنی ثوبیہ۔ مگر یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ شیبا سارے خاندان میں اپنے پھوہڑپن کی وجہ سے مشہور ہوگئی تھی۔ وہ اب سترہ سال کی ہو چکی تھی اور اب تک اسے انڈے ابالنا اور چائے بنانا بھی نہیں آتی تھی باورچی خانہ میں جا کر وہ ''امی، یہ جو آٹے جیسا ہے وہ میدہ ہے کہ بیسن پوچھتی تو امی کا خون کھولنے لگتا۔''

اب وہ رشتہ والی سے شیبا کے رشتے کی بات کر رہی تھیں۔ کیونکہ ثوبیہ نے کہا تھا۔

''امی۔ آپ رشتہ تو دیکھیں۔ باقی سب وہ سیکھ جائے گی۔''

اور امی سوچتیں۔ شیبا اور کچھ سیکھ لے۔ یہ تو اس صدی میں ناممکن سا لگ رہا ہے۔

☆☆☆

تھیں۔ وہ جو ڈائجسٹ پڑھ رہی تھی۔ ان کی آواز سن کر ان کے پاس پہنچی۔

"یہ۔ دیکھو امی نے تمہارے لیے رشتہ پسند کیا ہے اس لڑکے کی فوٹو۔" وہ اسے تصویر دکھا رہی تھیں۔ اس نے جلدی سے تصویر جھپٹ لی۔

ایک سانولا سا لڑکا گھنی مونچھوں کے ساتھ کسی ہوٹل کی ریلنگ پکڑے مسکرا رہا تھا۔

"ہمم۔ دیکھنے میں تو ٹھیک ٹھاک ہی ہے۔" اس نے تصویر کو جانچا۔

"مگر یہ بالکل بھی سالار سکندر جیسا نہیں ہے۔" اس کی بات پر آپی ہنسنے لگیں۔

"وہ تمہیں افسانوں میں ملے گا۔" اوریجنل ورژن۔ یہ ڈپلیکیٹ ہے۔ چلے گا۔"

"ویسے موصوف کرتے کیا ہیں۔" اس کو ایک اور اہم کام کی بات یاد آئی۔

"امی کہہ رہی تھیں، کسی ہوٹل میں کام کرتا ہے۔" آپی نے سادگی سے کہا تو وہ اچھل پڑی۔

"ہوٹل میں آپی۔ کہیں باورچی تو نہیں۔"

"ارے نہیں۔ باورچی نہیں ہے۔"

"ہیں۔ تو پھر کیا ویٹر ہے۔"

اس کا تو دم نکل گیا۔

"کیوں فضول سوچ رہی ہو۔ ویٹر بھی نہیں ہے۔"

"باورچی نہیں ویٹر بھی نہیں تو کیا واچ مین چپڑاسی یا پھر کلینر ہے کیا۔ اگر ان میں سے کچھ نکلا تو میں خودکشی کرلوں گی۔" وہ روہانسی ہوگئی۔

"میں پتا کرتی ہوں۔ تب تک تم میرے لیے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ۔" آپی نے لگے ہاتھوں اسے چائے بنانا سکھانا چاہا۔

"چائے تو بنا دوں گی لیکن وہ پینے کے لائق نہیں ہوگی۔ اس لیے چائے کا ارادہ ترک کریں اور یہ ڈائجسٹ پڑھیں۔" اس نے آپی کی طرف ڈائجسٹ بڑھایا تو آپی نے ڈائجسٹ پرے کیا۔

"پرے رکھو اسے۔ تم کو ہی بھاتی ہے یہ ڈائجسٹ کی مصنوعی دنیا۔ جہاں ہیروئن بھولی بھالی اور ہیرو بے انتہا خوبصورت پرسنالٹی والا۔ اور اسے وہ گاؤدی سی ہیروین پسند بھی آجاتی ہے جسے صحیح سے بات کرنا بھی نہیں آتی۔" آپی جس انداز میں اس کے ڈائجسٹ کے ہیرو ہیروئن پر تنقید کررہی تھیں اس سے تو اس کے جیسے پتنگے لگ گئے۔

"تو آپ کو کیا لگتا ہے ہیرو کو یہ سلیقہ مند، سگھڑ لڑکیاں اچھی نظر آتی ہوں گی۔ نہیں ایسی تو ہزاروں ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ ایک انوکھی لڑکی پسند کرتا ہے جو۔"

"انڈے بھی ٹھیک سے ابال نہیں سکتی۔" آپی نے اس کی بات کاٹی تو وہ چڑ گئی۔

"دیکھ لینا۔ میرا ہیرو مجھے ضرور قبول کرے گا۔" اس کے پرعزم لہجہ پر بھی آپی نے رحم نہیں کھایا۔ "آہ۔ بے چارہ۔ مجھے تو اس پر ابھی سے ترس آرہا ہے۔"

ہونہہ۔ بے چارہ۔ ہوٹل والا۔ میں امی کو کہہ دوں گی کہ اس ہوٹل والے کو ریجکٹ کردیں۔"

"ارے۔ کیوں ریجکٹ کریں ہوسکتا ہے وہ باورچی ہی ہو تو تمہاری تو لاٹری ہی نکل آئے گی نا۔ پکانے کا جھنجھٹ نہ کام۔ کرنے کی ضرورت۔ مزے سے تین وقت ہوٹل کا کھانا ملے گا پکا پکایا۔" آپی نے اسے لالچ دیا۔

"میں صرف کھانے کے لالچ میں ایک باورچی سے شادی بھی نہیں کروں گی۔" اس کے حتمی انداز پر آپی نے اپنا قہقہہ بمشکل روکا۔

"چلو" دیکھتے ہیں۔ پہلے وہ ہوٹل والے صاحب تمہیں پسند کرلیں۔ یہ بھی بہت بڑی بات ہے۔" آپی کی اس بات پر تو وہ جل کر اٹھ ہی گئی تھی۔

☆☆☆

آج صبح سے ہی امی کی تیاریاں شروع ہوگئی تھیں۔ وہ کبھی پردے بدل رہی تھیں تو کبھی کشن۔ یہاں تک کہ جہیز کا ڈنر سیٹ بھی نکال چکی تھیں جسے دیکھ کر وہ بے ہوش ہوتے ہوتے رہ گئی تھی۔ یہ وہ ڈنر سیٹ تھا جو امی کی شادی پر جس طرح آیا تھا آج تک اسی طمطراق کے ساتھ شوکیس میں سجا رہتا تھا۔ مجال ہے جو کبھی کسی خوشی غمی کے موقعہ پر بھی اسے نکالا گیا ہو۔ اسی لیے وہ اکثر کہتی تھی۔

"امی۔ بھلے سے آپ کو، ابو کو، ہم سب کو زمانے کے کتنے دھکے لگے ہوں مگر یہ واحد ڈنر سیٹ ہے جسے شادی سے لے کر آج تک ایک دھکا بھی نہیں لگا۔"

ابو کو اس کی بات اتنی پسند آئی تھی کہ انہوں نے اسے اپنے دل کی باتوں کا قانونی ترجمان کا درجہ دے دیا تھا۔

امی نے حسب معمول ایک دھموکا اس کی پیٹھ پر لگا دیا تھا اور کہا تھا۔ "کیا بنے گا شیبا تیرا۔"

تو آج وہ نادر ڈنر سیٹ نکلا تھا تو ضرور کچھ انوکھی بات ہوگی۔

"مگر کیا"۔ وہ سوچنے پر مجبور ہوگئی۔ اس کی مشکل آپی نے حل کردی۔

"وہ آرہے ہیں تمہیں دیکھنے۔" وہ رکیں۔

"ہوٹل والے"۔ اپنی بات مکمل کرتے وہ چھنے کا فریضہ بھی انجام دے چکی تھیں۔

"کیا۔" وہ چیخی۔ "میں نے کہا تو تھا مجھے کسی ہوٹل والے سے شادی نہیں کرنی۔"

"مگر لگتا ہے انہیں کرنی ہے تم جیسی پھوہڑ سے شادی۔ اسی لیے اپنی قسمت پھوڑنے آرہے ہیں۔ بے چارے۔" آپی کہتی یہ جا وہ جا۔ وہ جوابی حملہ کرنے کا سوچتی ہی رہ گئی۔

"ابھی۔ کرتی ہوں۔ اس ہوٹل والے کا کام پکا۔" اس نے ٹیبل پر رکھا امی کا اسمارٹ فون لیا۔ اور واٹس ایپ کھولا۔

وہاں کچھ پیغامات تھے اور بائیو ڈیٹا جس میں لڑکے کا فون نمبر بھی درج تھا۔

اس نے اپنے فون میں اس نمبر کو سیو کیا اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔

"محترم۔ آداب۔ دراصل میں شیبا، آپ سے اپنے "من کی بات کرنے والی ہوں۔ سچ پوچھیں تو آپ لوگ جو آج مجھے دیکھنے آرہے ہیں تو ضرور آئیں۔ میں منع نہیں کروں گی۔ بقول آپی کہ اگر قسمت پھوٹنا ہی ہے تو مجھ سے کیوں نہیں۔

کیونکہ۔ میں نمبر ون کی پھوہڑ ہوں۔ مجھ سے چائے تو کبھی بنی نہیں۔ یا تو وہ جل جاتی ہے یا میں۔ کچن میں جاتی ہوں تو اکثر پیر کانپنے لگتے ہیں۔ کسی چیز کی سمجھ میں نہیں آتی۔ عجیب سی چیزیں جو ہوتی ہیں کچن میں۔

اب اس زیرہ ہی کو لیں۔ ایک زیرہ کافی نہیں

تھا کہ اسے شاہ زیرہ بھی بنا ڈالا۔ برصغیر میں تفریق بہت ہے ہر چیز میں۔ ایک غریب زیرہ تو ایک شاہ۔ واہ۔

اور ایک آٹا ہوتا ہے جو کبھی کارن فلور تو کبھی میدہ۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ان دونوں کو ایک جیسا رکھ کر مجھے کیوں سزا دی جاتی ہے۔ میں کبھی کارن فلور کے بسکٹ بنا دیتی ہوں تو کبھی میدہ سے مچھلی تل لیتی ہوں۔ عجب ہی گورکھ دھندا ہے۔ ہے ناں۔ والوں کو دیکھ کر تو دل انہیں کچا چبانے کو چاہتا ہے۔ خیر۔ میری ان سب باتوں کا مقصد ایک ہی ہے کہ آپ یہاں تشریف نہ لائیں۔ آپ کو از حد مایوسی ہوگی۔

ہاں اگر پکا ارادہ کر ہی لیا ہے تو آتے ہوئے رس گلے ضرور لائیں کہ مجھے بہت پسند ہیں۔ اور اس کی ایک ہی شرط ہے کہ رس گلے ہوں اور ڈھیر سارے ہوں۔ خیر۔ اب بس۔ ورنہ امی آ جائیں گی اور ایک دھمو کا پیٹھ پر جڑ کر کہیں گی۔

''کیا بنے گا شیبا تیرا''

اس لیے خدا حافظ۔

اس نے جلدی جلدی ٹائپ کیا۔ سینڈ کیا اور باہر آ گئی۔

امی کی صفائی بھی آخری مرحلے میں تھی۔ وہ اب طائرانہ نظر دالان پر ڈال رہی تھیں کہ ان کی وہ طائرانہ نظر اس پر پڑ گئی۔

''رکو۔ یہ تم کیا لے جا رہی ہو۔ کچن سے۔'' مشکوک سے انداز پر چونک گئی تھیں۔

''کہیں۔ سموسے تو نہیں لیے۔ وہ میں نے مہمانوں کے لیے رکھے تھے۔''

''افوہ! امی۔ مجھے سموسے کھانے میں دلچسپی ہے بھی نہیں۔ میں تو رس گلے کھاؤں گی رس گلے۔''

''ہاں۔ ہاں رس گلے تو پسند ہیں تمہیں مگر بنانے کب آئیں گے۔'' امی نے لگے ہاتھوں اسے لتاڑ کر اپنا کوٹہ پورا کرنا چاہا۔

''بنائے تو تھے ایک بار۔ جب دودھ پھٹا تھا۔'' اس نے امی کو یاد دلایا۔

''ہاں وہ رس گلے جو کڑھائی میں جا کر پھر سے پنیر بن گئے تھے۔'' امی کو جانے کیا کیا یاد آ گیا تھا۔

''بس۔ اب یہ رس گلہ نامہ بند کرواور جا کر ذرا ڈھنگ کے کپڑے پہن لو۔'' انہوں نے اسے حکم دیا اور خود کچن میں چلی گئیں۔

☆☆☆

وہ جب ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو کچھ نروس تھی۔ آپی نے اسے میک اپ کر کے شیبا سے ''ملکہ شیبا'' بنا دیا تھا۔ انارکلی اسٹائل سرخ فراک پہنے وہ نظریں جھکائے بیٹھ گئی تھی۔

''ماشاء اللہ بہت پیاری ہے آپ کی بیٹی۔'' ان خواتین میں سے ایک نے تعریف کی۔

اس بات پر جہاں وہ اترائی۔ امی ''جی بس شکل ہی اچھی ہے۔'' والے انداز میں وہ مسکرا کر رہ گئیں۔

''کہاں تک پڑھا ہے آپ نے'' ایک اور خاتون نے سوال کیا

''میں تھرڈ ایئر میں ہوں۔'' اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

''اچھا۔ کچھ پکانا وغیرہ جانتی ہو۔'' پہلی والی خاتون نے سوال کیا۔ اور اس کی حالت ایسی ہو گئی جیسے امتحان میں وہ سوال آ گیا ہو۔ جس کا جواب اسے پتا نہیں۔

''امی۔ آپ مٹھائی دیں ناں آنٹی کو۔'' ایک مردانہ آواز پر وہ چونک گئی۔

''ہاں ہاں۔ میں تو بھول ہی گئی۔ یہ لیجیے بہن۔'' ان خاتون نے امی کو مٹھائی کا ڈبا پیش کیا تو امی نے اسے تھام لیا۔

شیبا کا اٹکا سانس بحال ہوا تھا۔

امی نے ڈبا کھولا تو رس گلے دیکھ کر وہ حیران رہ گئیں۔

''اسے رس گلے پسند ہیں، ان لوگوں کو کیسے پتا چلا۔'' وہ سوچ میں پڑ گئیں۔

امی نے رس گلے کا ڈبا ٹیبل پر رکھا تو شیبا کی نظر بھی اس پر پڑ گئی۔

''ہائیں رس گلے۔ اس بندے نے کچھ زیادہ ہی سیریس نہیں لیا۔'' وہ رس گلوں کو گھورتی سوچ رہی تھی۔

''اچھا بہن۔ ہم اب چلتے ہیں'' وہ سب کھڑی ہوئیں تو شیبا بھی اپنے کمرے میں آ گئی۔ تب ہی اس کے فون پر نوٹی فکیشن آئی۔ اس نے کھولا۔

''محترمہ شیبا۔''

من کی بات تو آمنے سامنے بیٹھ کر کرتے ہیں۔ آپ نے فون پر ٹرخا دیا۔ کوئی بات نہیں آگے کئی مواقع آئیں گے۔ من کی بات کرنے کے۔

اگر آپ چائے نہیں بنا سکتیں تو کوئی بات نہیں۔ مجھے کون سا چائے کا ہوٹل کھولنا ہے۔ انڈے ابالنا بھی کوئی کام ہے جسے نہ آنے پر آپ پریشان ہیں۔ ہاں آٹے میں آپ یہ بتا نہیں پاتیں کہ میدہ کون سا اور کارن فلور کون سا تو مجھے یہ پوچھنا تھا کہ کارن فلور کے بسکٹ ذائقے میں کیسے ہوتے ہیں۔ میں ضرور اپنے ہوٹل میں ٹرائی کروں گا۔

آپ کی سادگی اچھی لگی۔ ان تمام بناوٹی لڑکیوں سے ہٹ کر جو پھوہڑ ہو کر بھی اپنے آپ کو سلیقہ مند بتانے کی کوشش میں مصروف رہتی ہیں۔ اور ہوٹل سے بریانی منگوا کر خود کو بریانی ایکسپرٹ بتاتی ہیں۔ اس لیے جب مقدر آزمانا ہی ہے تو پھر تیرا آستانہ کیوں نہیں۔

''رس گلے حاضر ہیں۔ آپ پہلی لڑکی ہیں جو رس گلے پر راضی ہو رہی ہے۔ یہ رس گلے ہمارے ہوٹل میں ملتے ہیں، آپ آرڈر کر سکتی ہیں۔''

(ہائیں۔ یہ تو یہاں بھی بزنس لے کر بیٹھ گیا۔) اس کا پڑھتے پڑھتے منہ بن گیا تھا۔

''ویسے شادی کے لیے چھ مہینے کا ٹائم ہے۔ آپ پکوان ضرور سیکھیں۔ کیونکہ ہوٹل میں کام ضرور کرتا ہوں مگر کھانا گھر کا ہی ہوں۔''

شعیب محمد ایم بی اے۔ ہوٹل منیجر

''اف۔'' شیبا نے پڑھا تو اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے فون رکھ دیا۔

☆☆☆

شام میں امی ابو کو بتا رہی تھیں۔

''آپ کی نالائق بیٹی کو پسند کر لیا ہے انہوں نے۔'' اگلے چھ مہینے میں شادی رکھیں گے۔''

''یہ تو اچھی بات ہے۔ مگر یہ نالائق کیا ہوتا ہے۔ وہ ذہین ہے پکوان بھی سیکھ جائے گی۔ کوئی مشکل بات تو نہیں۔'' ابو کھانا کھاتے اس کی طرف داری میں بولنے لگے۔

''جی۔ میں نے شروعات کر دی ہے۔ انڈے ابالنے کے لیے کہے تھے اسے۔'' امی نے جواب دیا۔

''شیبا! انڈے ابالنے رکھے تھے۔ ابلے کہ نہیں۔'' ان کے پوچھنے کی دیر تھی۔ کچن سے ایک زوردار دھماکے کی آواز آئی۔

''کیا ہوا؟'' امی فوراً کچن کی جانب بھاگیں تو دیکھا۔

جس برتن میں انڈے ابالنے کے لیے رکھے تھے۔ وہ فرش پر گرا ہوا تھا فرش پر اور انڈے بکھرے ہوئے

''یہ انڈے کیسے ٹوٹے؟''

''امی۔ آپ نے ہی کہا تھا کہ دیر تک ابالنا۔'' وہ اپنے بالوں میں سے انڈے کا چھلکا کھینچ کر نکالتی بولی۔

''ہاں۔ مگر اتنی دیر تک تھوڑی کہا تھا کہ پانی ہی سوکھ جائے۔'' وہ اسے قہر برساتی نظروں سے دیکھ کر بولیں۔

''اس سے پہلے جب جلدی نکال لیے تھے تو آپ نے ہی کہا تھا کچے رہ گئے۔''

''ہاں تو اتنے کچے رہ گئے تھے کہ چھلکا ہی نہیں اتر رہا تھا۔ اور اب۔'' وہ اطراف میں بکھرے انڈے دیکھ کر سر تھام کر رہ گئی تھیں۔

''شیبا۔ کیا بنے گا تیرا۔''

☆☆

قارئین اب گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں

ہماری بہت سی قارئین جو دور دراز علاقوں میں رہتی ہیں ان کے لیے اکثر و بیشتر پرچوں کا حصول دشوار ہوتا ہے اور موجودہ حالات نے تو اسے مزید دشوار بنا دیا ہے۔ جس کی بناء پر ہماری قارئین کو پرچا حاصل کرنے میں دشواری کا سامنا ہے۔ ان حالات میں آپ کو گھر بیٹھے پرچا مل سکتا ہے۔

ہم آپ کے دروازے پر پرچا پہنچائیں گے اور آپ کو اس کے لیے صرف پرچے کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ کوئی اضافی رقم آپ سے وصول نہیں کی جائے گی۔ پرچے کی پیکنگ اور ڈاک کے اخراجات ادارہ برداشت کرے گا۔ ہمیں درج ذیل رقم بھجوا کر آپ ہر ماہ باقاعدگی سے گھر بیٹھے پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

اگر آپ کو پرچا اندرون ملک نہیں مل پایا ہے تو آپ ایک پرچے کی رقم -/150 روپے بھجوا کر پرچا حاصل کرسکتی ہیں۔

رقم بھجوانے کا آسان ترین طریقہ ایزی پیسہ ہے۔

آپ کسی بھی ایزی پیسہ شاپ، ایزی پیسہ موبائل ایپ یا بینک اکاؤنٹ سے ہمارے اکاؤنٹ نمبر 0317-2266944 میں رقم بھیج کرسکتے ہیں۔

سالانہ خریدار اندرون ملک قارئین کے لیے:

فی ڈائجسٹ -/1800 روپے بھجوائیں

سالانہ خریدار بیرون ملک قارئین کے لیے:

بیرون ملک پاکستانی درج ذیل طریقہ سے رقم بھجوائیں۔

ڈرافٹ بنام "عمران ڈائجسٹ، اکاؤنٹ نمبر 0010000015680030، الائیڈ بینک لمیٹڈ، عیدگاہ برانچ، کراچی، آن لائن کے لیے PK44ABPA0010000015680030"، کوشش کریں کہ ڈرافٹ یا چیک کراچی کی کسی برانچ کا ہو اگر کراچی کے علاوہ کسی اور شہر کا ہو تو -/500 روپے زیادہ روانہ کریں، کیونکہ دوسرے شہر کا چیک ہونے کی صورت میں بینک -/500 روپے کمیشن کاٹتا ہے۔

فی ڈائجسٹ ایشیا، افریقہ، یورپ -/22000 روپے، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا -/25000 روپے۔

کسی بھی معلومات اور آڈر کے لیے اس واٹس ایپ نمبر 0317-2266944 پر رابطہ کریں

ایجنٹ حضرات اس واٹس ایپ نمبر 03312266944 پر رابطہ کریں

ماہِ اِملوک

لاہور کے ذکی دروازے کی سمت بہت شان دار حویلیاں تھیں ان میں سے ایک مرزا جہاں زیب کے دادا مرزا ہمایوں بیگ نے بنوائی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں جدید تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کی گئی تھیں۔

مرزا جہاں زیب اپنے والد کی اکلوتی اولاد تھے اللہ نے انہیں چار بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا تھا۔ بیٹوں، بیٹی کی شادی ہو چکی تھی۔ اوپر والی منزل میں اورنگ زیب بیگ اور ارباب بیگ رہائش پذیر تھے جب کہ خود جہاں زیب بیگ گرائنڈ فلور پر دونوں چھوٹے بیٹوں شاہ زیب اور ظفریاب کے ساتھ رہتے تھے۔

اورنگ زیب کی دو بیٹیاں دو بیٹے تھے۔ ارباب بیگ کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔

ظفریاب کا بیٹا آزین اور شاہ زیب بیگ کی بیٹی زمل کا نکاح ہو چکا تھا۔

شاہ زیب بیوی کے مرنے کے بعد گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ ظفریاب کچھ سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار ہو گئے تھے، وہ بہت برا وقت تھا، نہ جانے کیا ہوا کہ ان کی بیوی نے ان کے واپس آنے کے بعد طلاق لے لی۔ ظفریاب دوسری شادی کر کے ملک سے باہر چلے گئے۔

ابرار شاہ ایک بڑے وڈیرے اور سیاست دان کا بیٹا تھا جو صبوحی سے یونی ورسٹی کے زمانے سے محبت کرتا تھا جبکہ وہ شادی شدہ تھا اور اس کے دو بچے تھے۔ ظفریاب سیاسی ہنگاموں میں غائب ہوئے تو صبوحی ان کو تلاش کرتے ابرار شاہ سے ملتی ہیں وہ ظفریاب کی رہائی کے بدلے صبوحی سے شادی کرنا چاہتے تھے وہ راضی ہو جاتی ہیں یوں ظفریاب کی رہائی اور تندرستی کے بعد وہ طلاق لے لیتی ہیں اور ابرار شاہ سے شادی کر کے یو کے چلی جاتی ہیں۔

سمیرا ابرار شاہ کی پہلی بیوی کی بیٹی ہے جو بدلہ لینے کی خواہش میں زین اور زمل کے بیچ دراڑیں ڈالتی ہے وجدان کو سمیرا کی یہ حرکتیں ناگوار گزرتی ہیں۔ زمل اختر بانو کے پاس نومان کی شادی کے سلسلے میں جاتی ہے۔ منیرہ کے گھر جاتے ہوئے رستے میں زمل کو اغوا کر لیا جاتا ہے چراغ سائیں اس کی اطلاع اختر بانو کو دیتے ہیں وہ پہلے ہی دل کے عارضے میں مبتلا ہاپنی کانپتی ڈیرے پر آتی ہیں اور جذبات میں شایان کا سچ نکل جاتا ہے کہ وہ ان کا خون ہے۔ شایان اور زمل کے لیے یہ انکشاف حیران کن تھا۔ شایان ثمرہ سے اس بابت پوچھ گچھ کرتا ہے اور وہ خوب روتی چلاتی ہے۔ چراغ سائیں کا انتقال ہو جاتا ہے حویلی سے اس کا جنازہ اٹھایا جاتا ہے۔

زمل کو لینے مرتضیٰ آتا ہے شاہ زیب بیگ نارمل ہو رہے ہیں۔

اقبال بارہ سال ترکی کی جیل کاٹ کر پاکستان لوٹتا ہے اسے یاد آتا ہے کہ اس نے کس طرح ماسٹر عبدالعزیز، زیب النساء اور اس کے شوہر کے بیچ جھوٹ بول کر دوری کروائی اسے یقین ہے کہ زیب النساء کی زندگی خراب کرنے کی اسے سزا مل رہی ہے۔

زین جو اپنی ماں صبوحی سے ناراض تھا، اس کا سچ ابرار شاہ اسے بتاتا ہے۔ زین تمام تر بہکاوں کے باوجود زمل سے اپنے دل کی بات کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے کہ اسے زمل کے نام جبران کا محبت نامہ مل جاتا ہے اور وہ ہمیشہ

مکمل ناول

کے لیے باہر جانے کا ارادہ کر لیتا ہے۔ شانزہ کو عقیل نے طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ یمیرا زل سے ملنے آتی ہے اور اسے جبران کی ناراضی کی بتاتی ہے زل اسے سنبھالتی ہے۔ آزین کے سارے دوست اس کے جانے کی وجہ جاننا چاہتے ہیں لیکن ہزار بدگمانیوں کے باوجود وہ زل اور اپنے رشتے کی نفی نہیں کرتا۔

زیب النساء کی سہیلی زیتون اختر بانو کے پاس اس کا نکاح نامہ اور تصویر لے جاتی ہے اختر بانو ششدر رہ جاتی ہے۔

اکیسویں قسط

زیتون بھی کھڑی ہوگئی تھی۔ اس کا پاگل دل یوں دھڑ دھڑ کر رہا تھا جیسے ابھی اختر بانو اپنے ابا جان کو فون کریں گی اور ابھی زیب النساء کے شوہر کا پتا چل جائے گا۔ جیسے وہ زیتون نہیں رہی تھی زیب النساء بن گئی تھی۔ وہ صحن میں کھڑی تھی اور اس کی نظریں برآمدے میں کھڑی ریک سے ریسیور اٹھاتی اور پھر نمبر ملاتی ہوئی اختر بانو پر تھیں۔ اختر بانو نے بس ایک منٹ ہی بات کی تھی اور پھر ریسیور کریڈل پر ڈال کر مڑیں اور نظر صحن میں کھڑی اپنی طرف دیکھتی زیتون پر پڑی تو اشارے سے اسے بلایا۔ وہ تیز تیز چلتی ہوئی اختر بانو کے سامنے جا کر کھڑی ہوگئی اور بے قراری سے انہیں دیکھنے لگی۔

''ابا جان سے بات نہیں ہو سکی زیتون، وہ گھر پر نہیں تھے۔ رات کو پھر بات کروں گی ان سے۔''

اختر بانو پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئی تھیں۔ ایک نا معلوم سی اداسی کا غبار اندر پھیلتا جا رہا تھا۔

''تمہارے شوہر نے بہت ظلم کیا زیتون۔ پتا نہیں معصوم بچے کو مار ڈالا یا......''

''نہیں...... نہیں جی مارا نہیں اس نے، اتنا دل گردہ نہیں ہے اس کا کہ کسی کی جان لے لیتا۔'' زیتون یکدم بول اٹھی تھی۔

''جب فالج نہیں ہوا تھا اسے تو سینکڑوں بار پوچھا تھا اس سے کہ کہیں مار تو نہیں ڈالا اس نے شہزادے کو، تو قسم کھاتا تھا کہ اس نے کچھ نہیں کیا اس کے ساتھ بس اتنے بڑے شہر میں گم ہوگیا اس سے۔ اب تو صحیح سے بات ہی نہیں کر سکتا۔ فضل تو ہر چند دن بعد اس سے پوچھتا ہے کہ کہاں گم ہوا تھا شہزادہ لیکن وہ بس اوں آں کر کے رہ جاتا ہے۔''

''اچھا۔'' اختر بانو نے ایک گہری سانس لی۔

''کیسا تھا تیرا شہزادہ۔'' آنکھوں میں اشتیاق سا تھا۔

''بڑا سوہنا تھا جی۔ سچ مچ شہزادہ ہی تھا۔ اصل نام سے تو کوئی بلاتا ہی نہیں تھا سب شہزادہ ہی کہتے تھے۔ بڑی بڑی بے حد خوب صورت کھور سیاہ آنکھیں گندمی رنگ، کنڈل (گھنگریالے) والے خوب صورت ریشمی بال۔ اور بہت پیاری سی ناک سارے نقش ہی سوہنے تھے جی، جب صفدر اسے لے کر گیا تھا تو پانچویں کا امتحان پاس کر چکا تھا۔ جانے کہاں رل رہا ہوگا۔ زندہ بھی ہوگا یا نہیں۔''

زیتون کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔ اختر بانو کو اپنے دل میں بھی سناٹے سے اترتے محسوس ہوئے تھے۔

''اللہ سے دعا کیا کرو زیتون، وہ جہاں بھی ہو زندہ ہو خوش ہو۔''

''میری تو لوں لوں دعا کرتی ہے کہ اسے کچھ نہ ہوا ہو۔ صفدر کے گناہ کا بوجھ کچھ تو ہلکا ہوگا نا۔''

''ماسی تاج۔'' اختر بانو نے آواز دی تو جانے کہاں سے نکل کر ماسی تاج سامنے آئی۔ تھوڑا سا سر خم کیا۔

''حکم بی بی سائیں۔''

''یہ زیتون ہے، منیرہ کی اماں پہلی بار حویلی آئی ہے۔''

''جی بی بی سائیں۔ ابھی حاضر ہوئی۔''

وہ واپس مڑ گئی تھی۔ جانتی تھی کہ اسے کیا کرنا ہے۔ حویلی میں ہاریوں، کامیوں کی بہو بیٹیاں جب پہلی بار آتیں تو انہیں خالی ہاتھ نہ بھیجا جاتا تھا۔ حویلی میں ہمیشہ ہی ان کے لیے جوڑے ہوتے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد ماسی تاج ایک شاپر لے کر واپس آئی تو اختر بانو نے اشارہ کیا کہ زیتون کو دے۔

''یہ تمہارے لیے چھوٹا سا تحفہ ہے۔''

''جی...... جی۔'' زیتون جو جاتے جاتے اختر بانو کے روکنے پر رک گئی تھی بوکھلا گئی تھی۔

''ہماری حویلی کی ریت ہے کہ پہلی بار حویلی آنے والے کو خالی ہاتھ نہیں بھیجا جاتا۔''

ماسی تاج نے جوڑے والا شاپر اسے پکڑایا تو شکریہ ادا کر کے وہ منیرہ کے پاس واپس چلی گئی۔ منیرہ

جو اس کا انتظار کر رہی تھی اسے لے کر صحن کا دروازہ کھول کر باہر چلی گئی تو اختر بانو کچھ دیر یوں ہی بیٹھی خالی صحن کو دیکھتی رہیں پھر اٹھ کر لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئیں۔ ٹی وی لگانے کے لیے ریموٹ اٹھایا پھر رکھ دیا۔ دل ایک بار پھر اداسی کی لپیٹ میں آ رہا تھا۔ ہاتھ میں پکڑے نکاح نامے اور تصویر پر ایک نظر ڈال کر اپنے پاس ہی رکھ دیا تھا۔

''کیا سوچا جا رہا ہے بڑی امی۔'' شایان کہیں جانے کے لیے تیار ہو کر کمرے سے باہر نکلا تو سامنے ہی صوفے پر بیٹھی اختر بانو پر نظر پڑی تھی۔

''ہاں کچھ نہیں۔ بس ایسے ہی۔'' اختر بانو چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

''ابا جان کے متعلق سوچ رہی تھی۔ آخری بار جب بات ہوئی تو لاہور آنے کا کہہ رہے تھے اداس ہو رہے تھے۔''

''تو چلتے ہیں پھر لاہور میرا بھی جی چاہ رہا ہے سب سے ملنے کو۔ پہلے جب میں گیا تھا تو ان کے اور اپنے رشتے سے واقف نہ تھا۔ پھر جب وہ شادی پر آئے تو میں اس ہجوم میں کسی کو بتا ہی نہ سکا شاید زمل نے بھی کسی کو نہیں بتایا تھا کہ ان کی نظروں میں میرے لیے وہ اپنائیت نہ تھی جو امان اور ریحان بھائی وغیرہ کے لیے تھی۔''

''ہاں میں نے ہی زمل کو منع کر دیا تھا کچھ بھی بتانے سے۔'' اختر بانو نے سائیڈ پر پڑا کشن اٹھا کر پاس پڑے نکاح نامے اور تصویر پر رکھا۔

''یہ تو زیادتی ہے نا بڑی امی، میرے ساتھ بھی اور آپ کے ساتھ بھی۔'' شایان اب بھی اسے بڑی امی ہی کہتا تھا۔

''میرے ساتھ کیسے۔'' اختر بانو نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''بھئی آپ کے بھائیوں وغیرہ کو معلوم ہونا چاہیے نا آپ کی اس عظیم قربانی کا۔ اور انہیں پتا چلنا چاہیے کہ ان کے والدین نے ان کی بہن کی تربیت کیسے کی ہے۔''

اس کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''میں مانی سے کہتا ہوں سب کو بتا دے میرے متعلق تاکہ میں جب آپ کے ساتھ جاؤں تو نئے رشتوں کو انجوائے کروں۔ پتا ہے جب میں اپنے حقیقی نانا ابا کا موازنہ شہباز نانا سے کرتا ہوں تو حیران ہوتا ہوں، کتنا فرق ہے دونوں میں، وہ کتنے نرم، مہربان اور شفیق سے ہیں۔ کتنی نرمی اور ملائمت سے بات کرتے ہیں اپنے ملازموں سے بھی اور شہباز نانا اور دلاور ماموں وغیرہ تو بلند آواز میں اور حقارت سے بات کرتے ہیں اپنے ملازموں اور کامیوں سے میرے اندر دلاور ماموں والی بہت سی عادات ہیں۔ ماحول فطرت پر اثر انداز ہوتا ہے اور تربیت بھی۔''

''ثمرہ آپا کے خیال سے منع کیا تھا میں نے کہ انہیں اچھا نہیں لگے گا اور ابا جان کو تو علم ہے کہ تم ان کے نواسے ہو اور جو بات باقی لوگ نہیں جانتے اب جان لیں گے تو کیا فرق پڑے گا۔''

اختر بانو نے ذرا سا رخ موڑ کر ثمرہ کے بیڈ روم کے دروازے کی طرف دیکھا کہ ثمرہ آج کل جیسے نگرانی کرتی رہتی تھی شایان کی کہ وہ چند لمحوں کے لیے بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ جاتا تو بے چین ہو جاتی تھی اور کسی نہ کسی بہانے اسے اٹھا کر لے جاتی تھی۔

''لیکن مجھے فرق پڑتا ہے بڑی امی۔ میں بھی امان کی طرح بغیر کسی جھجک کے اپنے نانا کے گھر جانا چاہتا ہوں۔ میرا بھی جی چاہنے لگا ہے کہ میں کچھ روز نانا جان کے پاس جا کر رہوں ان کی محبتوں کو انجوائے کروں ان کے علم سے مستفید ہوں۔ پتا ہے بڑی امی ان کے طالب علم ان کے پاس آتے ہیں تو گھنٹوں بیٹھے انہیں سنتے ہیں۔ میں نے کئی بار دیکھا تھا جب میں کبھی امان کے ساتھ جاتا تھا تو طالب علموں نے انہیں گھیرا ہوتا تھا ایسا لگتا تھا ایک علم کا دریا ہے جو بہتا چلا جا رہا ہے۔''

وہ بڑے جذب سے بول رہا تھا۔ اختر بانو پر سوچ انداز میں اسے دیکھ رہی تھیں۔

''اس میں سوچنے کی کیا بات ہے بڑی امی

فیکٹ از فیکٹ۔ میں آج نانا جان سے بات کروں گا۔ آپ پروگرام بنائیں کب چلنا ہے۔" اس کا انداز حتمی تھا۔

"ریحان آجائے تو پھر ہی پروگرام بناتی ہوں جانے کا۔ تمہارے بابا جان کہہ رہے تھے اسی ہفتے کے آخر تک آرہا ہے تو مہرین کی بھی رخصتی کروالیں گے شاید ایک دو ماہ رہے گا یہاں۔"

"واؤ اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں کہ ریحان بھائی آرہے ہیں۔" شایان نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے شکوہ بھی کر دیا۔

"تم یہاں کب تھے رات ہی تو آئے ہو کراچی سے اور پھر میرا خیال تھا وہاں کراچی میں تمہیں پتا چل گیا ہوگا۔ نومی سے۔" اختر بانو مسکرائیں۔

"میں دراصل زیادہ تر خالہ کی طرف رہا۔" بات کر کے وہ جھینپ سا گیا۔

"تمہارے بابا جان سے بات کرتی ہوں کہ مہرین کے ساتھ گل رعنا کو بھی رخصت کروالیں۔" اختر بانو اسی طرح مسکراتی ہوئی اسے دیکھ رہی تھیں۔

"نہیں نہیں ابھی اتنی جلدی نہیں۔" اس نے بے اختیار نفی میں سر ہلایا۔ وہ اتنی جلدی خود کو پابند نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"خیر ابھی تو ڈیرے پر جا رہا ہوں۔ زمان چچا نے کہا تھا کچھ کام ہے۔ آجانا۔ واپس آکر نانا جان کو فون کرتا ہوں۔" ثمرہ نے اپنے کمرے سے باہر آتے ہوئے اس کا آخری جملہ سنا تھا اور تیر کی طرح ان کے قریب آئی تھی۔

"بس اب یہ ہی کسر رہ گئی تھی اختر بانو کہ میرے بچے کے اپنے میکے والوں سے فون پر رابطے کرواؤ اور وہ تمہارے مشورے میکے والے میرے بچے کو میرے خلاف ورغلائیں۔ اسے۔"

"بس امی۔" شایان نے ہاتھ اٹھا کر ثمرہ کو مزید کچھ کہنے سے روکا۔

"مزید کچھ بھی مت کہیے گا۔"

ثمرہ کی حالت ان دنوں عجیب سی ہو رہی تھی اسے ہر وقت یہ وہم ستاتا رہتا کہ اختر بانو ایک روز شایان کو اس سے چھین لیں گی۔ حالانکہ اختر بانو کوشش کرتی تھی کہ وہ ثمرہ کے سامنے شایان کی طرف دیکھیں بھی نہ۔ نعمان کی شادی کے فنکشنز میں بھی ثمرہ کم ہی شریک ہوئی تھی۔ کوئی نہ کوئی بہانہ کر لیتی شایان کو بھی روکنے کی کوشش کرتی تھی لیکن وہ بچپن سے ہی اپنی مرضی کرنے کا عادی تھا سو اپنی مرضی کرتا تھا۔ اس نے معذرت طلب نظروں سے اختر بانو کی طرف دیکھا جن کی آنکھوں میں درد ہلکورے لیتا تھا اور ایک بازو ثمرہ کے گرد حمائل کیے اسے اس کے کمرے میں لے آیا۔

"آپ اس طرح کیوں کرتی ہیں امی، کیا خوف ہے آپ کو۔" اس نے ثمرہ کو بیڈ پر بٹھا دیا تھا ثمرہ خاموش ہی رہی تھی۔

"میں آپ کا بیٹا ہوں اور ہمیشہ آپ کا ہی بیٹا رہوں گا۔" ثمرہ کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ یہ یقین دہانی نہ جانے کتنی بار وہ اسے کروا چکا تھا۔

"بڑی امی نے مجھے جنم دیا جس کا علم مجھے پہلے نہیں تھا لیکن تب بھی کبھی کبھی میں ان کے لیے ایک نا معلوم سی کشش محسوس کرتا تھا جو خون کے رشتے کی وجہ سے فطری تھی۔ اب بھی اس سے کچھ زیادہ نہیں ہے۔ آپ نے مجھے پالا ہے اور بڑی امی کہتی ہیں پالنے کی محبت بہت ظالم ہوتی ہے مجھے آپ کا خیال پہلے سے بھی زیادہ کرنا چاہیے۔ میں آپ سے جتنی محبت کرتا ہوں ان سے نہیں کرتا آپ مجھے اتنی ہی محترم اتنی ہی عزیز ہیں جتنی پہلے تھیں۔ میری اصل ماں تو وہ ہی ہو سکتی ہے جس کی گود میں، میں نے آنکھیں کھولیں جسے پہلی بار میں نے امی کہا جس نے مجھے انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔" وہ ثمرہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے ہولے ہولے تسلی آمیز لہجے میں بول رہا تھا۔

"اچھا تم مجھے کبھی چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گے نا۔" ثمرہ کی آنکھوں میں بے یقینی سی تھی جیسے اس نے جو کچھ کہا ہے اس پر اسے یقین نہ ہو۔

...کون بیٹا ہے جو اپنی ماں کو چھوڑ کر جا سکتا ہے۔" وہ مسکرایا۔

"لیکن اگر اختر بانو نے تم سے کہا مجھے چھوڑ دو تو۔" بے یقین سی سوالیہ نظریں اس کے چہرے پر جمی تھیں۔

"وہ کبھی بھی ایسی بات نہیں کر سکتیں۔" اس نے پورے یقین سے کہا۔

"یہ تم کہہ رہے ہو نا لیکن میرا دل بار بار کہتا ہے کہ اختر بانو نے جب تم سے کہا مجھے چھوڑ دو تو تم مجھے چھوڑ دو گے ظاہر ہے وہ تمہاری سگی ماں ہے میں نہیں۔"

"آپ کیا چاہتی ہیں میں ایسا کیا کروں کہ آپ کو یقین آجائے مجھ پر۔" ثمرہ کی بات سن کر وہ جھنجھلایا تھا۔

"میں جو چاہتی ہوں وہ تم نہیں کر سکو گے۔" ثمرہ کی آنکھوں میں وحشیانہ سی چمک تھی اور ہونٹوں پر پراسراری مسکراہٹ۔

"آپ بتائیں تو کیا خبر کرلوں۔"

اس نے اپنے ہاتھوں میں دبے ثمرہ کے ہاتھ کو ہولے سے دبایا وہ چاہتا تھا کسی بھی طرح ثمرہ پرسکون ہو جائے اور اس خوف سے نکل آئے کہ اختر بانو اسے چھین لیں گی۔

"تو اختر بانو نامی اس بلا کو مار دو۔ کسی روز موقع دیکھ کر گلا گھونٹ دو اس کا۔ وہ جب تک زندہ ہے میں بے سکون رہوں گی۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔"

اس نے یکدم اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔ ہکا بکا سا اسے دیکھنے لگا تھا۔

"میں نے کہا تھا نا کہ میں جو چاہتی ہوں تم نہیں کر سکو گے۔" اس نے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"بڑی امی نے آپ کا کیا بگاڑا ہے امی۔" وہ افسردہ ہو گیا تھا۔

"آپ کو تو ان کا احسان مند ہونا چاہیے کہ انہوں نے اپنا بیٹا آپ کی جھولی میں ڈال دیا اور کبھی جتایا تک نہیں۔ کسی کو خبر تک نہیں ہونے دی۔ کون ماں ایسا کرتی ہے بھلا۔ بیٹا سامنے ہو اور وہ نظر بھر کر نہ دیکھے کہ آپ کو برا لگے گا۔"

"اس نے احسان نہیں کیا تھا مجھ پر میرے دادا جان اور دادی جان نے زبردستی اس سے لے کر تمہیں مجھے دے دیا تھا۔ اور تمہارے بابا جان نے بھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ بلکہ میں نے تو ان سے وعدہ لے لیا تھا کہ اگلی بار بھی جو بچہ ہوا اختر بانو کا وہ مجھے دے دیں گے تاکہ تمہیں اکیلا پن محسوس نہ ہو...... لیکن۔" اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی تھی۔

"یہ اختر بانو بڑی ہوشیار اور مکار ہے۔ امان کی آمد کا احساس ہوا تو ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ وہ اسے پیدا نہیں کرے گی کہ اسے بھی چھین لیں گے وہ لوگ۔ نومی اور ریحان کو بھی تو تمہاری پھوپھی اور میری دادی جان نے زیادہ اپنے پاس ہی رکھا تھا تو جو تمہاری دادی تھیں نا انہوں نے قسم کھائی تھی کہ اب ایسا نہیں ہوگا وعدہ کیا تھا اس سے۔"

وہ حیران سا بیٹھا ثمرہ کی بات سن رہا تھا اور اختر بانو کے دکھ اور اذیت کو محسوس کر کے اس کا دل کٹ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ثمرہ، اختر بانو سے اتنی نفرت کرتی ہے کہ انہیں مارنے کا سوچتی ہے شاید وہ اس کی محبت کو جانچنا چاہتی ہے کہ وہ اس کے لیے کیا کر سکتا ہے۔

"مجھے زمان چچا نے ڈیرے پر بلایا تھا میں جا رہا ہوں پلیز امی...... بے کار اور فضول باتیں سوچ سوچ کر خود کو پریشان نہ کریں صرف یہ یاد رکھیں کہ آپ میری امی ہیں اور میں آپ کا بیٹا ہوں بس۔ اور آئندہ بڑی امی کے لیے ایسا مت کہیے گا جو آج کہا ہے۔" وہ تاسف سے اسے دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ثمرہ نے جو کہا تھا اسے اس پر یقین نہیں آ رہا تھا کیا واقعی وہ ایسا چاہتی تھی یا جیسا کہ اس کا خیال تھا وہ اسے آزما رہی تھی۔

"تم نے کہا ہے نا کہ تم میرے بیٹے ہو۔" اس نے جیسے تصدیق کی تھی۔

"ہاں۔"

شایان نے سر ہلایا۔

"تو پھر۔"
اس کی آواز سرگوشی میں ڈھل گئی تھی۔
"اپنا کام ٹھیک طرح سے کرنا۔ ماروی کی طرح ادھورا کام نہ کرنا۔ اچھی طرح سے گلا دبانا کہ پھر سانس نہ لے سکے۔"
شایان کو لگا جیسے زمین اس کے قدموں کے نیچے سے نکل گئی ہے اور اسے لگا جیسے وہ اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکے گا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ثمرہ کو دیکھتے ہوئے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔
"میں نے بھی تو دلاور بھائی سے کہہ کر کاری کروا دیا اسے۔" اس کی آنکھوں کی وحشیانہ چمک بڑھ گئی تھی۔
"اب دیکھو نا وہ اگر زندہ رہتی تو کسی نہ کسی روز اس کا منہ کھل جاتا کہ میں نے اس سے کہا تھا کہ وہ اختر بانو کے منہ پر تکیہ رکھ کر اس کا قصہ تمام کر دے۔ بڑی بزدل تھی وہ کمبخت۔ ضرور منہ سے کچھ نہ کچھ بک دیتی تو بس میں نے بھی اس کا منہ بند کر دیا ہمیشہ کے لیے۔"
وہ ہنسی ...... ایسی ہنسی جس میں دیوانگی کی جھلک تھی۔ وہ جیسے دیوانگی کی سرحد پر کھڑی تھی۔ شایان بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کوئی اتنا بھی کسی سے کیسے نفرت کر سکتا ہے۔ کوئی اتنا بھی گر سکتا ہے کیا جو اس عورت کی جان لینے کی کوشش کرے جس نے اس کی خالی گود، اپنے جگر کے ٹکڑے سے اس کی جھولی بھری ہو۔ نہیں ...... نہیں۔" اس نے نفی میں ادھر ادھر سر ہلایا۔ شاید اس کے کانوں نے غلط سنا ہے۔ شاید ثمرہ کا دماغ خراب ہو گیا ہے جو وہ ایسی الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہے۔
"نہیں۔" اس کے لبوں سے نکلا اور اس نے ثمرہ کا بازو جھنجھوڑ ڈالا۔
"کیا...... کیا کہہ رہی ہیں آپ۔"
"کیا۔" وہ جیسے کسی خواب سے بیدار ہوئی تھی۔
"میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ بھلا میں نے کیا کہنا تھا۔"
"نہیں آپ نے کہا تھا کہ......" شایان بات مکمل

"جب میں کہہ رہی ہوں کہ میں نے کچھ نہیں کہا تو کچھ نہیں کہا۔ پتا نہیں تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔"
شایان نے ایک گہری نظر اس پر ڈالتے ہوئے اس کے بازو سے ہاتھ ہٹا لیا۔ اور تیزی سے باہر نکلتا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ہی وہ بڑے ڈیرے پر دلاور شاہ کے سامنے بیٹھا تھا۔
"کیا ...... کیا کہہ رہے ہو تم۔" دلاور شاہ، شایان کی بات سن کر ششدر رہ گئے تھے۔
"میں آپ سے صرف یہ پوچھ رہا ہوں ماموں جان کہ ماروی کو آپ نے کاری کروایا تھا۔" شایان نے اپنی بات دہرائی۔
"دماغ ٹھیک ہے تمہارا۔ کیا فضول بکواس کر رہے ہو۔" دلاور شاہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہوا تھا۔
"بکواس نہیں کر رہا ماموں جان، سادا سا ایک سوال کیا ہے آپ سے" شایان کی نظر ان کے چہرے کے بدلتے رنگوں پر تھی۔
"کس نے یہ خرافات تمہارے دماغ میں بھری ہیں۔"
دلاور شاہ اب سنبھل چکے تھے اور سوچ رہے تھے کہ آخر شایان نے ایسی بات کیوں کی ہے۔
"امی نے ...... امی نے بتایا ہے مجھے۔"
شایان کی نظریں اب بھی ان کے چہرے پر تھیں اور وہ پرسکون سا بیٹھا تھا۔
"انہوں نے کہا ہے کہ انہوں نے ماروی کو حکم دیا تھا بڑی امی کو مارنے کا اور جب وہ ناکام ہو گئی تو اس نے آپ کو کہہ کر اسے کاری کروا دیا تاکہ کہیں اس کی زبان سے کوئی بات نکل نہ جائے۔ میں صرف اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ سچ ہے کہ ماروی۔"
"اوہ میرے خدا کس قدر بے عقل عورت ہے یہ ثمرہ بھی۔" انہوں نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تھا۔
"تو یہ سچ ہے ماموں جان۔"
شایان کی سوالیہ نظریں جیسے ان کے وجود میں اتر کر انہیں اندر تک کھوج رہی تھیں۔

ہاں۔
انہوں نے ایک گہرا سانس لیا اب جھوٹ بولنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔
''کیوں ماموں جان کیوں کیا آپ نے ایسا۔''
وہ یکدم مضطرب ہو گیا تھا۔
''کیوں ماموں جان، کیوں کیا آپ نے ایسا۔'' وہ یکدم مضطرب ہو گیا تھا۔
''ایک بے گناہ، بے ضرر، معصوم عورت کو مرواتے ہوئے آپ کا دل نہیں کانپا ماموں جان۔ آپ کو ڈر نہیں لگا کہ روز محشر آپ کی پرسش ہو سکتی ہے۔''
''میں اسے مروانا نہیں چاہتا تھا لیکن ثمرہ کی حماقت نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔''
وہ دلاور شاہ تھے جنہوں نے کبھی کسی کو وضاحت نہیں دی تھی لیکن شایان کسی نہیں تھا۔ شایان کی پرورش اور تربیت میں ان کا بھی حصہ تھا وہ اپنی حویلی میں رہنے کے بجائے زیادہ تر حیدر آباد میں ہی رہتا تھا۔
''آپ انہیں سمجھا سکتے تھے ماموں جان۔'' شایان نے دل گرفتگی سے کہا۔
''ثمرہ ہمیشہ سے ایسی ہی ہے ضدی، ہٹ دھرم اور جلد باز۔ بانو بھابی سے نفرت میں وہ جو کچھ کر چکی تھی اس پر کسی طرح پردہ تو ڈالنا ہی تھا بیٹا۔ بہت مجبور ہو کر یہ قدم اٹھانا پڑا تھا۔''
ماروی کی موت کا اثر کئی دن تک دلاور شاہ پر بھی رہا تھا۔ سینے پر کئی دن تک بوجھ سا دھرا رہا تھا۔
''کیا صرف موت ہی اس کا حل تھی۔ آپ اسے سمجھا سکتے تھے۔ ہمارے کمی، ملازم وفادار ہوتے ہیں۔ جان دے دیتے ہیں زبان نہیں کھولتے ہمارے خلاف۔'' شایان نے زخمی نظروں سے انہیں دیکھا۔
''وہ ایک کمزور اور بزدل عورت تھی۔ ثمرہ کو ڈر تھا کہ کسی روز اس کی زبان سے کچھ نکل نہ جائے۔ شاید زیادہ عرصہ تک وہ اس راز کا بوجھ نہ اٹھا سکے۔''
دلاور شاہ شایان کو دیکھ رہے تھے۔
''اور بھی کوئی راستہ نکالا جا سکتا تھا ماموں جان آپ اسے اس کے خاندان کے ساتھ کہیں کسی اور علاقے میں بھجوا دیتے ایک بے گناہ کے خون میں ہاتھ تو نہ رنگتے۔''
شایان کی آنکھوں کے سامنے ماروی کا چہرہ آ رہا تھا۔ کاش یہ جھوٹ ہوتا کاش ماموں جان یہ کہہ دیتے کہ ایسا کچھ نہیں ہے تو وہ دل کو سمجھا لیتا کہ ثمرہ صدمے کے زیر اثر یوں ہی الٹی سیدھی باتیں کر رہی ہے۔
''تم ابھی بچے ہو شایان۔''
دلاور شاہ کو اب اسے مطمئن کرنا تھا کہ جو کچھ ہوا اس کے علاوہ کوئی اور رستہ نہ تھا۔
''ثوبان کو پتا چلتا تو وہ ایک لمحہ نہ لگاتا ثمرہ کو طلاق دینے میں، میں بچپن سے اسے جانتا ہوں اس کا مزاج آشنا ہوں۔ لیکن بات صرف اتنی سی نہیں تھی کہ ثمرہ کا گھر اجڑ جاتا۔ اس کے ساتھ اور بھی بہت کچھ برباد ہو جاتا۔ بابا جان ثمرہ کے اجڑنے کو برداشت نہ کر سکتے وہ ہمیشہ سے ان کی لاڈلی رہی ہے۔ وہ ثوبان کو اس کے لیے کبھی معاف نہیں کرتے۔ وہ اجڑ کر گھر آتی تو باقی سب رشتے بھی ختم ہو جاتے۔ پورا خاندان بکھر جاتا۔ وہ جو ہمارے درمیان نظریاتی اختلافات کے باوجود ایک اتحاد ہے وہ ختم ہو جاتا۔ لوگ ہماری مثال دیتے ہیں کہ تینوں بھائیوں کی اولادیں کیسے ایک لڑی میں پروئی ہوئی ہیں۔ ہر مشکل میں ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہمارے بھی سو بجن دشمن ہیں۔ ہمارے درمیان کسی بھی قسمت کا اختلاف ہمیں کمزور کر سکتا ہے۔ جانتے ہو کہ لکڑیوں کے ایک گٹھے کی نسبت اکیلی لکڑی کو توڑنا آسان ہوتا ہے۔''
''آپ کی ساری باتیں ٹھیک ہیں ماموں جان، لیکن کیا اپنے فائدے کے لیے کسی دوسرے کی جان لینا صحیح ہے۔''
دلاور شاہ کی وضاحت کے باوجود شایان کا ذہن ماروی کے بے گناہ مارے جانے کو بھلا نہیں پا رہا تھا۔
''اپنے فائدے کے لیے کسی دوسرے کی جان لینا یقیناً جرم ہے۔ غلط ہے۔ لیکن جب انسان کے سر پر ذمہ داری اور سرداری کا تاج ہوتا ہے تو بعض

اوقات اسے اپنی مرضی کے خلاف مشکل فیصلے بھی کرنے پڑتے ہیں۔ یہ بھی ایک مشکل فیصلہ تھا لیکن کرنا پڑا۔ اب تم سے التجا ہے کہ اس راز کو راز ہی رکھنا۔ اگر ثوبان کو ذرا سی بھی بھنک ملی تو طوفان آجائے گا مہران اور زمان بھی اسی کا ساتھ دیں گے۔ اور یہ بات شاید تم نہ جانتے ہو کہ سلطان چچا ہمیشہ سب سے الگ ہی تھے جب کہ بڑے دونوں بھائیوں کی آپس میں بہت بنتی تھی۔ اب بھی یہ ہی حال ہے۔ مہران اور زمان کی بیویاں کوئی غیر تو نہیں ہیں۔ ایک چچا کی بیٹی ہے اور ایک پھپھو کی۔ ان کے باپ اپنے بھتیجے کے مقابلے میں بڑے بھائی کا ساتھ دیں گے۔ اور یوں صرف ثمرہ کا گھر ہی نہیں اجڑے گا ان کے گھر بھی برباد ہوں گے، ثمرہ تو پاگل ہے جانے کیا اول فول بکتی رہتی ہے میں اسے تو دیکھ لوں گا اچھی طرح سمجھا دوں گا لیکن تم مجھ سے وعدہ کرو یہ بات کبھی منہ سے نہیں نکالو گے۔"

"میں بھی آپ کا ہی خون ہوں ماموں جان راز رکھنا جانتا ہوں لیکن اس کے ساتھ میں اختر بانو کا بھی بیٹا ہوں۔ میرے رگوں میں ان کا بھی خون دوڑ رہا ہے جو ایک چڑیا کے ننھے بچے کے گھونسلے سے گر جانے پر ہفتوں اداس رہتی ہیں، تو یہ تو ایک جیتی جاگتی انسان تھی تھوڑا وقت تو لگے گا سنبھلنے میں لیکن آپ بے فکر رہیں میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔"

وہ کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے پالنے والی ماں نے اس کو جنم دینے والی ماں کو مارنے کی کوشش کی تھی۔ یہ دکھ برداشت کرنا آسان نہیں تھا۔ اور پھر ماروی جسے اس نے ہمیشہ ثمرہ کا ہر حکم سر جھکا کر بجا لاتے دیکھا تھا۔ سر جھکائے ہاتھ باندھے ماروی۔ جی بی بی سائیں۔ جو حکم بی بی کہتی جیسے اس کی نظروں کے سامنے سے ہٹتی ہی نہ تھی۔

"کیا...... کیا کہا تم نے اختر بانو بھابھی۔"

دلاور شاہ کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا یہ لڑکا آج انہیں حیران کرنے پر تلا ہوا تھا۔

"وہ ہی جو سچ ہے ماموں جان، جسے آپ بھی جانتے ہیں۔"

"تو کیا یہ بھی ثمرہ نے۔" دلاور شاہ نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اور دل ہی دل میں ثمرہ کی بے وقوفی پر سلگ کر رہ گئے۔ جب ایک بات اتنے عرصہ سے چھپا رکھی تھی تو اب اس بھید کو کھولنے کی کیا ضرورت تھی۔ شایان خاموش ہی رہا تھا۔ بڑی مامی نے یقیناً دلاور شاہ سے اس کا ذکر نہ کیا تھا کہ وہ ان سے تصدیق کرنے آیا تھا اور انہوں نے تصدیق کر دی تھی۔

"شایان بیٹا۔"

انہوں نے بھی کھڑے ہوتے ہوئے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا۔ وہ سیاست داں تھے۔ زندگی میں کئی بار نہ چاہتے ہوئے دشمن سے بھی ہاتھ ملانا پڑا تھا۔ معذرت کرنی پڑی تھی اور یہ تو شایان تھا ثمرہ کا لاڈلا ان کے چچا زاد کا بیٹا ہی نہیں ان کی چھوٹی بہن کا ہونے والا داماد بھی تھا۔ اور ثمرہ کے حوالے سے سب گھر والے ہی اسے چاہتے تھے۔ انہیں بھی تو ثوبان شاہ کے دوسرے بیٹوں کی نسبت یہ زیادہ عزیز تھا۔

"میری مجبوری سمجھتے ہوئے مجھے معاف کر دینا کہ میں نے ماروی کو۔"

"کیسی بات کر رہے ہیں ماموں جان، میں بھلا کون ہوتا ہوں کسی کو معاف کرنے اور سزا دینے والا۔ یہ تو آپ کا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ پھر آپ میرے بڑے ہیں۔ اس طرح بات کر کے شرمندہ نہ کریں مجھے۔" وہ نادم سا ہوا تھا۔

"میں تمہاری دلی کیفیت سمجھ رہا ہوں شایان ایسا کرو تم رضی کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے دبئی چلے جاؤ گھومنے۔ رضی کئی دنوں سے کہہ رہا تھا۔ میں ویزہ وغیرہ لگوا دوں گا۔ انجوائے کرنا۔ جی چاہے تو سنگاپور اور ہانگ کانگ چلے جاؤ۔ جو بھی پروگرام بنے مجھے بتا دینا۔"

ان کا ہاتھ ابھی تک اس کے بازو پر تھا۔

"نہیں ماموں جان، فی الحال تو نہیں۔ ابھی تو کراچی سے آیا ہوں اور پھر ریحان بھائی بھی آ رہے ہیں تو شاید ان کی شادی کا پروگرام بن جائے۔"

"اوہ اچھا ریحان آ رہا ہے۔ ثوبان سے دو دن

پہلے ملاقات ہوئی تھی اور زین نے کیا اس نے۔ ویسے ریحان کا رشتہ کرتے ہوئے بھی اس نے کسی سے مشورہ تک نہیں کیا۔"

دلاور شاہ کو ثوبان شاہ کا ریحان کا رشتہ غیر سیدوں میں کرنا اچھا نہیں لگا تھا، لیکن ثوبان سے کچھ کہہ نہیں سکے تھے کہ وہ بھی سلطان شاہ کے بیٹے تھے جب کوئی فیصلہ کر لیتے تو کسی سے مشورہ نہیں کرتے تھے سو آج بے اختیار لبوں سے شکوہ نکل گیا تھا۔

"ابھی کنفرم تاریخ نہیں بتائی ریحان بھائی نے لیکن اسی ہفتے میں آ رہے ہیں۔"

شایان نے ان کی دوسری بات کو نظر انداز کیا تھا وہ جانتا تھا کہ ثمرہ کے میکے میں کسی کو یہ بات اچھی نہیں لگی تھی۔

"خیر جب موڈ بن جائے سیر و تفریح کا تو بتانا میں ارینج کر دوں گا یورپ کا موڈ بنے تو وہ بھی ہو جائے گا۔" انہوں نے اس کے بازو سے ہاتھ ہٹایا۔

"جی۔"

وہ دلاور شاہ کو خدا حافظ کہہ کر ڈیرے سے نکلا تو اس کا حویلی جانے کو جی ہی نہیں چاہا تو ساتھ والے گوٹھ میں اپنے ایک دوست سے ملنے چلا گیا۔ اور پھر سارا دن وہاں گزار کر آیا تو رات کے دس بج رہے تھے اور اختر بانو لاؤنج میں اکیلی بیٹھی تھیں۔

"کیا ہو رہا ہے بڑی امی۔"

"کچھ نہیں۔ ابا جان کو فون کرنے آئی تھی۔"

اختر بانو نے اس کی طرف دیکھا۔

"تو پھر بات ہوئی کیسے ہیں نانا جان۔"

شایان بیٹھ گیا تھا۔

"نہیں ابا جان سے تو بات نہیں ہو سکی۔ بی بی اماں نے بتایا تھا۔ ان کی طبیعت کچھ ناساز تھی۔ وہ کھانا کھائے بغیر ہی سونے کے لیے چلے گئے تھے۔" اختر بانو نے سوچا تھا کہ رات کو نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر سکون سے جہاں زیب بیگ سے بات کریں گی۔ صبح سے ہی وہ ان سے بات کرنے کے لیے بے چین ہو رہی تھیں، ان سے زیتون کے دیئے گئے اس نکاح نامے کے متعلق بات کرنی تھی۔ لیکن جب بی بی اماں نے بتایا کہ وہ آزین کے یوں اچانک چلے جانے کے فیصلے سے ڈسٹرب ہیں ظاہر نہیں کر رہے لیکن بہت دکھی ہو رہے ہیں تو انہوں نے سوچا کہ فی الحال وہ ان سے بات نہیں کریں گی بلکہ بہتر تو یہ ہی ہے کہ ریحان کے آنے کے بعد جب وہ شادی کی بات کرنے کے لیے جائیں گے تو وہ کاپی ساتھ ہی لے جائیں گی۔ صبح سے لے کر اب تک نہ جانے کتنی بار وہ اس کاپی کو دیکھ چکی تھیں۔

"کیا ہوا نانا جان کو۔"

شایان اختر بانو کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہاں۔" وہ چونکی۔

"وہ زین کے یو۔کے جانے کی وجہ سے اپ سیٹ ہیں کچھ۔"

"زین بھائی یو۔کے کیوں جا رہے۔ ہائر سٹڈی کے لیے یا پھر کام وغیرہ کے سلسلے میں۔ لیکن آپ نے تو بتایا تھا زین بھائی اور زل کی شادی کے متعلق کہ جلد ہونے والی ہے۔ تو کیا ابھی شادی نہیں ہو رہی۔" اس نے پوچھا۔

"ابا جان تو چاہتے تھے کہ زل کی رخصتی کے بعد ہی وہ جائے لیکن زین اس کے لیے تیار نہیں ہوا۔ اور ظاہر ہے ابا جان اسے مجبور نہیں کر سکتے۔ میری تو خود ابھی تک زین سے بات نہیں ہو سکی۔ مجھے بھی کل ہی بی بی اماں نے بتایا تھا۔ میں تو خود حیران ہوں کہ زین نے منع کیوں کیا رخصتی سے۔ ابا جان سے تو ہفتہ بھر سے تفصیل سے بات ہی نہیں ہو رہی۔ بی بی اماں نے بھی مختصراً ہی بتایا ہے۔ وہ فون پر لمبی بات کرنے سے گھبراتی ہیں۔"

اختر بانو کو صبوحی کے آنے اور آزین سے ملنے کا تو معلوم تھا لیکن آزین صبوحی کے ساتھ ہی یو۔کے جا رہا ہے اس کا آج ہی علم ہوا تھا۔

"شاید وہ پہلے اچھی طرح سیٹل ہونا چاہتے ہوں۔ اس لیے یو۔کے جا رہے ہوں۔ آج کل بہت رجحان ہو رہا ہے باہر جا کر پیسہ کمانے کا۔" شایان نے خیال ظاہر کیا۔

”ظفر بھائی تو کافی عرصہ سے چاہ رہے تھے کہ وہ بو۔کے ان کے پاس جا کر رہے۔ ان کا اسٹور سنبھالے لیکن زین بھی بھی جانا نہیں چاہتا تھا وہاں لیکن اب صبوحی بھابی بہت سالوں بعد پاکستان آئی ہیں اور اسے ساتھ لے جانا چاہتی ہیں۔ چھوٹا سا تھا تو اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ بی بی اماں کہہ رہی تھیں ماں ہے نا۔ حق ہے اس کا کچھ عرصہ بیٹے کو اپنے پاس رکھے۔“

”کیا مطلب بڑی امی۔“ شایان اختر بانو کی بات نہیں سمجھا تھا۔

”ظفر ماموں اور مامی وغیرہ شاہ رخ اور شانزہ کی شادی میں آئے ہوئے تو تھے۔“

”بہت سی باتوں کا تمہیں علم نہیں ہے شایان۔“ اختر بانو نے مختصراً اسے ظفریاب اور صبوحی کے متعلق بتایا۔

”تب ہی زین بھائی اتنے خاموش اور سنجیدہ رہتے ہیں۔“ اسے افسوس ہوا تھا۔

”اچھا ان باتوں کو چھوڑو میں بھاگی سے کہتی ہوں تمہارے لیے کھانا لگا دے۔ شاید تمہارے ہی انتظار میں کچن میں بیٹھی ہے اب تک۔“

حویلی میں کھانا آٹھ بجے تک کھا لیا جاتا تھا۔

”نہیں میں تو کھانا کھا کر آیا ہوں۔“

”چائے یا کچھ اور......“ وہ اٹھیں۔

”نہیں بڑی امی، کچھ بھی نہیں آپ بیٹھیں آپ سے باتیں کروں گا کچھ دیر......“

اور اگر ثمرہ آپا نے تمہیں یہاں اس وقت میرے ساتھ باتیں کرتے دیکھ لیا تو خوامخواہ ناراض ہو جائیں گی اس لیے اچھے بچوں کی طرح جا کر سو جاؤ ویسے بھی دس بج رہے ہیں۔“ ایک شریر سی مسکراہٹ نے اختر بانو کے لبوں کو چھوا۔

”لیکن اس اچھے بچے کا دل آج آپ سے باتیں کرنے کو چاہ رہا ہے۔“ اس نے ایک نظر اختر بانو کے چہرے پر ڈالی۔ کیسا روشن چمکتا ہوا چہرہ تھا۔ کیسی بے ریا آنکھیں تھیں۔ وہ ان کا بیٹا ہے۔ ایسی اعلیٰ ظرف، بڑے دل والی صابر عورت کا بیٹا۔ خوشی اور مسرت کی ایک لہر سی اس کے اندر دوڑ گئی۔

”اور جہاں تک امی کی بات ہے تو میں نے انہیں فون کر دیا تھا کہ آج رات میں اپنے دوست کے پاس ہی رہوں گا۔ سو وہ نیند کی گولی کھا کر آرام سے سو رہی ہوں گی اور اب صبح ہی اٹھیں گی۔“

کچھ عرصہ سے ثمرہ کو نیند نہیں آتی تھی تو وہ نیند کی گولی کھا رہی تھی۔

”تو ماں سے جھوٹ بولا تم نے بری بات شایان۔“

اختر بانو نے سمجھ لیا تھا کہ اس نے ثمرہ سے جان بوجھ کر غلط بیانی کی تھی۔

”تو......“ وہ زیادہ ایزی ہو کر بیٹھ گیا۔

”بڑے ماموں کہتے ہیں کہ مصلحت آمیز جھوٹ بولنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ایسا سچ جس سے شر کا خطرہ ہو اس سچ کے بجائے جھوٹ بولنا اچھا ہے۔ دراصل آج آپ سے بہت دیر تک باتیں کرنے کو جی چاہ رہا تھا اور امی کو اچھا نہ لگتا۔“

”کیا باتیں۔“ اختر بانو کو وہ افسردہ سا لگا۔

”کچھ بھی۔“ ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر آ کر معدوم ہو گئی تھی۔

”کیا کچھ پریشان ہو بیٹا۔ کیا بات ہے مجھے بتاؤ۔“ اختر بانو نے بغور اسے دیکھا تو انہیں احساس ہوا کہ وہ بہت بجھا بجھا اور سنجیدہ لگ رہا تھا۔

”میں آپ کو کیا بتاؤں بڑی امی کہ کیا پریشان کر رہا ہے مجھے۔ میں آپ سے شیئر نہیں کر سکتا کچھ دکھوں کا بوجھ اکیلے ہی ڈھونا پڑتا ہے آخری سانسوں تک۔“

”کیا سوچ رہے ہو۔“ اختر بانو پریشان ہو گئیں۔

”کچھ نہیں بڑی امی۔“ وہ چونکا۔

”پریشان تو نہیں ہوں۔ بس کچھ تھک سا گیا ہوں۔ پہلے بڑے ماموں کی طرف گیا تھا ڈیرے پر۔ پھر دوست کی طرف چلا گیا اور دیر تک گھومتے رہے۔ اس کے گوٹھ سے پیدل بہت آگے تک گئے تو

تھکاوٹ ہوئی ہے۔

"تو میری جان، پھر جا کر آرام کرو سو جاؤ۔ میں گرم دودھ بھجواتی ہوں۔ تھکاوٹ بھی دور ہو گی اور نیند بھی اچھی آئے گی۔" اختر بانو نے محبت سے اسے دیکھا۔

"نہیں بڑی امی، مجھے ابھی نہیں سونا۔ آپ سے باتیں کرنی ہیں۔ آپ مجھے بتائیں اپنے متعلق۔ نانی اماں، نانا جان اور سب کے متعلق۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اختر بانو کے صوفے کے پاس نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔

"آپ کے شوق، آپ کی دلچسپیاں، مشغلے آپ کے خواب، سب کچھ جاننا ہے مجھے۔" اس نے اپنا سر اختر بانو کے گھٹنے پر رکھا تو وہ اس کے بالوں میں ہولے ہولے انگلیاں پھیرنے لگیں۔

"کیا بتاؤں بیٹا، مجھے تو بس ایک ہی شوق تھا ایک ہی خواب تھا میرا بہت سارا پڑھ کر پروفیسر بننا۔"

وہ ہولے ہولے بول رہی تھیں اور وہ گھٹنوں پر سر رکھے آنکھیں موندے سن رہا تھا۔

"جی چاہتا ہے یوں ہی آپ کے گھٹنوں پر سر رکھے آپ کی خوشبو کو اپنے اندر اتارتا رہوں۔ ماما کی وہ خوشبو جو میرے پیدا ہوتے ہی مجھ سے بچھڑ گئی تھی۔ کیوں دیا تھا آپ نے مجھے۔ انکار کر دیتیں۔ منع کر دیتیں۔" اس کے بالوں میں رینگتی اختر بانو کی انگلیاں ساکت ہوئیں۔ وہ ابھی تک ڈسٹرب تھا۔

"سوری بیٹا، میری اس روز کی جذباتیت نے تمہیں ڈسٹرب کر دیا۔"

"آپ کیوں سوری کر رہی ہیں۔ یہ راز کبھی نہ کبھی تو کھلنا ہی تھا۔ ایسے کھل گیا۔ اور یہ میرا حق تھا کہ مجھے اپنی جنم دینے والی ماں کا علم ہوتا۔"

اس نے یکدم سر اٹھا کر اختر بانو کو دیکھا تو ان کے دل کو کچھ ہوا۔ کتنا شوخ، مغرور اور بے نیاز سا ہوا کرتا تھا۔ مزاج میں ایک طرح کا اکھڑ پن سا تھا لیکن اب کتنا بدلا ہوا لگ رہا تھا۔ مزاج میں نہ وہ اکھڑ پن نہ وہ شوخی اور بے ساختگی۔ اس انکشاف نے اسے اندر سے ہلا دیا تھا کہ یہ قدرتی تھا۔ ثوبان شاہ نے کہا تھا کہ تھوڑا وقت لگے گا تو وہ سنبھل جائے گا لیکن شاید وہ ابھی تک سنبھل نہیں پایا تھا۔ ایسے کیسز میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے بچے ڈسٹرب ہو جاتے ہیں جب انہیں اچانک پتا چلتا ہے کہ جنہیں وہ اپنے والدین سمجھتے ہیں وہ اس کے حقیقی والدین نہیں ہیں۔

گو شایان کا کیس اس سے مختلف تھا۔ پھر بھی وہ کچھ نہ کچھ ڈسٹرب ہوا تھا۔ اختر بانو کو یاد تھا کہ ان کی ایک کلاس فیلو تھی جسے کسی یتیم خانے سے اڈاپٹ کیا گیا تھا اور جب وہ فرسٹ ایئر میں تھی تو اچانک کسی رشتہ دار سے اسے پتا چلا تو وہ اتنی ڈسٹرب ہوئی تھی کہ اس نے کالج آنا چھوڑ دیا تھا اور خود کو ایک کمرے تک محدود کر لیا تھا۔ اس کے والدین کئی ماہ تک سائیکا ٹرسٹ کے پاس اسے لے کر جاتے رہے تھے۔ جہاں زیب بیگ کہتے تھے کہ باشعور ہوتے ہی ان بچوں کو حقیقت بتا دینا چاہیے کہ جب انہیں کسی دوسرے سے حقیقت معلوم ہوتی ہے تو بہت ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے ان کے اندر۔

"کیا سوچ رہی ہیں بڑی امی۔" وہ ان کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہاں کچھ نہیں۔" وہ چونکیں اور موضوع بدلا۔

"تمہارے بابا جان کا فون آیا تھا۔ ریحان کی پیر کی صبح چار بجے کی فلائیٹ ہے۔ اب وہ اس کو لے کر ہی آئیں گے۔"

"سچ اور آپ اب بتا رہی ہیں۔" وہ خوش ہوا۔

"ہاں میں بتانے ہی والی تھی لیکن پھر دوسری باتیں جو شروع ہو گئی تھیں۔ ریحان کے پاس زیادہ دن نہیں ہوں گے تو ریحان کے آنے کے دو دن بعد ہی میں اور تمہارے بابا جان لاہور جائیں گے شادی کی بات کرنے۔ تم چاہو تو ہمارے ساتھ چل سکتے ہو لیکن۔" اختر بانو نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن امی ناراض ہوں گی جانے نہیں دیں گی۔" شایان نے ان کی بات مکمل کی "تو ان کو بتائے گا کون۔ میں آپ سے ایک روز پہلے ہی چلا جاؤں

گا۔ امان کے پاس اور امی کو بتا دوں گا گھومنے جا رہا ہوں مری بھور بن وغیرہ۔ آپ آئیں گی تو امان کے ساتھ آجاؤں گا نانا جان کی طرف۔"

"بہت چالاک ہو گئے، ہوماں سے جھوٹ بولتے شرم نہیں آئے گی۔" شریری مسکراہٹ اختر بانو کے لبوں کے کونوں پر آکر ٹھہر گئی۔

"بڑے ماموں جان نے مجھے سکھایا ہے کہ کبھی کبھی مصلحتاً جھوٹ بولنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ ویسے ریحان بھائی بھی چلیں گے ساتھ۔" اس نے سوالیہ نظروں سے اختر بانو کی طرف دیکھا۔

"نہیں بھئی اس کی شادی کی بات کرنی ہے تو اسے ساتھ لے کر جانا مناسب نہیں ہے۔" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ تو زیادتی ہے بڑی امی۔ ان کا دل تو چاہ رہا ہوگا مہرین بھابی کو دیکھنے کا۔" وہ خود اپنا دھیان بٹانا چاہتا تھا جو بار بار ثمرہ کی طرف چلا جاتا تھا۔ اگر جو ماروی کامیاب ہو جاتی تو وہ زندگی بھر نہ جان پاتا کہ وہ اختر بانو کا بیٹا ہے۔

"چلو تم کہہ رہے ہو اور اس نے بھی کہا تو لے چلیں گے اسے بھی ساتھ، آخر اس کے نانا کا گھر ہے۔"

اختر بانو نے جس انداز میں بات کی تھی شایان کو ہنسی آگئی۔

"ریحان بھائی خود سے کبھی بھی نہ کہیں گے شرمیلے سے تو ہیں میرے کہنے پر لے چلیے گا۔ خوش ہو جائیں گے ویسے بڑی امی۔"

وہ بات کرتے کرتے سنجیدہ ہوا۔

"مہرین بھابھی کو کچھ ٹائم دینا چاہیے تھا آپ کو، امان نے مرتضیٰ بھائی کا بتایا تھا مجھے۔ نئے رشتے بنانے، نئے تعلق استوار کرنے میں کچھ وقت تو لگتا ہے نا۔"

"میرا بیٹا اتنا سمجھ دار ہے مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا۔"

اختر بانو کی نظروں میں اس کے لیے ستائش تھی۔

"خیر وہ تو میں ہمیشہ سے ہوں۔ سمجھ دار، ذہین، عقل مند، آپ کو اب پتا چلا۔" اس نے دائیں ہاتھ کی انگلی اور انگوٹھے سے اپنی شرٹ کا کالر پکڑ کر ہلکا سا جھٹکا تو اختر بانو مسکرا دی۔

"اللہ نظر بد سے بچائے۔ دراصل مہرین اسپیشلائیزیشن کے لیے باہر جانا چاہتی ہے اور نگ زیب بھائی اسے بھیجنے میں متذبذب ہیں تو ابا جان نے خود مجھ سے بات کی ہے کہ نکاح تو ہو چکا ہے ریحان آ رہا ہے تو رخصتی ہو جائے تو مہرین ریحان کے ساتھ چلی جائے گی اور مزید جو پڑھنا ہے پڑھ لے گی۔"

"پھر تو ٹھیک ہے۔" شایان نے سر ہلایا۔

"ویسے ایک اور خیال ابھی میرے ذہن میں آیا ہے کہ مہرین بھابی تو فوراً نہ سہی کچھ عرصہ بعد ریحان بھائی کے ساتھ چلی جائیں گی تو آپ مانی کی شادی کر دیں سحرش سے آپ کو بور نہیں ہونے دیں گی۔ مانی کا ارادہ تو ہمیشہ ادھر ہی رہنے کا ہے۔ ویسے آپس کی بات ہے امان کو بھی سحرش پسند ہے۔"

"کیا۔ اس نے تم سے کہا۔" اختر بانو حیران ہوئیں۔

"نہیں کہا تو نہیں لیکن جب میں اس کے ساتھ تھا لاہور میں تو جب بھی وہ نانا جان کے گھر سے واپس آتا تھا تو کم از کم دس منٹ تو مجھے اس کا سحرش نامہ سننا پڑتا تھا تو مطلب صاف ظاہر ہے کہ حضرت اس سے متاثر ہیں۔ سحرش کے آنے سے یہاں حویلی میں رونق ہو جائے گی اور آپ کو بھی دوسرا ہٹ مل جائے گی۔"

تب ہی سنہری نے لاؤنج میں جھانک کر دیکھا۔

"ہاں سنہری، تم اپنا بستر لے کر لیٹ جاؤ جا کر میں بھی آ رہی ہوں۔" سنہری سے بات کر کے وہ شایان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"نیند آ رہی ہوگی اسے۔ کافی رات ہو گئی ہے۔ تم بھی جا کر آرام کرو۔ میں بھی چلتی ہوں۔ وقت گزر گیا تو پھر نیند نہیں آئے گی۔"

''میری بات پر غور کیجئے گا۔'' اس نے دونوں ہاتھ ان کے گھٹنوں پر رکھے تو اختر بانو نے بے اختیار دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر اس کی پیشانی چوم لی۔

''دودھ بھجواؤں۔''

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔ جانتا تھا آج اسے نیند نہیں آنے والی تھی بھلے دودھ پیتا یا نہیں آج جو انکشاف ہوا تھا اس نے اسے اندر سے ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ جو اتنی دیر سے اختر بانو کے پاس بیٹھا ادھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا تو صرف اس لیے کہ ذہن بٹا رہے۔ کمرے میں جاتے ہی تنہائی میں ثمرہ کی کہی باتیں اذیت دینے لگتیں لیکن وہ ساری رات یہاں نہیں بیٹھ سکتا تھا سو ایک گہری سانس لے کر کھڑا ہو گیا اور ذرا سا جھکتے ہوئے اختر بانو کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے بوسہ دیا۔

''شب بخیر بڑی امی۔''

''شب بخیر بیٹا ...... اور سونے کی کوشش کرنا۔ بلاوجہ جاگتے مت رہنا۔ تھکے ہوئے لگ رہے ہو۔''

اختر بانو بھی کھڑی ہو گئیں اور وہ سر ہلاتا ہوا تیزی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

زل تخت پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھی سامنے صحن کی طرف دیکھ رہی تھی۔ دھوپ ابھی دیواروں پر ٹھہری ہوئی تھی لیکن اندر کمرے میں اس کا دل گھبرایا تو وہ عصر کی نماز پڑھ کر باہر آ گئی تھی ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اس لیے موسم خوش گوار ہی لگ رہا تھا لیکن دل تھا کہ جیسے وہاں جس نے حکمرانی کر رکھی ہو۔ سب اپنے اپنے کمروں میں تھے اوپر بھی خاموشی تھی۔ ایسی خاموشی اتنی ویرانی پہلے تو کبھی موروں والی حویلی میں محسوس نہیں ہوئی تھی۔ تین دن صرف تین دن ہی تو ہوئے تھے اسے گئے ہوئے لیکن لگتا تھا جیسے صدیاں بیت گئی ہوں۔

وہ ناراض تھا خفا تھا، اس کی طرف دیکھتا نہیں تھا لیکن اس کا ہونا ہی کتنا تسکین بخش تھا سارا گھر بھرا بھرا سا لگتا تھا وہ کمرے میں، شاہ زیب کے پاس، ڈرائنگ روم میں کہیں بھی ہوتا یہ احساس کتنا خوش کن تھا کہ وہ ہے گھر میں۔ کوئی بھی مشکل آئی تو وہ سنبھال لے گا۔ بے شک وہ خفا ہے۔ ناراض ہے لیکن کسی روز وہ خود ہی بتا دے گا کہ وہ کیوں خفا ہے۔ پہلے بھی تو اکثر اس کا موڈ خراب ہو جاتا تھا لیکن پھر خود ہی ٹھیک بھی ہو جاتا تھا اور جب موڈ ٹھیک ہوتا تھا تو وہ اپنے رویے پر معذرت بھی کر لیتا تھا اور کبھی کبھی بتا بھی دیتا تھا کہ وہ کیوں خفا تھا لیکن اس بار تو اس نے کچھ بتایا ہی نہیں تھا اور چلا بھی گیا تھا اور جاتے ہوئے اس نے اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا بھی نہیں تھا۔

سب سے مل کر لمحہ بھر کے لیے وہ اس کے سامنے رکا تھا۔ اور جھکی نظروں کے ساتھ آہستہ سے خدا حافظ کہہ کر تیزی سے صحن کی طرف بڑھ گیا تھا جہاں شیخو بابا اس کی ٹرالی بیگ لیے کھڑے تھے۔ وہ نم آنکھوں کے ساتھ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی تھی کہ ...... جانے والوں کو کہاں روک سکا ہے کوئی ...... اور سمیرا کہتی تھی۔

''زل اس کے انتظار میں عمر ضائع مت کرنا۔ وہ اب لوٹ کر نہیں آئے گا۔''

''کیوں کیا وہ تمہیں بتا کر گئے ہیں۔'' سحرش اس وقت اس کے پاس ہی کھڑی تھی اور یہ آزین کے جانے کے بعد اگلے دن کی بات تھی اور سمیرا دعوت والے روز اپنا پاؤچ وہاں ہی بھول گئی تھی اور وہ لینے آئی تھی۔

''نہیں۔'' سمیرا کے لبوں پر پراسراری مسکراہٹ نمودار ہو کر معدوم ہو گئی۔

''لیکن میرا مشاہدہ ہے کہ اس طرح جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے۔''

''شکل اچھی نہ ہو تو بندہ بات تو اچھی کرے۔'' سحرش کب کسی کا لحاظ کرتی تھی۔

''شکل تو خیر میری اچھی ہے لیکن جہاں تک بات کا تعلق ہے تو ہو سکتا ہے تمہیں بری لگی ہو لیکن ہے تو حقیقت، سوچو تو بھلا کہ زین جو زل کی پڑھائی ختم

ہونے کا شدت سے انتظار کر رہا تھا کہ اس کی تعلیم مکمل ہو تو وہ اپنی پیاری بیوی کو رخصت کروا کر لے جائے۔ ثوبیہ نے بتایا تھا مجھے، وہ اچانک باہر جانے کا فیصلہ کر لے اور یہ بھی نہ بتائے کہ کب واپس آئے گا۔ اور آئے گا بھی یا نہیں تو دال میں کچھ کالا تو ضرور ہے۔ آخر اس کے ابا تو کئی سالوں سے اسے بلا رہے ہیں لیکن بیا کہہ رہی تھی کہ وہ ہمیشہ منع کر دیتا تھا پھر۔"

سمیرا کو علم نہیں تھا کہ وہ ظفریاب کے بلانے پر نہیں بلکہ صبوحی کے ساتھ جا رہا ہے۔

"دال میں کچھ کالا نہیں بھلے ساری دال ہی کالی ہو میں تمہیں اتنا بتا دوں سمیرا شاہ، کہ زین بہت جلد لوٹ آئے گا جتنا میں اسے جانتی ہوں تم نہیں جانتیں۔ شاید تمہیں اس کے جانے سے کوئی مایوسی ہوئی ہو ہمیں نہیں۔"

سحرش در حقیقت سمیرا کو سمجھ ہی نہیں پائی تھی کبھی اسے لگتا تھا کہ اس کے اور مرتضٰی کے درمیان کچھ ہے اور کبھی لگتا کہ وہ آزین میں انٹرسٹڈ ہے۔

"بھلا مجھے کیوں مایوسی ہوگی۔" سمیرا سمجھ نہیں سکی تھی۔

"یہ تو تمہیں ہی پتا ہوگا۔ آخر اتنے وثوق سے جو اس کے واپس نہ آنے کا اعلان کر رہی ہو تو شاید اندر کہیں کوئی نا امیدی ہی ہے نا اور......" زل نے اس کا ہاتھ دبا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روکا تھا۔ اور سمیرا ہنس پڑی تھی۔

"ابھی تم بچی ہو سحرش ارباب اور اتنی ذہین نہیں ہو کہ سمیرا شاہ کے دل میں جھانک سکو۔"

"صحیح کہہ رہی ہو تم۔ سیاست دانوں کے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو۔ جن کی زبان پر کچھ ہوتا ہے اور دل میں کچھ، بے چارے عوام بھی ان کا اصل چہرہ دیکھ نہیں پاتے تو میں بھی تو بے چاری عوام ہوں خواص کے دل کے اندر کیسے جھانک سکتی ہوں۔"

یہ تو ممکن نہیں تھا کہ وہ سمیرا کی بات کا جواب نہ دیتی حالانکہ زل آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش رہنے کا کہہ رہی تھی۔

"اوکے سوئیٹ سحرش، اس موضوع پر پھر کبھی بات کریں گے ابھی مجھے جبران کے گھر جانا ہے۔ قرآن خوانی میں۔" سحرش نے اس کی بات کا برا نہیں منایا تھا اور چلی گئی تھی۔

جس روز بی بی اماں نے آزین کے دوستوں کی دعوت کی تھی اس سے اگلی صبح جبران کے دادا جان کا انتقال نہ ہوتا تو وہ زین سے بات کرنے والی تھی اسے ہر صورت اس سے پوچھنا تھا کہ آخر اچانک اسے کیا ہوا ہے اس کے دل میں کیا بات ہے۔ جس نے اس کا موڈ خراب کر دیا ہے اور وہ اتنے دنوں سے اس سے بات تک نہیں کر رہا۔ سحرش نے اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اس کے جانے سے پہلے ضرور اس سے بات کرے۔ سب کے جانے کے بعد سحرش اس کے ساتھ کچن میں برتن سمیٹنے میں اس کی مدد کر رہی تھی اور اس نے ایک بار پھر اس سے کہا تھا۔

"زل، اس سے بات کرو جانے سے پہلے پوچھو کہ اسے کیا پرابلم ہے کیوں اداس اونٹ کی طرح منہ لٹکائے پھرتا ہے۔"

سحرش کی اپنی ہی مثالیں ہوتی تھیں۔

"اگر اسے تمہارے متعلق کوئی غلط فہمی ہوگئی ہے یا اسے تم سے کوئی شکایت ہے تو اسے دور کرو۔ مجھے کچھ گڑبڑ لگتی ہے۔ وہ چلا گیا تو شاید تمہیں پھر موقع نہ ملے اس طرح بات کرنے کا۔ ایسا نہ ہو کہ چھوٹی سی غلط فہمی وقت کے ساتھ پہاڑ بن جائے اور تم اس پہاڑ کو ڈھا ہی نہ سکو۔ اس سے کھل کر بات کرو اور ذرا رعب سے آخر بیوی ہو اس کی کوئی مذاق نہیں ہے۔"

اور اس رات اس نے سوچا تھا کہ صبح وہ ضرور اس سے بات کرے گی۔ اسے بتانا ہی ہوگا کہ ایسا کیا قصور کر دیا ہے اس نے کہ وہ اس سے بات تک نہیں کر رہا اس نے یہاں سے جانے کا ارادہ کر لیا اور اسے بتایا تک نہیں لیکن بعض اوقات انسان جو کچھ سوچتا ہے وہ کر نہیں پاتا کہ کتاب میں کچھ اور ہی لکھا ہوتا ہے۔ کاتب تقدیر نے اس کی تقدیر میں جانے کیا لکھا تھا وہ نہیں جانتی تھی وہ تو فیصلہ کر کے سوئی تھی کہ

آزین ظفریاب کو ہر صورت اس کی بات سننی ہو گی اور اپنے رویے کی وضاحت کرنی ہو گی لیکن وہ تو ناشتہ کیے بنا ہی مرسل کے ساتھ جبران کی طرف چلا گیا تھا کہ فجر کے وقت جبران کے دادا جان کا انتقال ہو گیا تھا۔ چلو واپس آئے گا تو بات کرلوں گی۔ بی بی اماں کے بتانے پر اس نے سوچا تھا لیکن اسے پتا ہی نہ چلا کہ وہ کب گھر آیا اور کب واپس چلا گیا۔

جنازہ عشاء کے بعد تھا اور وہ بی بی اماں کو بتا گیا تھا کہ کھانے پر اس کا انتظار نہ کریں۔ ہو سکتا ہے اسے زیادہ دیر ہو جائے۔ پھر بھی اس نے عشاء کے بعد اس کا کچھ دیر تک انتظار کیا تھا اور پھر اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ خیر کل سہی۔ بات تو بہر حال اسے کرنی ہی تھی کہ سحرش کہتی تھی کہ غلط فہمیاں فوراً دور کر لینی چاہئیں۔ اندر ہی اندر اکٹھی ہوتی رہیں تو وجود کو زہریلا کر دیتی ہیں اور یہ زہر ہولے ہولے دیمک کی طرح سب تعلق، رشتے، محبتیں چاٹ جاتا ہے۔

اور یہ سحرش بھی یونی میں جا کر کچھ زیادہ ہی عقل مند اور سمجھ دار ہو گئی ہے۔ سونے سے پہلے اس نے سوچا تھا اور اسے اپنی محبت اور رشتے کو بچانے کے لیے زین سے بات کرنا ہی تھی لیکن نہیں جانتی تھی کہ وقت اس کے ہاتھوں سے پھسل جائے گا اور وہ بات نہیں کر سکے گی کہ اگلی صبح ناشتہ کر کے زین اپنے کمرے میں چلا گیا تو اس نے سوچا شاہ زیب بیگ کو ناشتہ کروا کے وہ زین سے بات کرنے جائے گی لیکن اس سے پہلے ہی ثوبیہ مرسل کے ساتھ آ گئی۔

''جلدی سے تیار ہو جاؤ زمل اور میرے ساتھ چلو۔''

''کہاں۔'' اس نے پوچھا تھا۔

''مرسل اور زین جبران کی طرف جا رہے ہیں تو میں نے سوچا کہ ہم بھی جبران کو افسوس کر آئیں۔ میں، تم اور مہرین۔''

''لیکن ہم تو جبران کی فیملی کو نہیں جانتے۔ کیا کریں گے جا کر۔'' اس نے اعتراض کیا تھا۔

''تو کیا ہوا جبران کو تو جانتے ہیں نا ہم۔ میں تو کل ہی جانا چاہ رہی تھی لیکن نہیں جا پائی۔ بہت محب وطن اور اچھے انسان تھے وہ۔ مرسل کہہ رہا تھا ایسے لوگ قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں اور ان کا چلے جانا بہت بڑا نقصان ہوتا ہے ملک و قوم کا۔''

''تم اور مہرو چلی جاؤ بیا۔ میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' وہ جانا نہیں چاہتی تھی لیکن مہرین ہاسپٹل جا چکی تھی اس لیے اسے جانا پڑا تھا۔ وہاں وہ زیادہ دیر نہیں بیٹھی تھیں اور سمیرا اسے کہہ کر جو وہاں ہی لاؤنج میں بیٹھی سے پارہ پڑھ رہی تھی جبران کو بلوایا تھا۔ جبران جو مردوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں تھا۔ لان میں آیا تھا اس کے ساتھ مرسل اور زین بھی تھے۔ تعزیت کے بعد انہوں نے جانے کی اجازت مانگی تھی۔

''سوری یار، ہم دعا میں شامل نہیں ہو سکیں گے۔ مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ مرسل نے بھی اپنے کزن کو کچھ بھجوانا ہے۔ اور ابھی خریدنا ہے۔ کل میری فلائٹ ہے۔'' مرسل کا کزن لندن میں رہتا تھا۔

''کوئی بات نہیں زین۔ میں دادا جان کی بیماری کی وجہ سے تمہاری دعوت میں بھی نہیں آ سکا۔ حالانکہ جب مرسل نے مجھے بتایا کہ تم جا رہے ہو تو میں تم سے فوراً ملنا چاہتا تھا۔ مجھے تم سے کچھ بہت ضروری باتیں کرنا تھیں۔ لیکن خیر جو اللہ کو منظور ہوا گلے ماہ مجھے ایک بزنس ڈیل کے لیے مانچسٹر آنا ہے تو میں تم سے ملنے لندن آؤں گا تو پھر ان شاء اللہ بات کر لیں گے۔ میں نہیں جانتا تم نے اچانک باہر جانے کا فیصلہ کیوں کیا ہے۔ کچھ عرصہ کے لیے جا رہے ہو یا ہمیشہ کے لیے سیٹل ہونا چاہتے ہو۔''

جبران سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''پتا نہیں ابھی میں نے کچھ نہیں سوچا شاید جلد ہی لوٹ آؤں شاید وہاں ہی رہ جاؤں۔'' وہ متذبذب سا تھا۔

''جو بھی فیصلہ کرنا بہت سوچ سمجھ کر کرنا دوست۔ جلد بازی میں کیے گئے فیصلے بعض اوقات عمر بھر کے پچھتاوے دے جاتے ہیں۔'' جبران نے اس

کا بازو تھپتھپایا تھا۔

"مانچسٹر آؤ تو مجھ سے ملنے ضرور آنا۔ مجھے بھی تم سے کچھ باتیں کرنا تھیں۔" آزین نے اسے گلے ملتے ہوئے تاکید کی تھی۔

اور بات تو اسے بھی زین سے کرنی تھی بہت اہم بہت ضروری لیکن مرسل اور وہ اسے باہر ہی اتار کر چلے گئے تھے کہ انہیں شاپنگ کے لیے جانا تھا بس آج کا ہی تو دن تھا اور پھر کل صبح سویرے اسے چلے جانا تھا۔ لیکن یہ دن بھی مٹھی میں بند ریت کی طرح اس کے ہاتھوں سے پھسل گیا تھا۔ وہ شام کو واپس آیا تھا لیکن اکیلا نہیں۔ صبوحی چچی بھی اس کے ساتھ تھیں۔

"میں تم سے ملنے کے لیے تڑپ رہی تھی زل۔"

اس سے گلے ملتے اسے پیار کرتے ہوئے ان کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔

"لیکن جتنی بار بھی آئی تم سے ملاقات نہ ہو سکی۔ بار بار آتے ہوئے بھی جھجک ہوتی تھی یہاں اس گھر میں زندگی کے دس گیارہ برس گزارے تھے اور اب یہ ہی گھر میرے لیے اجنبی ہو گیا تھا۔"

آنسو ان کے رخساروں پر پھسل آئے تھے۔

"آج میں نے زین سے کہا مجھے میری بچی سے ملوالاؤ میں اسے ملے۔ اسے دیکھے بغیر چلی گئی تو بے چین رہوں گی۔ تم میری جان سے زیادہ عزیز دوست میری پیاری بہن میری مریم کی بیٹی ہو۔"

وہ اسے گلے لگائے رو رہی تھیں۔ آزین انہیں وہاں ہی چھوڑ کر دادا جان کے پاس چلا گیا تھا۔ وہ انہیں اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کے آنسو پونچھے تھے۔

"تم بالکل مریم بھابی جیسی ہو۔ ان کے جیسی ہی خوب صورت اور حسین۔"

اور پھر مریم کو یاد کرتے ان کی باتیں کرتے ہوئے کتنا ہی وقت بیت گیا۔ کتنی ہی بار دونوں کی آنکھوں میں آنسو آئے تھے اور کتنی ہی بار کسی خوب صورت یاد نے دونوں کے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔ اسے صبوحی چچی سے اماں کی باتیں سننا اچھا لگ رہا تھا۔

"پتا ہے زل، مرنے کے بعد جب میں مریم سے ملوں گی تو خوب لڑوں گی اس سے۔ میں تو زین کو اس کے بھروسے پر چھوڑ کر گئی تھی۔ اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ وہ میرے زین کا بہت خیال رکھے گی۔ لیکن اس نے وعدہ وفا نہیں کیا۔ چھوڑ کر چلی گئی تمہیں بھی اور زین کو بھی۔" مریم کے متعلق بتاتے بتاتے ایک بار پھر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔ زل نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔

"بس کریں چچی جان، مت روئیں۔ ان کے لیے دعا کریں اللہ ان کے درجات بلند کرے۔"

"کیا کروں ملی، اتنے سالوں سے میں روئی نہیں تو میرے اندر جیسے سمندر ابل رہے ہیں۔ مجھے رونے دو۔ وہ خسارے جو میری تقدیر میں لکھے تھے ان پر اور وہ نقصانات جو میں نے خود مول لیے۔"

انہوں نے ہاتھوں کی پشت سے اپنے آنسو پونچھے۔

"مریم بہت صابر تھی۔ اس نے کبھی زیب بھائی سے گلہ نہیں کیا۔ کبھی کوئی فرمائش نہیں کی بعض اوقات وہ دو تین مہینوں بعد گھر آتے تھے لیکن مریم نے کبھی شکایت نہیں کی۔ کبھی ناراض نہیں ہوئی ان سے۔ وہ آتے تو ان کی خدمت میں لگ جاتی تھی۔ لیکن تم ایسا مت کرنا زین ذرا سی بھی کوئی ڈنڈی مارے تو خوب لڑنا، فرمائشیں کیا کرنا، ذرا گڑبڑ کرے تو ناراض ہو جایا کرنا اور خوب منتیں کروا کے راضی ہونا۔"

وہ روتے روتے پھر ہنس پڑی تھیں۔

"پتا ہے تمہارے دادا جان چاہتے تھے کہ تمہاری رخصتی کروا کے جاؤں میں بھی یہ ہی چاہ رہی تھی لیکن زین نے منع کر دیا۔"

اور اس کے اندر درد کی ایک تیز لہر سی اٹھی تھی۔ دل سکڑا تھا۔

"کہتا ہے اگر رخصتی ہو گئی تو میرا دل اسے اکیلا

چھوڑ کر جانے کو نہیں چاہے گا۔ نئی نویلی دلہن کو چھوڑ کر جانا آسان تو نہیں ہوتا نا۔ دل بے ایمان ہو جائے گا اور میں آپ کے ساتھ نہ جا پاؤں گا۔ تو اس لیے۔"

اور میں یوں ہی بدگمان ہو رہی تھی۔ اور یہ بات وہ مجھے خود بھی تو بتا سکتا تھا لیکن بدگمانی کے گھنے جنگل میں کہیں سے روشنی کی کرن در آئی تھی اور لبوں پر شرمیلی سی مسکراہٹ آ کر ٹھہر گئی تو صبوحی نے بے اختیار اس کی پیشانی چوم لی۔

"میری بیٹی ...... میرے زین کی دلہن۔ اللہ تم دونوں کا ساتھ تا قیامت رکھے۔ کبھی کوئی بدگمانی تمہارے درمیان دوریاں پیدا نہ کرے۔ زندگی کی آخری سانس تک تم ہمیشہ ایک ساتھ خوش رہو۔"

اور دل ہی دل میں آمین کہتے ہوئے اس نے سوچا تھا۔ کہ وہ صبوحی چچی سے پوچھے کہ وہ کیوں اچانک ظفر چچا کو چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ کیا محبت کا بندھن اتنا کمزور ہوتا ہے چلو محبت کا بندھن کمزور سہی لیکن ماما کا جذبہ تو کمزور نہیں ہوتا اور وہ زین کو بھی چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ انہوں نے اس کا بھی نہ سوچا کہ ان کے اس طرح جانے سے زین کے اندر کتنے کمپلکس بن جائیں گے۔ عورت پر سے اس کا اعتبار اٹھ جائے گا۔ اسے صبوحی چچی سے بہت سارے سوال کرنے تھے اور ابھی کچھ پوچھنے کے لیے اس نے ہونٹ وا کیے ہی تھے کہ شاہ زیب بیگ اسے آواز دیتے ہوئے دروازہ کھول کر اندر آئے تھے۔

"زمل...... زمل۔"

"جی ابا۔" وہ یکدم کھڑی ہو گئی تھی۔

"وہ۔"

پھر ان کی نظر یکدم صبوحی پر پڑی تھی اور لحہ بھر کے لیے ان کی آنکھوں میں حیرت نظر آئی۔

"صبوحی بھابھی آپ۔ آپ کب آئیں۔"

اور پھر انہوں نے چاروں طرف دیکھا تھا۔

"اور ظفر بھائی کدھر ہیں۔ وہ نہیں آئے کیا؟"

انہوں نے صبوحی چچی کو پہچان لیا تھا اتنے سالوں بعد بھی پہلی نظر میں ہی۔ ورنہ جب ظفر یاب آئے تھے تو کتنے سارے دن وہ انہیں اجنبی نظروں سے دیکھتے رہے تھے۔ بس ایک دو بار ہی ان کی آنکھوں میں پہچان کے رنگ نظر آئے تھے جو فوراً ہی معدوم ہو گئے تھے وہ مسرت کے احساس میں گھری کھڑی تھی۔ وہ واقعی تیزی سے ٹھیک ہو رہے تھے اور ایک روز وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔

"السلام علیکم بھائی کیسے ہیں آپ۔" صبوحی چچی کھڑی ہو گئی تھیں۔

"اللہ کا شکر ہے بھابھی آپ بیٹھیں نا۔" انہوں نے اشارے سے انہیں بیٹھنے کے لیے کہا تھا۔

"اور آپ نے بتایا نہیں ظفر بھائی کہاں ہیں۔"

"وہ تو نہیں آئے کام تھا انہیں کچھ۔" صبوحی کی آنکھیں نم ہوئی تھیں۔

"بس وہی اپنی پارٹی کے کام ہوں گے ہر شے سے اہم۔" وہ مسکراتے ہوئے بیٹھ گئے تھے۔

"کیا ملک سے باہر بھی پارٹی کے کام ان کی جان نہیں چھوڑتے آج ہی تو ابا جان نے مجھے بتایا ہے کہ ظفر بھائی نے وہاں یو۔ کے میں ہی اپنا بزنس سیٹ کر لیا ہے اور وہاں ہی سیٹل ہو گئے ہیں۔ لیکن اپنا ملک تو اپنا ملک ہوتا ہے نا بھابی۔ بندہ سال چھ مہینے بعد تو چکر لگاتا ہے۔ لیکن آپ نے تو پکے پکے وہاں ہی ڈیرے جما لیے ...... میں آپ سے اور ظفر بھائی سے بہت ناراض ہوں۔ مریم دنیا سے چلی گئی زمل اکیلی تھی اور پھر میں بھی بیمار ہو گیا تھا۔ شہزادہ کہتا ہے بہت زیادہ بیمار۔ جاب سے بھی لمبی چھٹی لینی پڑی ...... شہزادہ ہاں شہزادہ۔" وہ چونک کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"میں تو شہزادے کا پوچھنے آیا تھا وہ کہاں ہے۔ ڈیوڑھی میں بھی نہیں ہے۔ ابھی دیکھ کر آیا ہوں۔"

"آپ کو ان سے کوئی کام تھا مجھے بتائیں۔ وہ شاید کسی کام سے باہر نکلے ہوں۔"

"کام ...... ہاں کام۔" ان کی پیشانی پر لکیریں سی پڑی تھیں۔

"پتا نہیں کیا کام تھا۔ یاد نہیں آ رہا۔" لحہ بھر

"ابا۔" زل نے ان کے بازو پر ہاتھ رکھا۔
"کبھی کبھی ہوتا ہے ایسا کہ آنکھیں بند کرو تو آنکھوں کے سامنے عجیب عجیب شکلیں آنے لگتی ہیں۔ شیطانی اور جناتی سی شکلیں۔ اور آپ کو دوا کھانے کے بعد سونا تھا نا اور آپ سوئے نہیں تو دماغ چکرا رہا ہے آپ سو جائیں پلیز۔ اٹھیں گے تو پرسکون ہوں گے۔"
لیکن وہ یوں ہی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیٹھے تھے۔ اور آنکھوں کے سامنے مختلف منظر آ رہے تھے کسی سینما کی اسکرین کی طرح ایک کے بعد دوسرا منظر تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔ وہ تیز تیز چلتے ہوئے آئی۔ سی۔ یو کی طرف جا رہے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو ابا جان ان سے کہہ کر گئے تھے۔
"مریم کی آنکھیں تمہاری راہ دیکھ رہی ہیں۔ اس کی سانسیں شاید تمہارے انتظار میں اٹکی ہوئی ہیں۔"
اور سامنے سے آتا شخص لنگڑا لنگڑا کر اپنی اسٹک پر زور ڈال کر تیز تیز چلتا ہوا انہیں آواز دیتا ان کی طرف آ رہا ہے۔ اس کی آواز آہستہ ہوتی ہے لیکن وہ رکتے نہیں ہیں۔ منظر بدلتا ہے۔
وہ اس کے سامنے کھڑے ہیں اور وہ التجا کر رہا ہے۔
"پلیز...... میری بات سن لیں۔ بہت ضروری بات کرنی ہے۔" وہ غور سے اسے دیکھ رہے ہیں۔ بے ڈھنگے انداز میں بڑھے ہوئے داڑھی کے بال۔ قدرے پھیلی ہوئی سی ناک وہ اسے پہچان نہیں پا رہے۔
"دیکھو بھائی، تم جو کوئی بھی ہو۔ جہلم آفس میں آنا میں تمہاری ساری بات سن لوں گا۔ اور جو مدد کر سکا کر دوں گا لیکن اس وقت میری بیوی آئی۔ سی۔ یو میں ہے اور میں اس وقت رک کر تمہاری بات نہیں سن سکتا۔" وہ قدم آگے بڑھاتے ہیں۔
"کیا...... کیا کہا آپ نے...... آپ کی بیوی۔"
وہ تیزی سے آگے بڑھ کر ان کا بازو دبوچ لیتا ہے۔ وہ اس سے ہاتھ چھڑا رہے ہیں لیکن اس کی گرفت سخت ہے۔
"کیا...... وہ زندہ ہے...... وہ مل گئی آپ کو۔"
وہ ہاتھ چھڑا کر قدم اٹھاتے ہیں۔
"وہ کہاں ملی آپ کو۔"
وہ کوئی نام لیتا ہے اور ان کا اٹھا قدم وہاں ہی ہوا میں ساکت ہوتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ نیچے آتا ہے۔ منظر پھر بدلتا ہے اب اس کا بازو ان کے ہاتھ میں ہے وہ اسے جھنجھوڑ رہے ہیں۔
"کون ہو تم...... کیسے جانتے ہو اسے۔"
"میں اقبال ہوں۔" وہ اپنا تعارف کروا رہا ہے۔ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہے ہیں۔
"بارہ سال پورے بارہ سال جیل میں سجدوں میں گر کر میں نے دعائیں مانگیں کہ وہ آپ کو مل جائے۔ ایک بار میں سب سے معافی مانگ لوں...... اور جب سے واپس آیا ہوں دن رات دعا مانگتا ہوں میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں میں ایک جھوٹا۔ حاسد اور کمینہ انسان ہوں۔"
اس کے ہونٹ ہل رہے تھے لیکن اب وہ اس کی آواز نہیں سن رہے تھے۔ منظر تیزی سے بدل رہے تھے جیسے تیز ہوا کتاب کے اوراق کو تیزی سے پلٹتی جائے اور نظر کسی ایک صفحے پر بھی نہ ٹھہر سکے۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا اور جو کچھ بھی کہہ رہا تھا بہت اذیت ناک بہت تکلیف دہ تھا منظر پھر بدلا تھا۔ وہ ہاتھ جوڑے کھڑا تھا آنسو اس کے رخساروں سے بہہ کر اس کی بے ترتیب داڑھی میں جذب ہو رہے تھے۔
"تم نے...... تم نے ایسا کیوں کیا اقبال۔"
وہ پوچھ رہے تھے اور ان کا دل پھٹ پڑا تھا شاید اس نے کچھ بہت برا کیا تھا ان کے ساتھ۔
منظر پھر بدلا تھا۔ وہ کون تھے ظفریاب یا ارباب بیگ جو خفا ہو رہے تھے۔
"مریم جا رہی ہے زیبی اور تم یہاں عدالت لگائے کھڑے ہو۔" انہوں نے آنکھوں کو زور سے بھینچ کر کھولا پھر بند کیا۔

اب وہ آئی۔سی۔یو میں مریم کے بیڈ کے پاس کھڑے تھے۔ ان کے آنسو رخساروں پر بہہ رہے تھے۔ اور مریم کے لب ہولے ہولے ہل رہے تھے وہ کیا کہہ رہی تھی وہ سن نہیں پا رہے تھے وہ گھٹنوں کے بل بیڈ کے پاس بیٹھے اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"ایسا مت کرو مریم۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے۔ مجھے معاف کر دو مریم میں تمہیں کبھی بہت سارا وقت نہیں دے سکا لیکن آئی۔ لو۔ یو مریم لو۔ یو بہت محبت کرتا ہوں تم سے۔ بہت انمول ہو تم بہت اچھی ہو...... میں اور زل تمہارے بغیر نہیں رہ پائیں گے مت جاؤ پلیز۔" وہ خود کو کہتے سن رہے تھے۔

وہ رونا چاہتے تھے۔ چیخیں مار مار کر اونچا اونچا۔ دل پھٹ رہا تھا کیا یہ صرف مریم کے جانے کا دکھ تھا نہیں اندر کوئی اور زخم بھی تھا۔ جس سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ بہت تکلیف تھی۔

مریم کے لبوں پر مسکراہٹ تھی جس میں آسودگی تھی اطمینان تھا۔ سکون تھا۔

"مریم۔" انہوں نے ایک بار پھر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا اب وہ اسے ہونٹوں سے لگا رہے تھے۔ آنکھوں سے لگا رہے تھے۔

"زل کا بہت خیال رکھیے گا۔" اس کی آواز بہت آہستہ تھی اتنی کہ انہیں کان بالکل اس کے ہونٹوں کے قریب کرنا پڑا تھا۔

"اور وہ جس کے ہجر کا کرب آپ کی آنکھوں میں ہر وقت ٹھہرا رہتا ہے اسے لے آئیے گا۔" آواز مدھم ہوتے ہوئے معدوم ہو گئی تھی۔

"مریم" ان کے بہتے آنسوؤں میں تیزی آئی تھی مریم نے ایک ہاتھ ذرا سا بلند کر کے ان کے آنسو پونچھنا چاہے تھے لیکن اس کا ہاتھ نیچے گر گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کی جوت بجھتی جا رہی تھی۔ پھر ہولے ہولے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ آنکھوں کے کونوں سے آنسو کا ایک سیاہی مائل سا قطرہ نکل کر کنپٹی تک آیا تھا۔ اور مریم کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔

"مریم......" وہ چیخ رہے تھے۔

"ڈاکٹر...... ڈاکٹر۔"

منظر پھر بدلا تھا۔ وہ ظفریاب تھے جوان کے گرد بازو حمائل کیے انہیں آئی۔سی۔یو سے باہر لے جا رہے تھے کوریڈور میں دیوار سے ٹیک لگائے وہ اب بھی کھڑا تھا۔ وہ ظفریاب کے بازو کے حلقے سے نکل کر تیزی سے اس کی طرف بڑھے تھے۔ اس نے ہاتھ باندھ لیے تھے۔

"آپ بڑے آدمی ہو صاحب۔ آپ اسے ڈھونڈ لیں گے۔ انہیں ڈھونڈ لینا صاحب۔"

"کسے...... کسے ڈھونڈ لوں۔" انہوں نے سر اٹھا کر زل کی طرف دیکھا۔

"کسے...... کسے ڈھونڈ لوں میں۔" ان کی آنکھوں کی سرخی گہری ہو گئی تھی اور ان میں کرب تھا اذیت تھی۔

"وہ کسے ڈھونڈنے کو کہہ رہا تھا۔" وہ یکدم کھڑے ہو گئے۔

"پوچھتا ہوں اس سے۔ کون گم ہو گیا ہے میرا۔ کسے ڈھونڈوں میں۔"

وہ تیزی سے دروازے کی طرف بڑھے اور باہر نکل گئے۔

"ابا...... ابا۔" زل ان کے پیچھے لپکی۔ لیکن وہ بھاگتے ہوئے صحن کے دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ پھر یکایک وہ لڑکھڑائے تھے شاید چکر آیا تھا یا پھر کسی چیز سے ٹھوکر لگی تھی۔ انہوں نے ہاتھ پھیلا کر بچنے کی کوشش کی تھی لیکن گول دائرے میں گھومتے ہوئے وہ دروازے سے ٹکرا کر نیچے گرے تھے۔ دروازے میں ایک کیل ابھرا ہوا سا تھا جو ان کی کنپٹی پر لگا تھا۔ وہ دوڑ کر ان کے قریب آئی تھی اور نیچے بیٹھتے ہوئے ان کا سر گود میں رکھا تھا۔ خون بہت تیزی سے بہہ رہا تھا۔

"شیخو بابا...... بی بی اماں۔ دادا جان" وہ چلا رہی تھی۔ سب سے پہلے شیخو بابا دروازہ کھول کر اندر آئے تھے۔

"کیا ہوا...... کیا ہوا۔" وہ زمین پر بیٹھ گئے تھے۔

"شاہ بابا...... شاہ بابا پلیز آنکھیں کھولیں۔"

زل نے دوپٹا اتار کر ان کے زخم پر رکھ دیا تھا اور وہ سرخ ہوتا جا رہا تھا۔ سب ہی دوڑتے ہوئے اپنے کمروں سے نکل آئے تھے۔ شینو بابا نے دوپٹا کس کر ان کے زخم پر باندھا تھا پھر یکدم انہیں اپنے مضبوط بازوؤں میں اٹھا لیا تھا۔

"میں ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہا ہوں۔"

سامنے سیڑھیوں سے بلال اور سحرش دو دو سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے نیچے آئے تھے۔ بی بی اماں نے تار پر سے دوپٹا اتار کر زل کو دیا تھا جو پھٹی پھٹی آنکھوں سے شینو بابا کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"رکیں رکیں شینو بابا۔" بلال قریب آیا تھا۔

"ابا جان آج گاڑی لے کر نہیں گئے میں نکال کر لاتا ہوں۔ سحرش چابی لے کر آؤ۔"

سحرش واپس بھاگی تھی۔ جہاں زیب ساکت کھڑے تھے۔

بی بی اماں منہ ہی منہ کچھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔ شینو بابا انہیں بازوؤں میں بھرے بھرے بیٹھ گئے تھے۔ دوپٹا خون سے تر ہوتا جا رہا تھا۔ شاہ زیب بیگ کا رنگ زرد ہو رہا تھا آنکھیں بند تھیں۔ شینو بابا نے ان کی نبض پر ہاتھ رکھا تھا۔ اور آنسو بھری آنکھوں سے جہاں زیب بیگ کی طرف دیکھا۔

"نبض بہت آہستہ ہے۔" پھر انہوں نے اپنا سر ان کے سینے پر رکھا۔ جیسے دل کی دھڑکن سننا چاہ رہے ہوں۔ ساتھ وہ ہولے ہولے بول رہے تھے۔

"نہیں شاہ بابا...... نہیں آپ اس طرح نہیں کر سکتے۔" تب ہی سحرش چابی لے کر آ گئی تھی۔ بلال چابی لے کر باہر بھاگا تھا۔

"شینو بابا، آپ لے کر آئیں چچا جان کو۔"

شینو بابا کے پیچھے ہی جہاں زیب بیگ بھی باہر نکل گئے تھے اوپر سے مونا تائی۔ ماہ وش۔ شانزہ سب ہی آ گئے تھے لیکن وہ اس طرح صحن کے فرش پر بیٹھی تھی۔ جیسے شاک میں ہو۔ پہلے اماں پھر زین اور اب ابا...... ابا بھی۔

"نہیں...... نہیں میرے اللہ نہیں اب نہیں۔"

"زل بیٹی اٹھو۔" بی بی اماں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"دعا کرو۔ یوں مغرب کے وقت اس طرح مت بیٹھو۔" مغرب کی اذان ہو رہی تھی۔ وہ اٹھی ہاتھ پھیلا کر اپنے خون آلود ہاتھوں کو دیکھا۔

"زل ہاتھ دھو لو چلو۔"

سحرش نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا۔ بی بی اماں نے برآمدے کی لائٹ جلا دی تھی۔ سب برآمدے میں تھے۔ کوئی کھڑا تھا کوئی بیٹھ گیا تھا۔ سب کچھ نہ کچھ بول رہے تھے لیکن اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا وہ کسی روبوٹ کی طرح سحرش کے ساتھ چلتی ہوئی واش روم کی طرف جا رہی تھی۔

☆☆☆

جبران پریس کلب سے نکل کر اپنی گاڑی کی طرف جا رہا تھا کہ ایک دم سمیرا اس کے سامنے آ گئی۔

"تم۔" وہ حیران ہوا تھا۔

سمیرا نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔ وحشت زدہ نظریں۔ آنکھوں میں جیسے صحراؤں کی سی ویرانی تھی۔ شکن آلود شرٹ اور ٹراؤزر گلے میں دوپٹا جس کا ایک سرا تو گھٹنوں کو چھو رہا تھا اور دوسرا گردن سے ذرا نیچے تھا۔ یہ وہ سمیرا تو نہیں تھی جسے وہ جانتا تھا۔ لمحہ بھر کے لیے اس کے دل کو کچھ ہوا لیکن اس نے فوراً ہی نظریں اس کے چہرے سے ہٹا لیں۔

"مجھے اپنے اخبار کے آفس سے پتا چلا تھا آج تم نے یہاں آنا ہے کسی خاص شخص سے ملنے۔ تفصیل تو مجھے معلوم نہیں ہو سکی تھی تاہم میں دو گھنٹے سے یہاں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

کچھ عرصہ سے وہ انگریزی اخبار کے علاوہ ایک اردو اخبار میں بھی کالم لکھ رہا تھا جس کا مشورہ اسے چاچو نے دیا تھا اور سمیرا نے بھی اس کی تائید کی تھی کہ وہ خود بھی اسی اخبار میں لکھتی تھی آج جب وہ اپنے کالم

دینے آئی تو اس نے سنا کہ آج جبران احمد کو پریس کلب میں کسی نے ملاقات کے لیے بلا رکھا ہے۔ کچھ تشویش پائی جاتی تھی کچھ کولیگز کا خیال تھا کہ وہاں اسے نہیں جانا چاہیے تھا۔ اس نے گھر آ کر کئی بار اسے فون کیا لیکن اس نے فون اٹینڈ نہیں کیا تھا تب وہ یہاں چلی آئی تھی اور اپنی گاڑی کے پاس کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی اس نے یہاں آتے ہی پارکنگ میں اس کی گاڑی دیکھ لی تھی۔

''کوئی کام تھا کیا؟'' جبران کا لہجہ سپاٹ تھا۔

''کیا میں بغیر کام کے تمہیں نہیں مل سکتی۔''

اس نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

''ہم دوست ہیں جبران۔ سینکڑوں بار ہم ملے ہیں بغیر وجہ کے بغیر مقصد کے پھر اب تم کیوں مجھ سے نہیں ملتے۔ میں فون کرتی ہوں تم اٹھاتے نہیں ہو۔ نمبر ملاتے ملاتے میری انگلیاں تھک جاتی ہیں۔ میں تمہارے گھر یا آفس آتی ہوں تو تم ملتے نہیں ہو۔ کیوں...... کیوں کر رہے ہو تم میرے ساتھ۔''

''اس سوال کا جواب خود سے پوچھو سمیرا۔ اور ہم دوست تھے۔ اب نہیں ہیں۔'' ویسا ہی سپاٹ لہجہ۔

''جبران...... مت کرو میرے ساتھ ایسا مجھے یوں اگنور مت کرو۔''

اس کے لہجے میں تڑپ تھی التجا تھی لیکن جبران احمد نے اپنا دل پتھر کیا۔

''او کے تمہاری بات ختم ہو گئی ہے تو اب میں جاؤں۔ مجھے ابا جان نے اپنے آفس میں بلایا تھا انتظار کر رہے ہوں گے۔''

''ایک بار صرف ایک بار میری بات سن لو جبران، پلیز مجھے یوں اس طرح رد مت کرو۔'' اس نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھا تو جبران کی نظریں لمحہ بھر کے لیے اس کی نظروں سے ملیں۔ ملتجی آنکھوں میں آنسو بھرے تھے۔

''او کے۔'' اس نے ایک گہری سانس لی۔

''کہو کیا کہنا ہے۔''

''یہ جگہ بات کرنے کے لیے شاید مناسب نہیں ہے۔ اس سوسائٹی میں ذرا سا آگے روڈ کراس کر کے ایک پارک ہے وہاں بیٹھ کر بات کر لیں۔'' وہ اس سے بات کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا تو یقیناً وہ اسے قائل کر لے گی۔ وہ ناراض ہے۔ خفا ہے لیکن وہ اسے منا لے گی۔

اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر اثبات میں سر ہلایا۔

اب وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پارکنگ ایریے سے باہر نکلے اور فٹ پاتھ پر چلنے لگے۔ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سمیرا نے دو تین بار کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ چہرے پر سنجیدگی اور سختی لیے ناک کی سیدھ میں دیکھتا ہوا چل رہا تھا۔ کبھی یوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کتنی ڈھیروں باتیں کیا کرتے تھے زیادہ تو وہ ہی بولتی تھی وہ وقفے وقفے سے مسکرا کر اسے دیکھتا ہوا کوئی مختصر سی بات کر لیتا تھا لیکن اس کی باتیں بہت دھیان سے سنتا تھا۔ ہاں اگر سیاسی بات ہوتی کسی کالم کے متعلق ڈسکس کرنا ہوتی یا کسی واقعے پر تبصرہ کرنا ہوتا تب زیادہ وہ بولتا اور وہ سنتی تھی۔ اگر کسی بات پر اختلاف بھی ہو جاتا تو وہ زیادہ بحث نہیں کرتا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کی خواہش کا احترام کرتا تھا بہت بار اپنی خواہش نہ ہونے کے باوجود وہ اس کی بات مان لیتا تھا مثلاً کہیں باہر جانا ہوتا۔ کہیں کھانا کھانے، کسی دوست سے ملنے لیکن اب......

اب تو وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔ پھر بھی اسے یقین تھا کہ وہ اسے منا لے گی۔ اس کی کوئی بات اسے کتنی بھی بری لگی ہو لیکن وہ زیادہ دیر اس سے خفا نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہ یقین کس بری طرح ٹوٹنے والا تھا اس کا اسے اندازہ نہیں تھا سو وہ اب بے حد مطمئن سی گاہے گاہے اس کی طرف دیکھتی اس کے ساتھ چلتی ہوئی پارک میں داخل ہوئی تھی۔ پارک میں اس وقت رش نہیں تھا کچھ بچے کھیلتے نظر آ رہے تھے وہ ایک بینچ پر بیٹھ گئے تھے۔

"ہاں اب بولو کیا کہنا ہے۔" وہ سامنے ایک بچے کو فٹ بال کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"میں نے ایسا کیا کیا ہے جبران، کہ تم نے مجھے اپنی زندگی سے نفی کر دیا ہے۔"

"یہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو سمیرا" وہ اب بھی اس بچے کو دیکھ رہا تھا جس نے فٹ بال اب اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا تھا اور اسے لے کر لڑکوں کے ایک گروپ کی طرف جا رہا تھا۔

"کیا تم نہیں جانتیں کہ تم نے وہ کام کیا ہے جو شیطان کرتا ہے۔ تم نے دو محبت کرنے والے میاں بیوی کے درمیان جدائی پیدا کی ہے ان کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے انہیں ایک دوسرے سے دور کر دیا ہے۔"

"زین اور زنل کے ساتھ تمہارا کوئی خونی رشتہ نہیں ہے جبران، محض کچھ عرصے کا تعلق ہے اور میرے ساتھ تو تمہارا گہرا رشتہ ہے پرانا تعلق ہے ان کے خاطر ان کے لیے تم مجھے رد کر رہے ہو اگر میں نے ان کی ساتھ کچھ کیا بھی ہے تو اس سے تمہارا کیا تعلق ہے۔" اس نے شکوہ کیا۔

"میرا تعلق ہے سمیرا ابرار شاہ۔ تم نے مجھے اپنے مکروہ کھیل کا حصہ بنایا۔" "میں انجانے میں تمہاری اس سازش میں شریک ہوا جس کے لیے میں کبھی خود کو معاف نہیں کر سکتا۔" وہ تلخ ہوا۔

"تم نے میرے کندھے پر رکھ کر بندوق چلائی اور میں جان ہی نہ سکا کہ میں دو دلوں کے درمیان جدائی ڈالنے کا سبب بن رہا ہوں۔"

"میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا جبران۔ ہاں میری غلطی صرف اتنی ہے کہ میں نے تمہیں جو کچھ بھی کرنے کو کہا اس کی اصل وجہ نہیں بتائی لیکن اگر میں وجہ بتا بھی دیتی تو کیا تم انکار کر دیتے۔" سمیرا اپنے ہر عمل کو صحیح سمجھتی تھی۔

"ہاں کر دیتا..... کیونکہ مجھے دوسروں کے خلاف سازشیں کرنے سے نفرت ہے۔ میں بے گناہ اور معصوم لوگوں کی زندگیوں میں زہر گھولنے سے

تھا۔

"تم کچھ بھی نہیں جانتے جبران، میں نے کسی بے گناہ پر ظلم نہیں کیا۔ میں نے تو۔"

"تمہارے نزدیک دو محبت کرنے والے انسانوں کے درمیان دراڑ ڈالنا ظلم نہیں ہے...... اور میں کیا نہیں جانتا...... یہ کہ تم اس ابرار علی شاہ کی بیٹی ہو جس نے صبوحی ظفریاب سے دوسری شادی کی اور یہ کہ تمہاری سوتیلی ماں زین کی والدہ ہے۔"

اس نے سمیرا کی بات تیزی سے کاٹی تھی۔

"تم نے تو جو کچھ کیا کیا، میں اس دکھ اس اذیت سے نکل ہی نہیں پا رہا ہوں کہ میں بھی تمہارے ساتھ انجانے میں ہی سہی اس سازش میں شامل رہا۔ ابھی تک میں سمجھ ہی نہیں پا رہا کہ جو کچھ میری وجہ سے خراب ہوا ہے اسے کیسے ٹھیک کروں اور پتا نہیں ٹھیک کر بھی پاؤں گا یا نہیں۔"

"میں کتنی بار کہوں کہ میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا۔ میں نے بدلہ لیا ہے صبوحی ظفریاب سے۔ اس نے ہمارے گھرانے کو بکھیر دیا۔ باپ ہی نہیں ماں بھی دور ہو گئی۔ ہم سب بہن بھائی جس تکلیف سے گزرے تم اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے جبران، میں سالوں بیمار رہی۔ تم جانتے ہونا۔ دادا جان مجھے بھی کسی ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتے کبھی کسی کے پاس لیکن میرا علاج کسی کے پاس نہیں تھا میرا درد کوئی سمجھ نہیں پاتا تھا، میں صبوحی کو بھی وہی اذیت دینا چاہتی تھی جو میں نے سہی تھی اور جب مجھے موقع ملا تو میں کیوں نہ اپنا بدلہ لیتی۔ زین تڑپے گا تو صبوحی بھی اسی اذیت سے گزرے گی۔"

اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ جبران نے تاسف سے اسے دیکھا لیکن جب وہ بولا تو اس کے لہجے میں اس کے لیے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔

"تمہیں اپنے کیے پر ذرا سی بھی شرمندگی نہیں ہے سمیرا۔ تمہارے ضمیر نے کبھی تمہیں ملامت نہیں کی۔ لیکن میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے۔ مجھے

شرمندگی ہے اس پر جو مجھ سے انجانے میں سرزد ہوا میں شاید کبھی زین سے نظریں نہ ملا سکوں۔ میں نے کتنی کوشش کی کہ کسی طرح زین سے مل کر اسے حقیقت بتا سکوں لیکن میری ہر کوشش ناکام ہو گئی میں کسی بھی لمحے کو اپنا نہ کر سکا۔ وقت میرے ہاتھوں سے پھسلتا رہا لیکن بہت جلد میں لندن جا رہا ہوں اور اس سے مل کر اسے سب سچ بتا دوں گا۔ وہ سچ جو میں جانتا ہوں اور وہ سچ بھی جو میں نہیں جانتا کہ میرے منع کرنے کے بعد تم نے مرتضیٰ کو اپنی سازش میں شامل کیا اور اس کے ساتھ مل کر تم دونوں نے کیا کیا یہ سچ زین خود کھوج لے گا۔ مجھے اپنے انجانے میں کیے گئے جرم کی اس سے اور زہل شاہ زیب سے معافی مانگنی ہے۔ بہتر ہے کہ تم بھی دونوں سے معافی مانگ لو۔ اعتراف کر لو جو کچھ کیا۔"

"لیکن میں کیوں معافی مانگوں۔ زین کی ماں نے میرے باپ سے شادی کر کے جو تکلیف ہمیں دی ہے۔ اسی تکلیف سے اسے بھی گزرنا چاہیے۔ زین ٹوٹے گا تو اسے بھی تکلیف ہو گی اذیت ہو گی بس اتنا ہی تو میں چاہتی تھی۔"

اس کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے چمک سی پیدا ہوئی۔

"کس قدر احمقانہ اور بیوقوفانہ بات ہے یہ کہ جس جرم کی سزا تم زین کی ماں کو دے رہی ہو اس جرم میں تو تمہارے ڈیڈ بھی برابر کے شریک ہیں ان سے کیسے بدلہ لو گی۔ کیا سزا تجویز کی ہے تم نے ان کے لیے۔"

اب وہ اس کی طرف رخ کیے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی رنگت یکدم زرد ہو رہی تھی۔

"تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے سمیرا شاہ، کہ صبوحی ظفریاب سے بدلہ لینے اور اسے اذیت دینے کے چکر میں تم اپنے ڈیڈ کو بھی اذیت دے چکی ہو۔" وہ یکدم کھڑا ہو گیا تھا۔

"نہیں۔" لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کے ذہن میں وہ بات آئی تھی جو جبران اسے سمجھانا چاہ رہا تھا ڈیڈ نے سب بہن بھائیوں سے زیادہ اس سے محبت کی تھی وہ صرف اس کی خاطر بھاگ بھاگ کر پاکستان آتے تھے اس کی سرد مہری اور کھردرے رویے کے باوجود جتنا عرصہ پاکستان رہتے اس کی ہر خواہش پوری کرتے تھے...... اور اگر جبران نے اسے چھوڑ دیا تو وہ ٹوٹ جائے گی بکھر جائے گی اور ابرار شاہ کیسے اس کا ٹوٹنا برداشت کر پائیں گے بلکہ جبران کے بغیر وہ زندہ کب رہے گی مر جائے گی اور اس کی موت ابرار شاہ کے لیے کتنی اذیت ناک ہو گی۔

"نہیں۔" اس نے پھر زیر لب کہتے ہوئے سر ادھر ادھر ہلایا۔

"میں نے جو کچھ کیا وہ میرا ذاتی فعل ہے۔ تمہیں برا لگا اس کے لیے میں تم سے سوری کر لیتی ہوں۔ پلیز۔"

"سوری۔" کیا صرف سوری کر لینے سے اس سب کا کفارہ ادا کرنا چاہتی ہو۔ جو کر چکی ہو۔ نہیں سمیرا شاہ میرے لیے یہ اتنی معمولی بات نہیں ہے کہ تمہارے ایک سوری کہنے سے میں سب بھول جاؤں وہ سب جو تم نے میرے ساتھ کیا جو تم نے زہل شاہ زیب اور آزین ظفریاب کے ساتھ کیا۔ اگر سوری کرنا ہے تو ان سے جا کر کرو۔" وہ جانے کے لیے مڑا۔

"نہیں پلیز ایسا مت کرو جبران، اسے اپنی انا کا مسئلہ مت بناؤ میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ تم جانتے ہو میری محبتوں کی شدت کو...... تم بھی تو مجھ سے محبت کرتے ہو۔" وہ بھی کھڑی ہو گئی تھی۔

"ہاں کرتا تھا لیکن اب نہیں کرتا۔ اور بات انا کی نہیں ہے تم نے میرے اعتبار کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ جس لڑکی کو میں نے دل کی گہرائیوں سے چاہا جس سے ٹوٹ کر محبت کی جس کے غلط کو بھی صحیح سمجھ کر اس کے ساتھ کھڑا رہا۔ وہ اتنے سازشی ذہن کی مالک ہے۔ جس کے متعلق میں نے کبھی ہلکی سوچ نہیں رکھی جسے میں نے اپنے دل میں سب سے اونچی مسند پر بٹھا رکھا تھا۔ شاید مجھ سے کوئی غلطی ہوئی میں تمہاری معصوم صورت اور باتوں سے

دھوکا کھا گیا۔"

وہ اب اس کی طرف رخ کیے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"تم نے سب کچھ ملیا میٹ کر دیا۔ مٹی میں ملا دیا۔ میرا مان توڑ دیا۔"

اس کی آواز دھیمی ہوگئی تھی۔

"مجھے اس کے متعلق اب اور کچھ نہیں کہنا۔ میرے احساسات اس بارے میں بہت شدید ہیں۔ آئندہ میرے رستے میں مت آنا۔ مجھے نفرت ہے ان لمحوں سے جب میں نے تمہارا اعتبار کر کے تمہارا ساتھ دیا۔"

سمیرا پھٹی پھٹی وحشت بھری آنکھوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"نہیں جبران، میرے ساتھ ایسا نہ کرو میں نے تمہارے علاوہ کبھی کسی کا تصور نہیں کیا۔"

آنسو یکدم ہی کسی پہاڑی جھرنے کی طرف آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

"اگر میں کچھ بھی صحیح نہ کر سکا تو جو آگ تم نے بھڑکائی ہے اسے تمہارے آنسو بھی بجھا نہیں پائیں گے۔"

وہ ایک جھٹکے سے مڑا اور تیزی سے پارک کے گیٹ کی طرف بڑھا۔ سمیرا اسی تیزی سے اس کے پیچھے جا رہی تھی۔ اس نے تو سوچا تھا وہ معذرت کرے گی تو وہ اس کی معافی قبول کر لے گا۔ وہ منائے گی تو من جائے گا وہ تو بڑا نرم دل تھا۔ اس نے کبھی اس کی بات ٹالی نہیں پھر اب اس نے اپنا دل اتنا سخت کیوں کر لیا تھا۔ نہیں وہ مجھ سے ہمیشہ ناراض نہیں رہ سکتا۔ جب وہ میرا موقف سمجھے گا تو خود ہی من جائے گا۔ وہ اب بھی خود کو غلط نہیں سمجھتی تھی اسے لگتا تھا جو کچھ اس نے کیا وہ صحیح تھا صبوحی شاہ اس کی مستحق تھی کہ وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو درد سے تڑپتے دیکھے ہجر کا درد جدائی کی تکلیف۔

"جبران، پلیز رکو ایک بار میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ گیٹ سے نکل کر سڑک عبور کر رہا تھا۔

"جبران پلیز۔" اس نے بالکل غیر اختیاری طور پر مڑ کر اسے دیکھا اور عین اسی لمحے اس کے پاس سے ایک تیز رفتار بائیک گزری۔ پیچھے بیٹھے ہوئے لڑکے نے دایاں ہاتھ بلند کیا اور سائلینسر لگی گن سے نکلنے والی گولیاں جبران احمد کو لہولہو کر گئیں۔ ہیوی بائیک لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ سمیرا چیختی ہوئی اس کی طرف بھاگی اور سڑک پر بیٹھتے ہوئے جبران کا سر گود میں رکھا۔

"نہیں جبران، تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔" وہ چیخ رہی تھی رو رہی تھی۔ لوگ اردگرد اکٹھے ہو رہے تھے۔ گاڑیوں کے بریک چرچرا رہے تھے لیکن وہ اردگرد سے بے خبر پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی۔

"نہیں جبران نہیں۔" جبران اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"ہر شخص کو اپنا بویا کاٹنا ہوتا ہے سمیرا، تم نے جو بویا اسے کاٹنا ہی ہے۔ یہ مکافات عمل ہے۔ تم نے دو معصوم دلوں کو جدا کرنے کی کوشش کی اور خود تم......"

اس کی آواز لڑکھڑا گئی اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں خون تیزی سے بہہ رہا تھا پتا نہیں گولیاں کہاں کہاں لگی تھیں۔ اردگرد سڑک اس کے خون سے رنگین ہو رہی تھی۔

"ہاں میں نے غلط کیا جبران، میں تسلیم کرتی ہوں۔ میں ان سے معافی مانگ لوں گی سب بتا دوں گی ان کو بس تم مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔ تم جو کہو گے میں وہ ہی کروں گی۔"

جبران نے بمشکل آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ دور سے ایمبولینس کے سائرن کی آواز آ رہی تھی۔ شاید کسی نے ایمبولینس کو کال کر لی تھی۔ اور وہ چیخ رہی تھی۔

"جبران! جبران......"

(آخری قسط آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

یہ رسمیں

"ماما! یہ اردو والا سفر نہیں ہے انگریزی والا سفر ہے، پتا ہے میرے دائیں طرف نجمی پھوپھو ہیں اور بائیں طرف فاطمہ خالہ۔ دونوں کے سر میرے کندھوں پر دھرے ہیں کیونکہ وہ سو رہی ہیں فاطمہ خالہ کا نواسا ان کی گود میں ہے جس کی ٹانگیں میری گود میں پڑی ہیں۔ میرا لہنگا ان خواتین کے نیچے اس طرح دبا ہوا ہے کہ میں ہل بھی نہیں سکتی۔"

فوزیہ کو بیٹی کی پٹر پٹر چلتی زبان نے ہولا دیا۔ اس نے اپنے دل پہ ہاتھ رکھا۔ یا اللہ ڈھائی تین گھنٹے پہلے اس کی رخصتی ہوئی ہے اور یہ کیا اول فول بک رہی تھی۔ وہ تو فون کر کے پچھتا رہی تھیں۔ دلہن کیا کہہ رہی تھی یہ تو ماں کے سر سے گزر گیا۔ ہاں البتہ نجمی پھوپھو اور فاطمہ خالہ ہڑبڑا کر اٹھیں۔

چودہ طبق تو وسیم کے بھی روشن ہو گئے۔ دولہا صاحب کو آنکھیں ملتے دیکھ کر فراز نے کہا۔ "محترم! تم خواب نہیں دیکھ رہے۔" فراز گاڑی چلا رہا تھا اور مکمل حواسوں میں تھا۔ "گاڑی رکو۔" گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور ڈرائیور صاحب نے سائیڈ پر گاڑی روک دی۔

دولہا دلہن کی گاڑی کیا رکی، پیچھے آنے والی بارات کی دو گاڑیاں اور کوسٹر بھی روک دی گئیں۔ چار پانچ لوگ اپنی اپنی گاڑیوں اور کوسٹر سے اترے۔ دولہا وسیم بھی اپنی گاڑی سے برآمد ہوا۔ پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا۔ "خیریت ہے یار؟"

"ہاں سب ٹھیک ہے۔" "بس مہربانی کریں۔ پھوپھو اور خالہ کو کوسٹر میں شفٹ کر دیں۔"

وہ سوتی جاگتی، گرتی پڑتی شرمندہ سی اتر کر کوسٹر کی طرف بڑھ گئیں۔

اللہ جانے دولہا کی گاڑی میں بیٹھنا اتنا بڑا اعزاز کیوں سمجھا جاتا ہے؟ خواتین برادری کو بس اللہ ہی راضی کرے۔

دولہا گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھنے لگا تو فراز نے اسے ڈپٹا۔ "یار! اب بڑا ہو جا۔ کاکا نہ بن۔ پیچھے بیٹھو بھابھی کے ساتھ۔

عدیل کو بلایا ہے میں نے۔ وہ میرے ساتھ ہو گا۔

عدیل نے ساری روداد سنی تو اس کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"ایک بات تو پکی ہے۔ اب خالہ فاطمہ اور نجمی پھوپھو تو کیا خاندان کی کوئی عورت دولہا دلہن کی گاڑی میں بیٹھنے کی ضد نہیں کرے گی۔ شکر ہے اللہ کا واہ بھابھی واہ ...... سب کنواروں کی دعائیں آپ کے ساتھ رہیں گی ہمیشہ۔"

"کوئی تو پہلا قطرہ بنا۔ انوکھی رسمیں بنا رکھی ہیں۔ اظہار محبت ہے یہ ...... بھلا پوچھو تو......!!!"

☆☆

ڈاکٹر آمنہ سمیع

بس وفا کے لیے

ناولٹ

اس نے جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹا اور دروازے کی جانب بڑھی تھی تب ہی امی کی آواز پر اس کے قدم رک گئے۔

''کنزیٰ، جلدی آجانا آج تمہیں دیکھنے کچھ لوگ آرہے ہیں۔''

اس کا منہ بن گیا پر کچھ نہ بولی سر اثبات میں ہلایا اور باہر نکل گئی۔

''عمر کے اس حصے میں ہر لڑکی کچھ اسی قسم کی مشقت سے گزرتی ہے۔''

صالحہ آپا کی باتیں ذہن میں گردش کررہی تھیں۔

''عمر کا یہ حصہ۔'' اس نے کوفت سے سوچا، تیس برس میں ابھی چند ہی مہینے باقی تھے اور اس کی ٹینشن برقرار تھی نجانے اس کے مقدر میں کیا لکھا تھا، کوئی پسند کرکے ہی نہ دے رہا تھا کیا برا تھا اس کی شکل وصورت میں وہ بھی عام لڑکیوں کی طرح ہی تھی، سنہری رنگت، بڑی بڑی روشن آنکھیں، کمر تک آتے ریشمی بال، دبلی پتلی جسامت، اچھا اخلاق پر نصیب؟ یہاں آکر بات دم توڑ دیتی تھی۔

''امی! آپ اس کو بوجھ کیوں سمجھتی ہیں میری بہن کسی پر بوجھ نہیں ہے، بھائی پہلے پہل یوں ہی کہا کرتے تھے پر نفیسہ آپا کی کومل سے شادی کرتے ہی ان کے بیانات بھی بدل گئے تھے۔

''امی! جلدی سے اس کی شادی کریں ناں۔''

کومل بھابھی کے کہنے پر ہی شامل بھائی نے کئی میرج بیورو سے بات کی تھی اور ہزاروں روپے پار لگائے تھے پر نصیب، امی ٹھنڈی سانس بھر کر رہ جاتیں۔

ایک جھٹکے سے رکشہ رکا تھا اور اس کے سارے خیالات منتشر ہوگئے تھے۔

☆☆☆

کنزیٰ دو بہنوں اور ایک بھائی کی لاڈلی چھوٹی بہن تھی۔ محی الدین نے بڑے لاڈ سے اپنے تینوں بچوں کی شادیاں کی تھیں پر کنزیٰ کی باری ہی نہ آئی اور ان کا مالک حقیقی کی جانب سے بلاوا آگیا۔ ان کی آنکھیں کیا بند ہوئیں۔ کنزیٰ کی تو دنیا ہی بدل گئی۔ وہ تو شکر تھا کہ اسے ایک اچھی جاب مل گئی تھی سوچا تھا جب تک شادی نہ سہی تب تک جاب ہی کرلیتی ہوں، پر یہ عرصہ طویل ہوتا گیا اور وہ کب بائیس سے تیس کی ہوگئی پتا ہی نہ چلا۔

''مس کنزیٰ! سر نے پروجیکٹ کی فائل منگوائی ہے۔'' اسود نے ایک گہری نظر اس پر ڈالتے کہا تھا۔

''جی بالکل میں بھجواتی ہوں۔'' اس نے شام کے مہیب آسیب سے چھٹکارا پانے کی کوشش کی تھی پر ناکام ٹھہری۔

''مس کنزیٰ! خیریت تو ہے ناں''

اسود نے ہمیشہ کی طرح نرمی سے اس کا حال پوچھا تو وہ صرف مسکرا کر رہ گئی۔

اسود کو ابھی آفس آئے چند مہینے ہی ہوئے تھے پر اس ہینڈسم سے لڑکے کا دل بہت اچھا تھا۔ عمر میں کنزیٰ سے خاصا جونیئر تھا پر ایک اچھے دوست کی مانند بی ہیو کرتا تھا اور پھر کنزیٰ کو بتانا ہی پڑا وہ اکثر اس سے اس طرح باتیں اگلواتا تھا اور وہ سب کچھ اگل دیتی تھی۔ اسود کو دیکھ کر اس سے باتیں کرکے اسے اچھا لگتا اور وہ اپنا من ہلکا کرتی۔

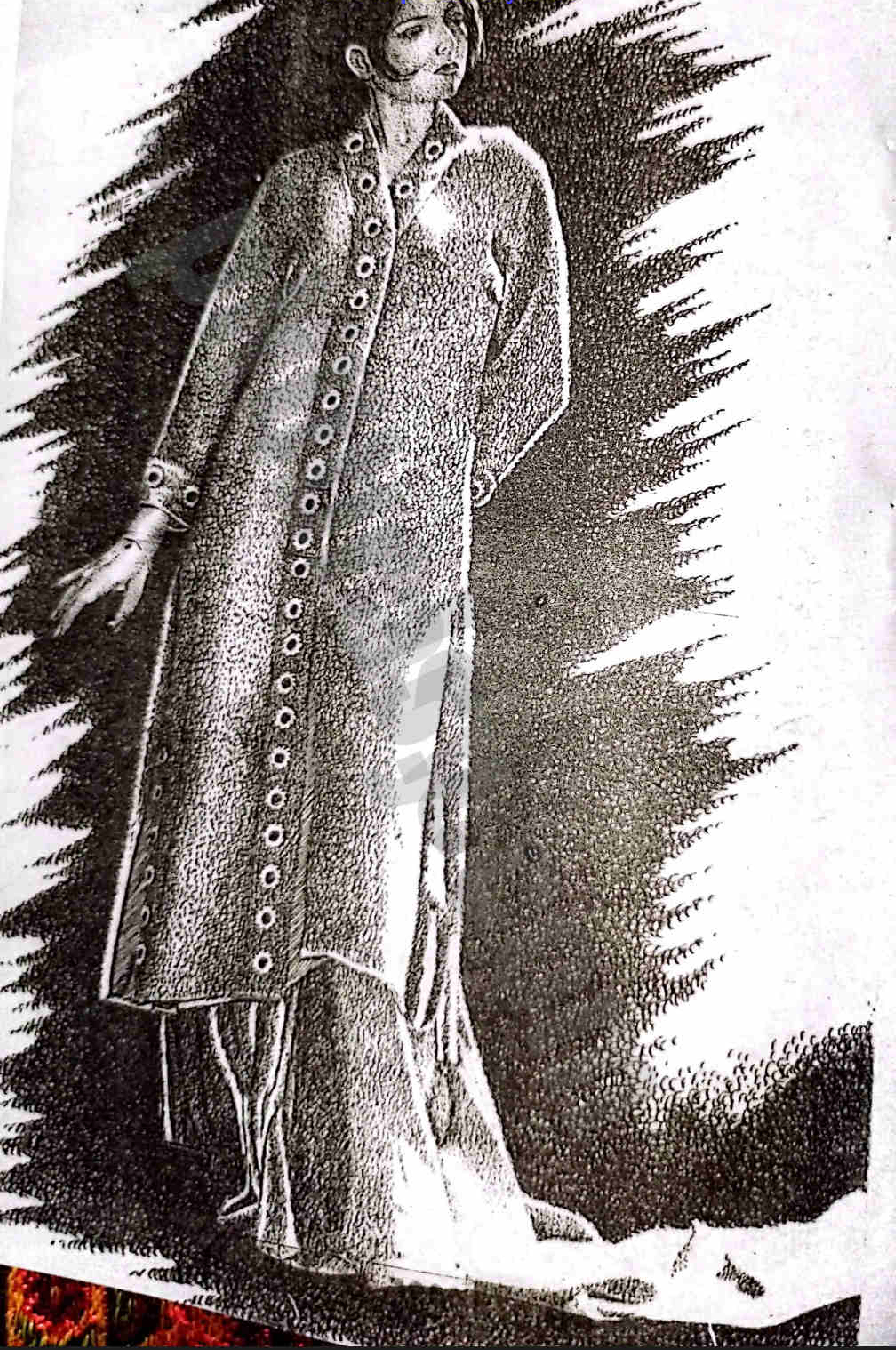

''آپ آخر کب تک اسی طرح کی زندگی گزاریں گی۔''

اسود کے سوال پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔

''کیا کروں اسود، مجبوری ہے۔''

''چاہے کوئی بھی آکر آپ کو ریجکٹ کر کے چلا جائے آپ کی بےعزتی کر کے نکل جائے۔ بس یہ ہی زندگی ہے۔'' وہ اسے سمجھا تا رہا اور وہ سر جھکائے سنتی رہی۔

شام کو وہ لوگ اسے دیکھنے آئے بھی اور چلے بھی گئے حسب عادت کوئی مثبت بات نہ ہوئی اور وہ لوگ کچھ کہے بناء ہی چلے گئے۔ اف اس پر کوفت سوار ہوگئی کہ ابھی سفر باقی ہے۔

صالحہ آپا آج پھر آئی تھیں ان کے دکھڑے کم نہ تھے۔

''لو اور سنو ہماری ساس کو اب سفر کی سوجھی، میں نے کتنا سمجھایا کہ اماں، اس عمر میں پاکستان ٹور، پر بڑی بی کا دماغ۔''

''آپا! تم ایسے کیسے بات کر لیتی ہو۔''

''ایسے کیسے مطلب۔'' صالحہ آپا نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مطلب یہ کہ بڑی ہیں وہ۔''

آپا کے چندرا کر دیکھنے کر وہ کچھ کنفیوژ ہوئی تھی۔

''امی، کنزیٰ چڑچڑی ہوگئی ہے۔ اس کا کوئی رشتہ آئے تو بس ہاں کردیں۔''

صالحہ آپا نے اس کی بجائے امی کو مخاطب کیا تھا جو ابھی تک مہمانوں کے رویے کے بارے میں سوچ رہی تھیں۔

''ہاں بیٹا یہ ہی سوچ رہی ہوں کہ کوئی رشتہ تو آئے، کوئی تو ہاں کرے پر دیکھو۔ آج وہ بھی یوں ہی چلے گئے۔''

''آپ کی بہو بھی کچھ کم نہیں، کچھ کرا تو نہیں رہی۔''

صالحہ آپا کے کہنے پر امی نے چونک کر انہیں دیکھا ایک نئی سوچ میں اضافہ ہوا۔ آج پورا دن کومل غائب رہی تھی اپنی امی کے گھر جانے کے بہانے کہیں۔ سوچ ان کے چہرے پر بکھر گئی۔

''توبہ کریں، آپ لوگوں کا تو دماغ خراب ہوگیا ہے اور آپا، تم تو'' اس نے ڈائننگ ٹیبل سے برتن سمیٹنے شروع کر دیے کہ اب اس کا یہاں دماغ کھپانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس کے سیل کی بیل بج رہی تھی اچھا بہانہ ملا تھا۔

''اسے کیا ہوگیا ہے، اب اسے ماں اور بڑی بہن کی باتیں بری لگنے لگی۔ امی دیکھ لیں۔ ہماری ساس کا خیال ہے کہ جب لڑکیاں بڑی عمر کی ہوجاتی ہیں تو چڑچڑی ہوجاتی ہیں۔''

نکلتے نکلتے صالحہ آپا کی بات طبیعت پر گراں گزر رہی تھی اس نے سیل فون پر دیکھا اسود تھا۔ ایسے جیسے گھپ اندھیرے کمرے میں روشنی کا ایک روزن کھلا ہو۔

''سوری مس کنزیٰ، آپ کو غلط وقت پر تو فون نہیں کر دیا۔''

اس نے دیوار گیر گھڑی پر نظر ڈالی، رات کے نو بج رہے تھے۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی یہ اسود بھی ناں۔

''دیر تو ہوگئی ہے اسود، پر بتاؤ خیریت تو ہے ناں۔''

''وہ بس...... آج آپ کے یہاں کوئی مہمان آنے والے تھے ناں۔'' اس کی پریشانی کا راز جان کر اسے ایک انجانی ہی خوشی محسوس ہوئی، کوئی تو تھا اس کے احساسات سمجھنے والا۔

''ہاں تو آئے تو تھے پر تمہیں اتنی ٹینشن کیوں سوار ہے۔'' اس کے چہرے پر ہزار رنگ تھے۔

''بس ایسے ہی پوچھنا تھا کیا رسپانس دیا۔ بس یوں ہی فرینڈلی۔''

''فرینڈلی پوچھا ہے تو فرینڈلی بتا دیتی ہوں کہ رسپانس تو اچھا ہی تھا۔'' اس نے شرارتی انداز میں ہونٹ سیکڑے۔

''اچھا......! دوسری جانب جیسے سرد جذبات پھوٹے تھے۔ کنزیٰ نے بمشکل اپنی ہنسی دبائی تھی۔

''ہاں تو اور کیا لڑکا اچھا تھا۔ امی کو تو بڑا اچھا لگا۔ اونچا لمبا، شاندار پرسنیلٹی۔''

''کیا واقعی؟'' سردی بڑھی تھی۔

''تو اور کیا، پڑھا لکھا پی ایچ ڈی، بڑی ہائی فائی

جاب۔"
"سچ میں!" وہ جیسے گنگ سا بولا تھا۔
"تو کیا جھوٹ کہہ رہی ہوں۔" من چاہا زور دار قہقہہ لگائے۔ "وہ تو شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کو کہہ رہے تھے پر۔" وہ ذرا رکی تو دوسری جانب سے برقراری سے پوچھا گیا۔
"پر کیا مس کنزئی؟"
"پر یہ کہ تم بالکل بدھو ہو لڑکے، ارے ایسے کیسے رشتے طے ہوتے ہیں بڑا ٹائم لگتا ہے ان تمام معاملات میں وہ تو ڈراموں میں ہی دکھایا جاتا ہے کہ آج سے آپ کی بیٹی ہماری ہوئی حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوتا۔"
اس کے کہتے ہی اسود نے سکون کی سانس خارج کی تھی۔
"پر یہ بتاؤ لڑکے کہ تم اتنا ڈپریس کیوں ہو رہے تھے۔" اس کی بے آواز ہنسی بڑی جان دار تھی۔ وہ بھی کھل کر مسکرایا۔
"بس ایک اچھے فرینڈ کو کھو دینے کا ڈر تھا۔"
"اچھا تو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ تمہاری فرینڈ ساری عمر کنواری رہے۔"
"جس بات کے لیے فون کیا تھا وہ تو رہ ہی گئی۔"
اور پھر اس نے پوری بات کا رخ ہی موڑ دیا اسے اپنے کسی دوست لیے ارجنٹ دس ہزار روپے چاہیے تھے۔ اس کی ماں کا آپریشن تھا یہ پرائیویٹ اسپتال والے بھی غریبوں کو بھی نہیں چھوڑتے ڈیڑھ لاکھ جمع کرانے کے باوجود ابھی بھی چالیس ہزار کی رقم باقی تھی کچھ تو اسود نے کسی طرح پوری کر دی تھی پر ابھی بھی دس ہزار روپے کم پڑ رہے تھے۔
"فکر نہ کرو اسود، میں ابھی آن لائن تمہارا یہ کام کروا دیتی ہوں۔"
"میں آپ کا بہت ممنون ہوں وہ غریب آپ کو بہت دعائیں دے گا۔ میں پہلی کو ہی یہ رقم لوٹا دوں گا۔" وہ لجاجت سے بولا۔
"کیسی بات کرتے ہو اسود! یہ تو ثواب کی بات ہے۔ تم ایسا کرو۔"
وہ بول رہی تھی اور وہ پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ اس کی بات ختم ہوئی۔
اسود نے ایک اطمینان بھری نگاہ سیل فون پر ڈالی اسے یقین تھا کہ کنزئی اس کی مدد ضرور کرے گی۔

☆☆☆

رات بھر، بک بک کرنے کا بھی خاک فائدہ ہوا تھا شائل کی ایک ہی رٹ تھی کہ وہ اپنی فیملی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ پیر بابا نے تو شوہر کی زبان بندی کا بڑا پکا تعویذ دیا تھا پر لگتا تھا کہ عمل الٹا پڑ گیا۔ صبح بھی شائل کا موڈ خراب تھا اس نے آج پہلی بار اس سے بات کیے بنا آفس کی راہ لی تھی۔
"نجانے اماں بہنوں نے کیا گھول کر پلایا ہے۔"
کومل فون پر نفیسہ آپا سے اپنا رونا رو رہی تھی۔
"میں تو پہلے ہی تم سے کہا تھا کہ جب تک یہ کنزئی بلا کا کام نہیں ہو جاتا، شائل گھر الگ نہیں کرنے والا۔"
نفیسہ آپا نے کہا تو کومل کے تو جیسے پتنگے ہی لگ گئے۔
"تو کیا میں نے ٹھیکہ لے رکھا ہے اس کی شادی کا۔"
"دیکھ بیٹا! صبر کر، کنزئی کی شادی ہو لینے دو آج نہیں تو کل اپنے گھر کی ہو جائے گی اور پھر رہ گئی اس کی ماں، ارے بے چاری بڑھیا گھر کے کسی کونے میں پڑی رہے گی۔"
نہ چاہتے ہوئے بھی وہ اپنی سر پھری بیٹی کو سمجھا رہی تھیں کیونکہ اسے سمجھنا تو کچھ نہ تھا اس نے بھلا ان کی بھی کبھی سنی تھی پر ماں تھیں ناں۔
"کومل بیٹا! تم فکر نہ کرو ایسا کرتی ہوں کہ شائل کی زبان بندی کے بجائے کنزئی کی شادی کا تعویذ لے لیتی ہوں پیر بابا سے۔"
نفیسہ آپا دور کی کوڑی لے کر آئی تھیں کومل کو ان کی یہ بات سمجھ میں آ رہی تھی۔

☆☆☆

رات بھر بارش ہونے کے بعد صبح چمکیلی دھوپ

ہر سو پھیلی ہوئی تھی۔ آج کل یوں ہی ہو رہا تھا رات رات بھر بارش اور صبح تیز دھوپ اس نے آفس جانے کے لیے کپڑے پریس کیے اور ناشتے کے لیے کچن کی جانب آئی تو اپنی ماں کو اپنے لیے پراٹھا بناتے دیکھ کر مسکرادی۔

آج بھی بچپن کی طرح ماں کو اس کے لیے کرکرے پراٹھے بناتا دیکھ کر بہت کچھ یاد آگیا۔ صالحہ آپا شائل بھائی اور منزہ آپا کتنے مزے سے امی کو ناشتا بناتا دیکھ کر یہ میرا...... یہ میرا کی صدائیں لگاتے تھے اور امی مسکراتے سب کی فرمائش پوری کرتیں، منزہ آپا کا خیال آیا تو وہ بے چین سی ہوگئی۔

"امی! منزہ آپا کا کوئی فون آیا؟"

"نہ سلام نہ دعا، صبح ہی صبح بہن کا خیال کیسے آگیا؟" انہوں نے گرما گرم پراٹھا پلیٹ میں نکالا۔

"بس آپ کو پراٹھا بناتے دیکھ کر، مجھے اچھا نہیں لگتا امی، اب آپ میرے لیے پراٹھے تو نہ بنایا کریں کھا کھا کر موٹی ہو رہی ہوں۔"

"کوئی نہیں بیٹا، خیال ہے تمہارا، اور ہاں منزہ کا فون آیا تھا وہ رشتہ والے آگئے تھے یاں تو بتانا بھول گئی تھی تمہارے لیے پریشان ہو رہی تھی کہہ رہی تھی کہ تمہاری عمر میں تو اس کے۔"

"بس کریں امی...... آپ نے بھی صبح ہی صبح دل جلانے والی باتیں شروع کردیں۔"

اس سے وہاں رکا ہی نہیں گیا اور اپنے کمرے میں چلی آئی دل جل کر خاک ہوگیا تھا۔ جیسے تیسے کرکے تیار ہوئی اور آفس کی جانب رخ کیا سارا راستہ بہت کٹھن گزرا۔

☆☆☆

ابھی آفس کی لفٹ میں قدم رکھا ہی تھا کہ اسود کی چہکتی آواز کانوں میں پڑی۔

"ارے واہ مس کنزیٰ، آپ نے تو برسات کی مناسبت سے خوب ڈریسنگ کی ہے۔"

اس کے اندر کی کڑواہٹ جیسے پل میں کہیں کھو سی گئی۔

"اسود آپ!"

اس نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا سیاہ ڈریسنگ پینٹ اور سفید شرٹ پر اس کے گیلے جمے جمائے بال جیسے ابھی نہا کر نکلا ہو، سیاہ آنکھیں، چہرے پر بکھری مسکراہٹ اور پرفیوم کی مہک۔

"رات بھر بارش ہوتی رہی اور اس وقت دھوپ دیکھ کر لگتا ہے کہ جیسے یہاں بارش نہ ہوئی ہو اور سنا ہے بارش کو کیسے انجوائے کیا۔" وہ ہمیشہ کی طرح باتوں کی پٹاری کھول کو بیٹھ گیا اور وہ مسکراتی رہی۔

"کس قدر اچھے دل کا معصوم سا لڑکا ہے اس کو میرا کتنا خیال ہے۔ کیا آج کی اس دنیا میں کسی کو میرا اس کی طرح خیال ہے۔" وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی تب ہی لفٹ رکی۔

"میرا خیال کہ اب آپ کو اپنے کیبن میں جانا چاہیے۔" اس کے یاد دلانے پر وہ کچھ خجل سا ہوگیا اور مسکرا کر ہاتھ ہلاتے چلا گیا۔

اس کے سیل فون نے شور مچایا منزہ آپا کی کال تھی ابھی دن کا فسٹ ہاف ہی گزرا تھا لیکن کام بہت پڑا تھا اس کی کولیگ نے آج آفس کی سے چھٹی کی تھی تو اس کے حصے کا کام بھی اس کو ہی کرنا پڑ رہا تھا کہ منزہ آپا کی کال، ایک کوفت نے گھیرا پر بہن کی محبت حاوی ہوگئی۔

"کیسی ہے میری منی؟"

منزہ آپا کے پیار سے پکارنے پر اس کا دل نجانے کیوں بھر آیا۔

"اچھی ہوں آپا، آپ کیسی ہو۔"

اس نے ہمت کرکے پوچھ لیا۔

"تو جانتی ہے کہ میں کیسی ہوں گی۔" آپا تمہارے حالات۔"

"میرے حالات کے بارے میں نہ سوچا کر منی۔ بس اپنی فکر کر۔ کل امی سے بات ہوئی تھی وہ بہت فکر مند ہیں تیرے بارے میں ان کا خیال ہے کہ خدانخواستہ میرے منہ میں خاک، اگر انہیں کچھ ہوگیا تو تیرا کیا ہوگا۔"

منزہ آپا سے بات کرکے وہ دکھی ہو رہی تھی۔

امی اس قسم کی باتیں اس سے بھی کئی بار کر چکی تھیں۔ مائیں بیٹیوں کی شادی کے بارے میں اتنی حساس کیوں ہوتی ہیں کہ اسے زندگی اور موت کا مسئلہ بنا دیتی ہیں۔

"سچ کہوں منی، تو ابا نے میرے اور صالحہ کی شادی بڑی اچھی کی تھی پر انہیں کیا خبر تھی کہ شادی کے بعد میرے ساتھ یہ سب ہوگا۔ تیرے دولہا بھائی کی سٹہ کی عادت کم تھی کہ نشے میں بھی پڑ گئے۔ کیڑے پڑیں ان کم بختوں کے ہاتھ میں، جو یہ دھندہ کرتے ہیں۔ شادی کے وقت کتنا اچھا اپنا بزنس کرتے تھے۔"

ان کے رونے شروع ہوئے تو اسے کام کی زیادتی کا خیال جاگا۔

"آپا! فون کیوں کیا تھا۔ میں تو پوچھنا ہی بھول گئی۔" گو اسے خوب علم تھا کہ آپا کے فون کی طوالت کا مقصد دراصل ہوتا کیا ہے۔

"لو بھلا اتنی اہم بات ہی بھول گئی وہ اپنے روفی کا داخلہ ہو رہا ہے ناں یونیورسٹی میں بی ایس کرنا ہے اسے تو داخلے کی فیس۔" انہوں نے بولنا شروع کیا اور کنزئی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری "پرائیویٹ والے تو کھال کھینچ لیتے ہیں۔"

ان کی یہاں اسٹاپ ہوئی تو بے اختیار اس کے منہ سے پھسل پڑا۔ "جی آپا، اسود بھی یہ ہی کہتا ہے۔"

اس کے کہتے ہی دوسری جانب گویا سناٹا چھا گیا۔

"یہ اسود کون ہے منی۔"

ان کے پوچھنے پر ابھی کچھ دیر پہلے نظر آنے والے اسود کا خاکہ ابھرا اور وہ بتاتی چلی گئی۔

"ایک بات کہوں منی، مجھے یہ اسود کچھ اچھا نہیں لگا پر یہ بھی لگتا ہے وہ تجھے پسند کرتا ہے۔" ان کا دوغلا انداز، اس کے لب مسکرائے۔

"توبہ کرو آپا چھوٹا ہے مجھ سے" دل میں گدگدی سی ہوئی تو لب پر کہہ بیٹھی۔

"اے بی بی! کیا ابا نے میری شادی بارہ سال بڑے تنویر سے نہ کی تھی بولو۔" منزہ آپا کے کہنے پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"آپا! آپ تو فوراً شادی پر پہنچ گئی۔"

اس نے ذرا دبا دبا احتجاج کیا۔

"دیکھو بی بی! ہمارے یہاں یہ منہ چھپا کر، آنکھ بچا کر، رقعہ تھما دینا کھڑکی سے مسکراہٹ اچھال دینا والا رواج تو ہے نہیں۔ ہم تو سیدھی اور کھری بات کرتے ہیں۔"

منزہ آپا اس کے دل کو ایک نئی راہ دکھا رہی تھیں اور وہ چلے جا رہی تھی۔ فضا کچھ خوش گوار رخ اختیار کر رہی تھی۔

"پر آپا! اس نے ڈھکی چھپی پسندیدگی کا اظہار تو کئی بار کیا ہے۔" اس کی بس ہو گئی۔

"پر کیا بنو اس پر کے آگے دنیا بستی ہے بلاوجہ ہی امی تمہارے بیاہ کے لیے پریشان ہو رہی ہیں بنا بنایا رشتہ موجود ہے تو کنویں میں بانس کون ڈالے۔"

"اے ہے آپا، آپ تو چٹا پٹ شادی کر رہی ہو۔"

اس کا دل ذرا مچلا اور ایک سرد سی لہر وجود میں دوڑی۔

"میری مانو منی اس لڑکے کو پٹاؤ، اچھا چلو ابھی روفی آ گیا ہے پر منی میری بات پر غور کرنا بیٹا یوں بنے بنائے کھرے رشتے نہیں ملتے سمجھی۔" ان کے سمجھانے پر اس نے سر ہلا تو دیا پر سمجھ میں پھر بھی نہ آئی تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی تھی تب کسی نے اس کی ٹیبل بجائی اس نے چونک کر نظر اٹھائی تو سامنے وہی ایستادہ تھا۔

"کیا سوچ رہی تھیں محترمہ۔" اس کے سفید دانت جگمگ کر رہے تھے۔ وہ خجل سی ہو گئی مانو اس نے دل کا چور ہی نہ پکڑ لیا ہو۔

"کچھ نہیں یوں ہی منزہ آپا کا فون آیا تھا تو بس۔"

"کیا کہہ رہی تھیں منزہ آپا!" ہمیشہ کی طرح اگلوانے والا انداز اس نے نظر بھر کے اس پر ڈالی اور پھر دیوار کی جانب دیکھنے لگی جیسے کوئی بہت اہم نقطہ دیوار پر اٹکا ہو۔ آپا سے ہوئی گفتگو کیسے اس کے سامنے کرتی شرم سی آ گئی۔

"بس وہ روفی کا داخلہ ہو رہا ہے ناں...... بی ایس کر رہا ہے۔" اپنے بال کان کے پیچھے کھسیڑتے

اتنا ہی کہہ پائی۔

"پر مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ آپا نے آپ کے رشتے کے سلسلے میں کوئی بات کی تھی۔"

اس کے دل کا چور سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اس کے چہرے پر خفت امنڈ کر آئی۔

"ارے، آپ نے تو بتایا ہی نہیں وہ آپ کے دوست کی امی کیسی ہیں۔" جلدی میں یہ ہی سوجھا۔

"کون سا دوست۔" ایک اجنبی احساس اور کنزئی ششدر رہ گئی۔

"وہ ہی جس کے لیے آپ نے دس ہزار روپے۔"

"ارے وہ دوست بالکل اوکے ہیں اور آنٹی اس رات میں نے اس کو پیسے پہنچا دیے تھے، بہت دعائیں دے رہا تھا آپ کو۔"

"صرف مجھے۔ پر بڑی رقم تو آپ نے ہی اسے دی تھی ناں۔" اس کے کہنے پر وہ ذرا گڑبڑایا۔

"ہاں ہاں ہم دونوں کو ہی بہت دعائیں دے رہا تھا۔ مس کنزئی میں آپ کو جلد ہی بلکہ آج کل ہی آپ کے دس ہزار لوٹا دوں گا۔"

"ارے نہیں نہیں اسود یہ تو نیکی کا کام تھا آپ لوٹائیں گا نہیں" "نہیں نہیں میں نے ادھار کہہ کر لیے تھے۔"

وہ بضد ہوا تو اسے یاد آیا کہ وہ آیا کس کام سے تھا۔

"اچھا جانے بھی دیں یہ بتائیں کہ کام کیا تھا۔"

اس کے کہنے پر وہ کھل کے مسکرایا اور کام کی تفصیل بتانے لگا اور جب لوٹا تو پلٹتے پلٹتے بولا۔

"مس کنزئی! ویسے یہ دھانی رنگ آپ پر بہت سوٹ کرتا ہے۔" کنزئی کا چہرہ سرخ پڑ گیا۔ وہ تو چلا گیا اور اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو صد شکر ادا کیا کہ اسود نے اس کا یہ حال نہ دیکھا اور اپنے کیبن کی جانب جاتے اسود کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیلی تھی نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے قدم خود بخود اس کی جانب اٹھتے تھے پر کیوں۔

☆☆☆

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی بڑھ رہی تھی شام ہوتے ہی بادل گھر گھر آئے تھے اور ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی اسے جلد از جلد گھر پہنچنے کی تھی۔ آج وہ جلدی میں چھتری لینا بھی بھول گئی تھی۔ امی کتنی یاد سے اسے چیزوں کی فہرست گنوائی تھی پر آج صبح ہی صبح موڈ ایسا خراب ہوا کہ وہ سب کچھ بھول گئی تھی۔ سڑکوں پر پانی جمع تھا اور ٹریفک نسبتاً کم تھا۔ آج اس کی گاڑی بھی نہیں آئی تھی۔ اس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی چھ بجنے والے تھے۔ "افوہ" لبوں سے نکلا تب ہی ایک بائیک اس کے بالکل نزدیک آ کر رکی۔ اس نے رک کر چونک کر دیکھا وہ اب اپنا ہیلمٹ اتار رہا تھا۔

"اسود تم......!" ایک خوش گوار احساس جاگا۔

"چلیے فوری بائیک پر بیٹھیے، بارش تیز ہونے کا امکان ہے۔" اس نے آفر دی تو وہ ذرا خجل ہوئی۔

"ناں بابا، مجھے بائیک سواری سے ڈر لگتا ہے۔"

"اوکے تو پھر میں بھی بائیک سے اتر جاتا ہوں۔"

وہ جھٹ بائیک سے اترا اور اس کے ساتھ قدم سے قدم ملاتا چلنے لگا۔

"اسود بلاوجہ ہی اپنا وقت برباد کر رہے ہو آخر کب تک یوں پیدل چلو گے۔" اسے ٹینشن سی لاحق ہوئی۔

"جب تک آپ چلیں گی کنزئی!" وہ خوش دلی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"تم کچھ زیادہ کمبل نہیں ہو رہے۔" وہ تو ہمیشہ اسے مس کنزئی کہتا تھا اچانک اسے اپنے بڑے ہونے کا خیال کوندا۔

"تو نہیں ہونا چاہیے کیا۔ آپ کو میرے جیسا مخلص اچھا اور کیوٹ سا ساتھی کہاں مل سکتا ہے۔"

اس نے ایک ہاتھ سے اپنا فرضی کالر ادا سے اٹھاتے کہا اور اس چھچھورے انداز پر وہ کھلکھلا اٹھی۔

"تم جانتے ہو ایک لڑکی کے ساتھ اسی طرح چلنے والے لڑکوں کو لوگ سمجھتے ہیں کہ تم لڑکی کو چھیڑ رہے ہو۔"

"یہ الگ بات کہ لڑکی کا خود چھیڑنے کا دل چاہ رہا ہے۔ وہ ڈپٹ سے بولا۔

"بہت بکواس کرتے ہو تم لڑکے۔ اچھا یہ بتاؤ کہ کیا ایج ہو گی تمہاری۔"

"چوبیس سال کے ہو جائیں گے ماہدولت اس اگست کو، تھرڈ اگست کو میری برتھ ڈے ہے آپ نے میرا گفٹ تیار رکھنا ہے۔"

"چوبیس سال۔" چھن سے اس کے اندر کچھ ٹوٹا تھا۔ اس نے ایک طائرانہ نظر ساتھ چلتے اسود پر ڈالی اور اس کا دل ڈول سا گیا۔ اسود اپنی رو میں بولے جا رہا تھا۔ اچانک ہی قریب سے خالی رکشہ گزرا اور اس نے بے ساختہ ہاتھ ہلایا رکشہ فوراً رک گیا۔ اس نے رکشے والے سے بات کی اور جھٹ بیٹھ گئی۔

"ارے یہ کیا یار۔" اسود چلاتا رہ گیا اور وہ جبراً مسکراتی اسے ہاتھ ہلاتی رہی۔

ایک دو تین وہ اپنی انگلیوں پر اسود اور اپنی عمر کا فرق گننے لگی۔ وہ تو مجھ سے بہت چھوٹا ہے یار، پورے چھ سال چھوٹا۔ وہ زیر لب بڑبڑا رہی تھی۔ تب ہی بارش کی موٹی موٹی بوندیں تڑاتڑ برسنے لگی۔

اس نے دل ہی دل میں شکر ادا کیا کہ اس نے اچانک رکشہ لے کر اچھا ہی کیا ورنہ اسود کے چکر میں خواری ہی ہوتی۔

تھک ہار کر گھر لوٹی تو امی کو منتظر پایا وہ بارش کی وجہ سے ڈر رہی تھیں اسے دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی تھی۔

"تم بیٹھو بیٹا، کپڑے چینج کرو میں تمہارے لیے چائے لاتی ہوں۔" امی نے چپلیں پیروں میں اڑستے کہا تب ہی کومل ٹرے تھامے کمرے میں داخل ہوئی۔

"آج میں آپ لوگوں کے لیے چائے لے کر آئی ہوں۔"

کومل چہک کر بولی تو امی نے ذرا حیرت سے کنزیٰ کی شکل دیکھی ٹرے میں چائے کے ساتھ لوازمات بھی تھے، نمکو، کباب اور چٹنی۔

"یہ آج سورج کدھر سے نکلا ہے۔" امی نے ذرا حیران ہو کر ایک نظر ٹرے پر اور پھر کنزیٰ کی جانب دیکھا۔

"ماشاء اللہ دلہن، یہ تو تم نے کمال کر دیا۔" انہوں نے ٹرے اس کے ہاتھ سے لیتے کہا۔

"بھئی میں تو ہمیشہ کمال ہی کرتی ہوں اور آپ کو تو قدر ہی نہیں ہوتی۔" وہ منہ پھلا کر بولی تو کنزیٰ نے مسکرا کر اس کا شانہ تھپکا۔

"گڈ ورک بھابھی......" اور دونوں کھلکھلا کر ہنس دیں۔

"تم دونوں کو اس طرح ہنستے دیکھ کر بہت اچھا لگ رہا ہے بچوں، یوں ہی ہنستی مسکراتی رہا کرو گھر کی فضا میں جیسے بہار سی آجاتی ہے۔" امی کے چہرے پر رونق سی اتر آئی تھی۔

"اے لو یہ کیا چائے میں تو مکھی گر گئی۔" اچانک ان کی نظر ٹرے پر پڑی۔

ایک مکھی صاحبہ چائے میں غوطہ لگا چکی تھیں۔

کومل نے اپنا سر ہی پیٹ لیا۔ پیر صاحب نے پڑھی ہوئی چینی کو چائے میں ملا کر پلانے کا کہا تھا اور اس کی خاطر اس نے کتنے پاپڑ بیلے تھے۔

"ارے کوئی بات نہیں بہو، میں ابھی تم دونوں کے لیے فریش چائے بنا کر لاتی ہوں۔ تم لوگ باتیں کرو۔"

امی تو اپنی محبت میں چائے کا کہہ کر اٹھ گئیں، پھر کومل کی نظریں ان کے تعاقب میں رہیں پیر صاحب کی پڑھی ہوئی چینی اب نالی میں جاتی تھی۔

☆☆☆

نجانے رات کا کون سا پہر تھا جب اچانک اس کی آنکھ کھلی، ذہن میں نجانے کیا کچھ چلنا شروع ہو گیا تھا کہ یادیں، باتیں اور اذیتیں سب گڈمڈ ہو رہا تھا۔

"تیس کی ہونے والی ہے میری رابعہ، ماشاء اللہ سے اس کا بچہ اب پانچویں جماعت میں آ گیا ہے آپا، تمہاری کنزیٰ سے چھ مہینے چھوٹی ہے میری رابعہ یاد ہے ناں۔"

خالہ کوثر کی بات ابھری اور ایک کسک جاگی۔ کیا تھا اس نکٹی پھنی رابعہ میں دبتا ہوا رنگ اور آواز مردوں کی طرح کرخت دبلی ایسی کہ ناک پہ کرو تو دم نکلے پر اب دیکھو تو ہاتھی بن گئی ہے اور اس کا شوہر۔

نجانے اس کی اماں کی آنکھ میں کسی جانور کا بال پڑ گیا تھا اپنے اتنے ہینڈسم سے لڑکے کے لیے ایسی ہی لڑکی پسند آئی تھی۔ ہاں بس بال ہی تو تھے اس کے لانبے گھٹنوں سے نیچے پر کیا کرنا تھا ان لانبے بالوں کا۔

دل سے صلواتیں اور جلی کٹی ہی نکل رہی تھیں۔ رابعہ اور کنزیٰ میں کوئی جوڑ نہ تھا، پر تقدیر میں کیا لکھا ہے یہ کون جانے۔ ایسے میں اچانک اسود کا ہیولا سا ابھرا۔ منزہ آپا کے پٹاؤ لفظ میں وہ الجھ کر رہ گئی۔

”میں اسود کو پٹاؤں جو مجھ سے چھ برس چھوٹا ہے۔“

وہ چھلا کر اٹھ بیٹھی ...... ”پورے چھ برس۔“ وہ بڑبڑا رہی تھی کیا اسود مجھے پسند کرتا ہے اور اگر کرتا ہے تو کیا مجھ سے شادی بھی کرلے گا۔ کیا میں اب ایسی گئی گزری ہوگئی ہو کہ میں اپنی شادی کے لیے لڑکا پٹاؤں گی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ کچھ تھا جو سب باتوں خیالوں کو مسترد کر رہا تھا۔

”میری عمر بھی تو ہو رہی ہے۔ آج تیس تو کل پینتیس پھر پینتالیس پھر کون مجھے پوچھے گا سب مجھے بے کار فالتو شے سمجھ کر کونے میں ڈال دیں گے ٹھیک ہی تو کہتی ہیں امی...... انسان کی زندگی کا کیا بھروسا، اس کا ہاتھ اپنے دل تک گیا اور ٹھہر گیا۔

کیا بھروسا ان چلتی سانسوں کا کب دھوکہ دے جائیں۔ کب میری آنکھیں بند ہو جائیں امی سے بھی پہلے۔ آنسو ایک تواتر سے بہے جا رہے تھے۔ دل کو قرار ہی نہیں آ رہا تھا تب وہ بستر سے اٹھی اور باتھ روم کی جانب بڑھی وضو کر کے مصلا بچھایا اور تہجد کی نماز کے لیے کھڑی ہوگئی کہ اب اس کے بے قرار دل کا علاج بس اسی کے تخلیق کار کے پاس تھا۔

☆☆☆

آج آفس میں ایک ہلچل سی تھی پر وہ اپنے کاموں کی الجھنوں میں کچھ جان ہی نہ پائی سوائے اسود کی غیر موجودگی کے۔

”کچھ پتا چلا“ دردانہ نے آکر اس کے کان میں کھسر پھسر کی۔

”کیا ہوا؟“ اس نے فائلوں کے بنڈل شیلف میں رکھتے ہوئے پوچھا۔

”دو نئی لڑکیاں اپائنٹ کی گئی ہیں سنا ہے بڑی ہائی فائی قسم کی ہیں۔“ دردانہ اس کی کولیگ کے پیٹ میں جب بہت درد ہوتا تب ہی وہ اس پر اگلتی۔

”چلو اچھا ہے کام کا لوڈ بھی تو بہت بڑھ گیا ہے کتنے نئے پروجیکٹس شروع ہو چکے ہیں۔“ اس نے بے پروائی سے پین کان کے پیچھے لگایا اسے ابھی تمام فائلوں کی ری چیکنگ کر کے کمپیوٹر میں سیو کرنا تھا۔

”آفس کے سارے مرد حضرات اپنے نمبر بڑھانے کے چکر میں ان کے ہی کیبن کے اردگرد منڈلا رہے ہیں اور تو اور تمہارا اسود بھی۔“ اس کے کہتے ہی کنزیٰ نے ذرا اتنک کے کہا۔

”میرا اسود...... مائینڈ یور لینگوئج دردانہ!“

”ارے میرا مطلب یہ ہے کہ تمہیں ہی لفٹ کراتا ہے ناں...... تو بس ایسے ہی منہ سے پھسل پڑا تھا۔“ اس نے فوراً تصیح کی۔

”میں صرف جونیئر سمجھ کر بات کرتی ہوں اس سے۔“

”ارے ہاں ہاں دیکھو اب چلے آ رہے ہیں صبح سے تو وہیں ٹہل لگا رہے تھے۔“ دردانہ نے شرارتی انداز میں آنکھ دباتے ہوئے کہا اور ٹل گئی۔

”تو لوگ میرے اور اسود کے بارے میں۔“ اس کے دل سے ابھرا۔

”ہیلو مس کنزیٰ کیسی ہیں۔ ذرا یہ فائل تو سر سے چیک کروائیں۔“ کنزیٰ نے کچھ جواب دینے کے بجائے اسے سرتاپا بغور دیکھا اس کے گفٹ کیے چمکتے شوز، جو اس نے ابھی پچھلے مہینے ہی پانچ ہزار کے خریدے تھے اور شرٹ بھی تو وہی تھی جو اس کی پسند کی تھی اور اس نے جھٹ خرید لی تھی پورے تین ہزار کی شرٹ البتہ پینٹ۔

”مس کنزیٰ پلیز، آپ یہ فائل سر کفیل کو دے دیں۔ مجھے دیکھ کر تو ان کا موڈ ہی آف ہو جاتا ہے،“

اس کا انداز ایسا تھا کہ کنزئی سلگ کر رہ گئی اور پھر دردانہ کی باتیں ابھی تازہ تھیں۔

"اسود، آئی ایم یور سینئر سو پلیز اس کا خیال۔"

اس کے سرد لہجے پر وہ کچھ بوکھلا سا گیا۔

"مس کنزئی، آپ میری سینئر ہیں میں تو بس فرینڈلی ہی!"

وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ کنزئی کی ریپوٹیشن بہت اچھی تھی اور یہ ابھی تک اس کا ہی ساتھ تھا کہ اس کے کام باآسانی نکل رہے تھے، ورنہ اس آفس میں ایک ناتجربہ کار آدمی کو کون پوچھتا کنزئی اب اپنی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ چکی تھی۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ ابھی مزید کچھ کہنا فضول ہے لہٰذا لوٹنے میں ہی عافیت سمجھی۔

"اف خدایا میں بھی کیا کر رہی تھی اپنے رتبے سے میں کیسے گر سکتی تھی پر گر گئی ناں...... اپنے سے اتنے جونیئر لڑکے کو پٹا رہی تھی۔"

منزہ آپا کا لفظ پٹانا احساس ندامت میں گھیر رہا تھا۔ "نہیں مجھے اپنے رتبے سے ہرگز نہیں گرنا اگر میرے نصیب کا لکھا ہے تو مجھے ضرور ملے گا۔ مجھے اپنے اللہ پر کانفیڈنیس ہے۔ یس آئی ایم شیور۔"

ماتھے پر پسینے کی بوندیں ابھری تھیں۔ دل ہی دل میں توبہ تلہ جاری تھی۔

☆☆☆

کومل کا پیر کیا پھسلا پورے گھر میں جیسے قیامت ہی آ گئی تھی۔ شامل بھائی ہی کیا کم تھے کہ امی بھی ان کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ کومل کا اترا چہرا دیکھ کر تو پہلے ہی انہیں شک تھا کہ وہ دادی بننے والی ہیں اس پر پیر کا پھسلنا توبہ توبہ۔ فوری طور پر نفیسہ آپا کو بھی بلوایا گیا گو ڈاکٹر نے معمولی سی موچ کا کہا تھا پر امی کے دل کو قرار ہی نہ تھا۔

"آج کل کے بچے سنتے ہی کہاں ہیں نفیسہ بہن، کہا تھا کہ مجھے تو معاملہ کچھ لگتا ہے پھر دیکھ لو ہماری سنتا ہی کون ہے اب تم ہی اپنی بچی کو سمجھاؤ ہماری تو یہ سنتی ہی نہ ہے۔"

نفیسہ آپا کیا کہتیں بس مسکرا کر ان کی باتیں سنتی رہی تھیں پھر جب وہ ناشتے کی غرض سے اٹھیں تو ان سے رہا نہیں گیا اور لگیں بیٹی کو سمجھانے۔

"دیکھ لیا ناں بیٹا، اپنی ساس کو، اس طرح تو تمہارے لیے میں بھی ہلکان نہیں ہوتی ابھی تو نہیں صرف وہم ہے کہ تم امید سے ہو اور اگر تم واقعی امید سے ہوگئیں تو سوچو یہ ماں کیسے سر آنکھوں پر بٹھائے گی تمہیں۔ ارے بیٹا ایک ہی تو ماں ہے اور وہ کنزئی وہ تو سارا دن آفس میں سر کھپاتی ہے۔"

ابھی ان کی گفتگو جاری تھی کہ صالحہ آپا بھی بمعہ اہل وعیال کے وارد ہو گئیں تھوڑی ہی دیر میں پورا گھر چہک مہک رہا تھا۔

امی کے ساتھ اسے بھی لگنا پڑا کہ ان کی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ اتنا کام اکیلے کرتیں۔

چھٹی کا دن تھا لہٰذا وہ فارغ تھی پر پھر بھی ہفتے بھر کی لانڈری کا کام اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ شامل بھائی اپنی ساس کی خاطر مدارت میں بازار سے نجانے کیا کچھ اٹھا لائے تھے۔ صالحہ آپا، نفیسہ آپا اور کومل کا سیر کھا رہی تھیں گیٹ پر بیل ہوئی۔ وہ چائے بنا رہی تھی۔

"لو لگتا ہے پھر کوئی مہمان تشریف لے آیا۔" اس کا تو منہ ہی بن گیا۔

"بری بات بیٹا، ایسا نہیں کہتے۔" امی نے سموسے تلتے اس کی سرزنش کی تب ہی شامل بھائی نے سیفی کے آنے کی اطلاع دی۔

"سیفی، ارے اتنے عرصے بعد یہ کیسے آ گیا خدا خیر کرے حیدرآباد میں تو سب ٹھیک ہے ناں۔ منزہ نے تو مجھے فون ہی نہ کیا۔"

امی نے اپنا دل تھام لیا۔ منزہ آپا کی شادی کے بعد کوئی دوسری تیسری بار ہی اس شخص نے اس گھر میں قدم رکھا تھا۔ منزہ آپا کا سب سے چھوٹا دیور سیفی اپنے سب بہن بھائیوں سے الگ تھلگ نیچر کا ہی تھا۔ سلجھا اور سوبر سا۔

"میں نے سیفی بھائی کو ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے امی، آپ پریشان نہ ہوں مجھے تو سب ٹھیک ہی

لگ رہا ہے۔"
شامل بھائی کی تسلی پر بھی امی کا دل نہ بہلا اور وہ تیزی سے ڈرائنگ روم کی جانب بڑھیں۔
"شامل بھائی۔" اس نے کچن سے ہی انہیں آواز لگائی وہ فوراً کسی ضروری کام کے تحت دوڑے آئے۔
"ہاں بولو منی! کیا ناشتا ریڈی ہے؟"
"ناشتا تو ریڈی ہے پر بیٹا ہوگا تو میں نے سونے کے رنگز لینے ہیں۔"
اس کی بے ساختہ فرمائش پر وہ خجل سا سر کھجانے لگے اور اثبات میں سر ہلاتے چلے گئے

☆☆☆

"ویم ایکسکیوزمی!"
اس نے کوریڈور میں قدم رکھا ہی تھا کہ پیچھے سے کسی کے پکارنے پر وہ پلٹی۔
"مس کنزئی...... رائٹ۔"
وائٹ پینٹس اور لانگ بلیک اینڈ وائٹ پرنٹڈ شرٹ پر بنا دوپٹے اس کے سیاہ گھنگریالے بال ہوا میں لہرا رہے تھے اس کے چہرے پر مسکان تھی، ایک لمحہ کو اسے لگا کہ جیسے کوئی فارنر ہو۔ پر اس کی تو کسی بدیسی سے شناسائی نہ تھی۔
"یس آئی ایم کنزئی۔" اس نے اپنا سفید مرمریں ہاتھ اس کی جانب بڑھایا۔
"نائس ٹو میٹ یو کنزئی۔ میرا نام ژالے ہے میں ابھی اپائنٹ ہوئی ہوں۔ آپ کا نام بہت سنا تھا سو چا مل بھی لوں۔"
کنزئی نے مسکراتے اس کا ہاتھ تھاما۔
"ژالے، خوشی ہوئی کہ آپ نے میرا نام اچھے حوالے سے سنا۔"
"میں دراصل فنانس ڈپارٹمنٹ میں تھی پہلے مجھے پروڈکشن اور دوسرے میٹرز کا زیادہ نہیں پتا کیا آپ میری مدد کریں گی۔"
ژالے کے پوچھنے پر اس نے بخوشی سر ہلا دیا۔ دونوں ساتھ ساتھ چلتی گئیں۔ ژالے اور رومانہ دونوں ایک ساتھ ہی پڑھی تھیں اور ایک ساتھ ہی جاب بھی شروع کی تھی۔ بہت جلد ہی انہیں ایک پرکشش معاوضے پر یہاں بھی جاب مل گئی تھی۔ دونوں کا تعلق ہی کھاتے پیتے ماڈرن گھرانوں سے تھا۔ ان کے پاس اچھی ڈگریاں، فرفر انگریزی، اچھے ماڈرن کپڑے زیورات سب ہی کچھ تو تھا پر تجربہ...... کنزئی سے ان دونوں کی جلد ہی دوستی ہوگئی تھی وہ بھی خوش تھی کیونکہ دردانہ جیسی بورنگ لڑکی سے اس کی کبھی نہ بنی تھی بس کام سے کام تک کی ہی بات ہوا کرتی تھی۔
اسے یہ بات ہضم نہ ہوئی تب ہی کنزئی کو بھڑکانے چلی آئی تھی۔
"یہ تم اچھا نہیں کر رہی ہو کنزئی۔"
"میں سمجھی نہیں۔" سمجھ تو وہ چکی ہی تھی پر جان بوجھ کر انجان بنی۔
"ژالے اور رومانہ تم سے یہاں دوستی کرنے نہیں تم سے کام سیکھنے آئی ہیں جو تم نے یہاں اتنے برس غرق کر کے سیکھا ہے۔"
اسود کے بعد اب ژالے اور رومانہ کی دوستی دردانہ کو کھلی تھی۔
"تمہیں مسئلہ کیا ہے دردانہ، میں کسی سے بھی دوستی کروں تم کیوں جیلس ہوتی ہو اس لیے کہ وہ تم کو لفٹ نہیں کراتیں۔"
"ایسا نہیں ہے کنزئی تم پھر غلطی کر رہی ہو۔ پہلے اسود تمہیں یوز کرتا تھا ابھی تم نے شاید اس کو ناراض کر دیا ہوگا اس لیے یہاں نہیں آرہا پر مجھے کیا۔ میں صاف بات کرتی ہوں یہ دونوں تتلیاں ہم جیسی مڈل کلاس لڑکیوں کے حق پر ڈاکا ڈالتی ہیں۔ آتا جاتا کچھ نہیں بس چھوٹے چھوٹے اوٹ پٹانگ کپڑے پہن کر چونچیں لال کر کے سمجھتی ہیں کہ بہت عقل مند ہیں دیکھ لینا یہ ایسا ہی کریں گی۔ جانتی ہو سر نے ان کو کتنی سیلری پر رکھا ہے سوچ ہے تمہاری۔ اپنی نوکری کا ابھی سے بندوبست کر لو۔"
وہ اتنا کہہ کر تنتناتی ہوئی چلی گئی۔ کنزئی نے چڑ کر اسے جاتے دیکھا جب وہ یہاں نئی آئی تھی تب بھی

دردانہ کا رویہ اس سے اکھڑا اکھڑا سا تھا۔
''جیلس انسان'' اس نے سوچا اور اپنے کام میں مصروف ہوگئی، ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اس نے مڑ کر دیکھا تو اسود دروازے پر کھڑا اسے ہی دیکھ رہا تھا اس کے چہرے کی ہمیشہ کی طرح کی بشاشت آج مفقود تھی۔ اس کے دل کو چھانے لگا۔
''کیا میں اندر آسکتا ہوں۔'' اس کے پوچھنے پر اس نے سر ہلا دیا۔
''کیا آپ اب بھی مجھ سے ناراض ہیں مس کنزیٰ۔'' اس نے آتے ہی پوچھا۔ اس نے کان کے پیچھے سے اپنا پین نکال کر فائل پر رکھا اور سوچتی نظروں سے اسے دیکھنے لگی اسود اس کے یوں دیکھنے پر کچھ گڑبڑا سا گیا۔
''مجھے لگتا ہے کہ میں نے یہاں آکر غلطی کی ہے۔ آپ اب بھی مجھ سے ناراض ہیں پر یقین جانیے مس کنزیٰ، میں آپ کی بہت ریسپکٹ کرتا ہوں۔''
وہ جیسے اٹک کر اپنا مطمع نظر پیش کر رہا تھا۔
''کوئی کام تھا اسود؟'' اس نے لہجے کو متوازن رکھتے پوچھا تھا۔
''جی...... میں وہ......'' وہ ہکلایا پھر اپنے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری ''آپ سے سوری کرنے آیا تھا۔''
''اٹس او کے اسود، آئندہ دھیان رکھنا۔'' اس نے اپنی نظریں اب سامنے دیوار پر مرکوز کی تھیں اسود نے سر ہلایا اور مڑا تب ہی وہ بولی۔
''تم میرے جونیئر ہو اسود ہمیشہ یاد رکھنا۔''
اس کی سرد مہری پر اسود کے دل کو کچھ ہوا پر کیا وہ جان نہ سکا شاید وہ کنزیٰ کے رویے پر ناخوش تھا۔ وہ ایسی تو نہ تھی۔ دل و دماغ میں شور سا تھا۔

☆☆☆

کومل بھابھی نے خوش خبری سنائی تو جیسے امی کے بے چین دل کو قرار آ گیا تھا اس پر بس نہ ہوئی اس کے کھانے پینے سے لے کر پہننے اوڑھنے اور گھر سے نکلنے کے اوقات تک طے ہونے لگے۔ صالحہ آپا نے منزہ آپا کو فون کھڑکایا تھا انہیں اپنی ماں کی یہ بے تابی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ ان دونوں بہنوں کی خفیہ باتیں شروع ہوچکی تھیں، پر کنزیٰ اس ٹیم کا حصہ ہرگز نہ تھی اسے اپنے بھائی اور ماں کی خوشی عزیز تھی۔
''مجھے بہت افسوس ہے کنزیٰ پتا نہیں مجھے کیا ہوجاتا تھا۔ شادی سے پہلے میں نے بالکل نہ سوچا تھا کہ میں ایسی ہوجاؤں گی اتنی ٹیکو تھنکنگ والی اسٹوپڈ سی عام سی عورت، جسے اپنی ساس نندوں سے بلاوجہ ہی خار ہوتی ہے۔''
کومل بھابھی نے پلیٹ سے اٹھا کر سیب کی قاش منہ میں ڈالی۔ پھل کاٹتی کنزیٰ نے ایک نظر کومل کے چہرے پر ڈالی وہ بہت مسرور تھی پر خوف زدہ بھی تھی، عمر میں وہ اس سے پورے پانچ سال چھوٹی تھی۔ کنزیٰ کو کومل پر بے اختیار پیار آیا۔
''ہوتا ہے ناں یار، یوں بھی ہوتا ہے جب صالحہ آپا کی شادی ہوئی تھی تو منزہ آپا نے ان کے بہت کان بھرے تھے ان کے سسرال والوں کے خلاف حالانکہ کوئی ضرورت بھی نہ تھی صالحہ آپا کو۔ پورے دو سال ان کی منگنی رہی اور ان دو سالوں میں وہ اپنی تینوں شادی شدہ نندوں اور ان کی سسرالوں کو بھی اچھی طرح جان چکی تھیں اور وہ ان کی چوتھے نمبر والی نند جس کی شادی ان کے ولیمے کے ساتھ ہوئی تھی شادی سے پہلے ہی دونوں کی ہلکی پھلکی کھٹ پٹ بھی ہوگئی تھی پر رشتہ داری تھی ناں اس لیے نبھ گئی۔''
دونوں کے قہقہے ابھرے۔ کنزیٰ نے سیب کی پلیٹ اس کی جانب بڑھائی۔
''ماں بننے کا احساس بہت خوب صورت ہے۔ کنزیٰ پر سچ پوچھو تو یہ بہت بڑی ذمہ داری بھی ہے۔ مائیں اپنے بچوں کے لیے کتنی Possessive ہوتی ہیں، اس کا احساس مجھے اب ہوا ہے جب ایک زندگی میرے وجود میں سانس لینے لگی ہے اور میں ایک ماں سے اس کا بیٹا کومل کا گلا رندھ گیا اس کی گہری کالی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔ کنزیٰ

نے اسے اپنے گلے سے لگالیا۔ وہ معصوم سی لڑکی اپنے اندر کی ساری کڑواہٹ اگل رہی تھی اور اس کے سامنے نکھری کثافتوں سے پاک کومل آرہی تھی۔ اس کا سیل فون بج رہا تھا ژالے کی کال تھی رومانہ اور ژالے نے ایک پارٹی تھرو کی تھی اور وہ اسے بھی انوائٹ کررہی تھیں۔ اس نے انکار کرنا بھی چاہا پر اس سے یوں فوری طور پر انکار نہ ہوا۔

"کس کا فون تھا؟" کومل بھابھی نے پوچھا۔

"ژالے کا...... سنڈے کو ایک پارٹی میں انوائٹ کیا ہے۔" وہ اس کے نزدیک بیڈ پر بیٹھی اور سیب کی قاش اٹھا کر منہ میں ڈالی۔

"جاؤ گی کنزئی؟" کومل کے پوچھنے پر وہ سوچ میں پڑ گئی۔ تب ہی امی کمرے میں داخل ہوئیں ان کے چہرے سے مسرتیں پھوٹی پڑ رہی تھیں۔

"سنتی ہو بچیوں ایک زبردست سی خوش خبری!"

وہ دھپ سے ان دونوں کے پاس ہی بیٹھ گئیں۔ انہوں نے ڈوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کیا وہ دونوں ان کو بغور دیکھ رہی تھیں، ایک ننھے مہمان کی آمد سے بڑھ کر اور کیا خوش خبری ہوسکتی تھی۔

"اپنی کنزئی کا رشتہ آیا ہے۔"

ان کے کہتے ہی کومل نے فرط مسرت سے کنزئی کو گلے سے لگایا۔

وہ حیران بھی تھی اور خوش بھی تھی رات بھر عجیب وغریب خواب نظر آتے رہے۔

صبح اٹھی تو اردگرد بہت رنگین سا لگا آفس جانے میں ابھی کچھ ٹائم باقی تھا وہ جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹتی نکلنے کو ہی تھی کہ دردانہ کا فون آگیا اور جو کچھ اس نے کہا وہ اس کے اوسان خطا کردینے کو کافی تھا۔ ایسا کیسے ہوسکتا تھا وہ اتنی بڑی غلطی کیسے کرسکتی تھی پر کر چکی تھی۔ اپنی پوری آفس لائف میں یہ پہلی بار ہوا تھا اور اس قدر بڑی غلطی، وہ دھڑکتے دل سے سر کفیل کے روم ـــــ کی جانب بڑھی تھی۔ دردانہ اسے پہلے سے انفارم نہ کرتی تو شاید وہ اس سانحے پر بے ہوش ہی ہوجاتی۔

زندگی شاید اسی کا نام ہے کبھی اونچ تو کبھی نیچ آج ایک خوشی اس کی بے رنگ زندگی میں رنگ بکھیر سکتی ہے تو ایک غلطی اسے پاتال میں گرانے کو تیار کھڑی ہے۔

"تم یہ بتاؤ تم نے اپنا لیپ ٹاپ کہاں چھوڑا تھا۔" دردانہ اس سے استفسار کررہی تھیں۔

"وہیں اپنی ٹیبل پر۔" آنسو بار بار آنکھ میں آنے کو بے قرار تھے۔

"یہ کسی کی شرارت بھی تو ہوسکتی ہے ذرا سوچو تم صفر زائد کیوں لگاؤں گی آج تو کام کرنے آئی نہیں ہو۔ میچور ہو، کام کرنے کا تجربہ ہے۔ پھر کون۔"

"کچھ سمجھ ہی نہیں آرہا انہوں نے مجھے میری ای میل دکھائی جو میں نے ان کو سینڈ کی تھی میں کیوں غلط اماؤنٹ لکھوں گی۔"

"مجھے لگتا ہے کہ یہ ان تتلیوں کا کام ہے تم نے ہی ژالے کو بہت سر چڑھا رکھا تھا ایک نمبر کی ٹیلفش لڑکی ہے وہ۔ ابھی تم جاؤ اور ان سے ایکسکیوز کرو اس سے پہلے وہ یہ بم آگے پھوڑ دیں۔"

دردانہ کے کہنے پر وہ تقریباً دوڑتی ہوئی کیبن سے باہر نکلی اور لفٹ کی جانب بڑھی۔ تب ہی کسی سے بڑے زور سے ٹکرائی اور گرتے گرتے بچی اور کسی نے اسے تھام لیا۔

"اوہ سوری سوری،" اجنبی نے اسے پکڑتے ہی یوں چھوڑا کہ وہ دوبارہ بمشکل اپنا توازن برقرار رکھ پائی تھی

"تھینکس اگر آپ نہ پکڑتے تو میں گر جاتی۔" اس نے ندامت سے اس سے نظریں چراتے لفٹ کی جانب قدم بڑھائے پر وہ تو اس کے ہم قدم تھا۔

"آپ یہاں جاب کرتی ہیں۔" اس نے لفٹ کا بٹن پریس کرکے پوچھا۔

"جی!" اس نے ایک اچٹتی نظر اس پر ڈالی سفید کاٹن کے شلوار قمیض میں وہ سیدھا سادا نظر آیا پر اس کی گہری کھوجتی آنکھیں...... وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ دونوں ایک ساتھ ہی لفٹ میں داخل

ہوئے۔

"کتنا پرانا ہے یہ آفس میرا مطلب ہے کہ آپ کب سے یہاں جاب کررہی ہیں۔" اس نے اپنے سوال کی نوعیت بدل لی تھی۔

"پانچ سال ہو گئے یہ آفس تو خاصا پرانا ہے آپ کلائنٹ ہیں یا جاب کے سلسلے میں؟" جواب دیتے وہ پوچھ بیٹھی۔

"میں تو بس ایک کام کے سلسلے میں آیا تھا۔" وہ دھیمے سے مسکرایا تو اس نے بھی رسماً مسکرا کر سر ہلایا تب ہی لفٹ مطلوبہ فلور پر رکی تھی۔ وہ ایک بار پھر سر کفیل کے غبار میں مبتلا ہوچکی تھی۔ اور وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا نجانے کہاں غائب ہوگیا تھا۔

کسی کی شرارت تھی یا اس کی غلطی پر ہو چکی تھی سر کفیل کو لعن طعن شروع ہو چکی تھی یہ پہلی بار اور شاید آخری بار تھی۔ اس کا دل غم سے بھاری تھا پھوٹ پھوٹ رونے کو من مچل رہا تھا، اس نے لفٹ کی بجائے زینے کا انتخاب کیا کہ کہیں کوئی اس کی شکستہ حالت نہ دیکھ لے۔ لفٹ کے داہنی جانب جاتا یہ تنگ سا زینہ اسٹاف کے استعمال میں کم ہی رہتا تھا۔ وہ اپنی بے عزتی پر اندر ہی اندر روتی ہوئی چلی جارہی تھی تب ہی اسے کسی کی کراہ سنائی دی اس نے ذرا دھیمی روشنی میں دیکھا تو ایک صاحب، اوندھے منہ گرے نظر آئے وہ لپک کے ان کے نزدیک پہنچی تو وہ ہی صاحب زمین پر پڑے ہائے ہائے کررہے تھے۔

"ارے آپ زمین پر کیا کررہے ہیں کیا گر گئے۔"

"ارے مس، زمین پر کیا کرسکتا ہوں آپ کے آفس کا اتنا خراب نظام ہے صفائی کا پتا نہیں کیا پڑا تھا کہ میرا پیر رپٹ گیا اور میں گر گیا۔"

"تو آپ کو کیا ضرورت تھی زینے کا معائنہ کرنے کی۔ اچھا بھلا میرے ساتھ لفٹ سے اوپر گئے تھے پھر ایسٹرز کیوں۔"

"دماغ خراب ہوا تھا میرے سارے کپڑے خراب ہوگئے اب ذرا میری اٹھنے میں مدد کریں۔"

"آپ رکیں میں کسی کو بلاتی ہوں مدد کے لیے۔"

وہ دھپ دھپ سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں ہی پیون کی مدد سے انہیں اٹھا گیا اور وہ کفیل صاحب کے روم کی جانب بڑھی تھی۔

☆☆☆

امی کا کہنا تھا کہ رشتہ کروانے والی بتول آپا کو اس کے جیسے ہی، پراعتماد جاب کرنے والی لڑکی چاہیے تھی کیونکہ یہ لڑکے والوں کی ڈیمانڈ تھی نجانے کتنی ہی لڑکیاں دکھا چکی تھیں، پر لڑکے کی اماں کو اس کی تصویر پسند آ ہی گئی تھی اور بتول آپا کو یقین تھا کہ اس بار یہ رشتہ ڈن ہو ہی جائے گا پر آج یہ کیا ہوگیا تھا۔

"کنزیٰ! یہ سب ان لوگوں کی اسکیم تھی ایسے کس طرح یہ تمہیں فائر کرسکتے ہیں، تمہارے رائٹس ہیں اتنے سال جاب کی ہے تم نے تم ان پر کیس کرسکتی ہو۔"

دردانہ بولے جارہی تھی اور وہ کسی بت کی مانند اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھی، اسے اب کچھ نہیں سوچنا تھا سوائے اس کہ اب اس کا یہاں سے دانہ پانی اٹھ چکا ہے۔ اسود بھی دوڑا دوڑا آیا تھا یقیناً اسے دردانہ نے ہی کال کیا ہوگا۔

"مس کنزیٰ! اس طرح بیک آف کرنا عقل مندی نہیں ہے، کفیل صاحب آپ کو فائر نہیں کرسکتے یہ حق چیئرمین صاحب کا ہے۔"

اور پھر اس کے اردگرد لوگ جمع ہوتے گئے بھنبھناہٹ بڑھ رہی تھی پر اس کے اندر ایک سائرن سا بج رہا تھا آواز تھی کہ تھم نہ رہی تھی یہ دکھ و یاست کا دورہ تھا یا کچھ اور وہ تھکی تھکی سی اپنے وجود کو گھسیٹتی نکلتی چلی آئی بہت سے مایوس کچھ جاننے والے کچھ یوز کرنے والوں کو پیچھے چھوڑتی چلی گئی۔ ساری آوازیں، شور، بھنبھناہٹیں پیچھے رہ گئی تھیں وہ کھلی فضا میں نکل آئی تھی اور خالی نگاہوں سے سامنے دیکھتی چلی جارہی تھی۔

☆☆☆

”مجھے تو لڑکا پسند آیا ہے، بتول آپا نے اس کی تصویر بھی سینڈ کی ہے گورنمنٹ جاب ہے اس کی تم بھی دیکھو بیٹا،“ امی کے کہنے پر اس نے شرما کر سر جھکا لیا تھا۔

”بس امی، میں نے کنزیٰ کے لیے سارا جہیز خود تیار کرنا ہے ہاں۔“ کومل چہکی تھی۔

”اچھا بابا، پہلے اپنے آپ کو تو سنبھال لو، چڑیا سا تو دل ہے تمہارا اور ویسے بھی وہ لوگ جلدی کر رہے ہیں۔“ امی نے مسکرا کر کومل کا ہاتھ پکڑ کر پیار کرتے ہوئے کہا تھا۔

”ایکسکیوزمی مس!“ کسی کے پکارنے پر بھی اس پر خاطر خواہ اثر پڑا تھا، تب ہی وہ چلا کر بولا۔ ”سنیے تو۔“

تب ہی وہ رکی اور چونک کر پلٹی وہ ہی سفید شلوار قمیض والا اس سے مخاطب تھا۔ نزدیک آ کر اس نے ایک سانس بھری جیسے اسے ہی ڈھونڈ رہا تھا۔

”آپ کا شکریہ ادا کرنا تھا اگر آپ مدد نہ کرتیں تو پتا نہیں کب تک اسی ویران جگہ پڑا رہتا، ویسے آپ کے آفس والوں نے“ اس کی بات ابھی ادھوری کہ وہ بول پڑی۔

”اب وہ میرا آفس نہیں ہے۔“ مغموم لہجہ۔ ٹوٹا دل...... اور آنسو۔

”آپ کا آفس نہیں لیکن آپ نے ہی تو مجھے بتایا تھا کہ آپ یہاں جاب کرتی ہیں۔“ وہ کچھ حیرت زدہ سا نظر آیا۔

”جی اس وقت کر رہی تھی پر اب میں نے۔“ اس نے ایک سانس بھری پھر بولی ”انہوں نے مجھے فائر کر دیا۔“

اس کے کہتے ہی ان صاحب کے چہرے پر رنگ کھل گئے۔

”گڈ...... انہوں نے فائر کیا ہے تو مزہ آئے گا۔“ اس کے انداز پر کنزیٰ نے چونک کر دیکھا۔

”میں سمجھی نہیں۔“ اب کی بار ذرا اس نے اس کا بھرپور جائزہ لیا لمبا چوڑا پہلوان سا فوجی کٹ بال پہلی نظر میں وہ کوئی آرمی والا ہی لگتا تھا۔

”مس صاحبہ! اچھا ہوا کہ آپ نکل آئیں ویسے بھی یہ آفس تو اب رہنے والا نہیں۔“ کنزیٰ نے حیرت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

”ویسے محترمہ میں ایک انتہائی شریف معقول سرکاری بندہ ہوں آئیے میں آپ کو بتاتا ہوں۔“ وہ دونوں دھیمے قدموں سے چلتے جا رہے تھے۔ کنزیٰ حیران تھی کہ جس آفس میں وہ گزشتہ پانچ چھ سال سے کام کر رہی تھی، اس کی تعمیر نا صرف ناجائز تھی بلکہ وہ ایک نالے پر قائم تھی۔ پچھلے کئی برسوں سے اس نالے پر ناجائز تجاویزات کے لیے کارروائی شروع تو ہوئی پر پایہ تکمیل تک نہ پہنچی تھی۔ ان کے آفس کے علاوہ وہاں دیگر شوروم اور چھوٹے ریسٹورنٹس اور کیفے بھی تھے جو سب ناجائز تجاویزات کے زمرے میں تھے۔

”مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اتنے پوش علاقے میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔“ اس نے اپنا سر پکڑ لیا اپنا درد تو اس انکشاف پر ہی کہیں کھو گیا تھا۔

”ایسا ہو رہا ہے محترمہ، ویسے ایک بات پوچھوں آپ کو میں نے بہت دیکھا ہوا ہے یا شاید مجھے ایسا لگ رہا ہے شاید بچپن میں کہیں۔“

وہ سوچ رہا تھا کہ اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ چلتے چلتے وہ کافی دور نکل آئے تھے۔

”کمال ہے مجھے بھی ایسا ہی لگا تھا آپ کا نام۔“ اس نے اپنے ذہن کے دریچوں کو کھنگالا۔

”سیف الدین“ اس کے کہتے ہی وہ چونکی تھی۔

”آپ حیدرآباد میں رہتے تھے ناں، کنزیٰ کو خوش گوار حیرت ہو رہی تھی۔

”جی بالکل، ہم وہیں رہتے ہیں مجھے تو ابھی ہفتہ ہی ہوا ہے یہاں ٹرانسفر ہوئے۔“

”آپ نے مجھے نہیں پہچانا میں کنزیٰ ہوں اور آپ سیفی بھائی منزہ آپا کے دیور تنویر بھائی کے

چھوٹے بھائی۔" اس کی مسکراہٹ کھل اٹھی تھی۔

"کنزیٰ یہ تم ہو۔ تم کتنی بڑی ہوگئی میں ابھی تو تمہارے گھر آیا تھا پر تم سے ملاقات ہی نہ ہوئی ابھی کچھ دن پہلے ہی تو۔"

"سیفی بھائی کے لفظ بڑی پر اس کا چہرہ کھل اٹھا کہ ابھی کوئی تو ہے جو اسے کم عمر گردانتا ہے۔ ورنہ خاندان والے تو بس اس کے ہاتھ میں لاٹھی پکڑا رہے تھے جیسے۔

"جی بالکل آپ آئے تھے ملاقات نہ ہوسکی شاید اسی لیے ہم دونوں ایک دوسرے کو پہچان نہ پائے آنٹی کیسی ہیں۔"

"ارے بھئی بس ٹھیک ہیں میں تم کو شاید بارہ پندرہ سال بعد دیکھ رہا ہوں تم اچھو بھائی کی شادی پر تو حیدرآباد آئی تھیں ناں۔ چھوٹی سی تھیں تم۔"

انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے بتایا اجنبیت کی دیوار سٹ گئی تھی۔ باتیں، قہقہے خاندانی سازشیں سب گفتگو میں شامل ہوتا جا رہا تھا سفر طویل ہوتا گیا۔

☆☆☆

بتول آپا کا فون آیا تھا لڑکے والے آنا چاہتے تھے نہ چاہتے ہوئے بھی امی کو دل پر پتھر رکھ کر انہیں کنزیٰ کی نوکری کے بارے میں بتانا پڑا۔ وہ بھی دل پکڑ کر رہ گئی تھیں، انہیں قوی امید تھی اس رشتے کے ڈن ہونے کی پورے تین مہینے سے کوئی تگڑا رشتہ ہاتھ نہ لگا تھا اور اب جب دونوں طرف سے امید نظر آئی تو وہ ہوگیا جس کا تصور بھی نہ تھا۔

"مجھے یقین ہے امی، ہماری کنزیٰ کا جلد ہی بہت اچھی جگہ سے رشتے آئے گا۔" کومل نے نرمی سے ان کا شانہ دبایا اور وہ صوفے پر ڈھے سی گئیں۔ کومل نے محبت سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا اور سمجھانے کے انداز میں بولی۔

"میں جانتی ہوں امی، آپ بہت ہرٹ ہیں لیکن پلیز کنزیٰ کے سامنے کچھ نہ کہیے گا اسے ابھی اپنی جاب کے جانے کا شاک لگا ہے اس سنبھلنے دیں۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو بیٹا، وہ تو سیفی مل گیا تو اس کی باتوں میں لگ گئی تھی ورنہ میری بچی تو۔" وہ آزردگی سے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں آج کومل انہیں بڑی سمجھ دار لگ رہی تھی، ماں بننے کے عمل نے اس کی شخصیت میں بہت بدلاؤ پیدا کر دیا تھا۔

"ایک دو دن میں سیفی بھی آئے گا اسے گھر کی تلاش ہے، ابھی اسے محکمے کی جانب سے گھر ملنے میں دیر ہے مجھے یاد دلانا بیٹا، منزہ کا دیور ہے کھانا کھا کر ہی جائے گا اس کے لیے اہتمام کرنا ہوگا۔"

کومل نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

☆☆☆

آج کتنے دنوں بعد اس نے امی کے ہاتھ کے کرکرے پراٹھے، مرچوں اور لہسن کی چٹنی سے کھائے تھے جو ذائقہ ماں کے ہاتھ میں ہے وہ کسی فائیو اسٹار کے شیف کے ہاتھ میں کہاں ہوسکتا ہے وہ سوچتی ہوئی لقمے توڑ رہی تھی۔

"پھر تم نے کیا سوچا ہے بیٹا کون کر سکتا ہے یہ سب کچھ۔"

امی کے کہنے پر وہ چونک اٹھی اور چائے کا کپ اٹھا کر لبوں سے لگایا۔

"کوئی تو ہے، اتنے برسوں میں کبھی ایسی غلطی مجھ سے سرزد نہیں ہوئی، کہاں پچیس لاکھ اور کہاں دو کروڑ پچاس لاکھ کتنا بڑا فرق ہے دونوں رقوم میں میں کس طرح شکیل سنز کو پچیس لاکھ کی جگہ کروڑوں کا بل پے کروں گی اگر واقعی یہ میری غلطی ہے تو میں کس طرح ایسا کر گئی۔ دردانہ کا کہنا ہے کہ یہ حرکت ژالے یا رومانہ میں سے کسی کی ہے۔ میرے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ ژالے کو پتا ہے۔ پر وہ تو میرے کیبن آئی بھی نہیں تھی۔" وہ سوچتے ہوئے سنبھل سنبھل کر بول رہی تھی۔

اس نے دماغ پر زور ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اسے یاد تھا کہ دردانہ نے ژالے کے مطابق اس سے کیا کچھ کہا تھا۔ ژالے کو اس نے بہت اچھی طرح سب کچھ بریف کر دیا تھا لیکن اگر یہ واقعی اس کی

شرارت تھی تو اس نے ایسا کیوں کیا۔ کیا واقعی سر کفیل آفس میں ماڈرن لڑکیوں کو اپائنٹ کرنا چاہتے ہیں۔ پر ژالے اگر اس کی دشمن تھی تو اس نے اسے پارٹی میں کیوں انوائٹ کیا تھا۔ شکر ہی تھا کہ شرارت کرنے والے نے ایک ہی صفر پر بس کی تھی ورنہ اس کی کس قدر تذلیل کی جاتی۔

امی کو ادھر ادھر کی باتوں میں لگا کر وہ خود سوچتی ہوئی لاؤنج کی جانب آئی تب ہی اس کا سیل فون بجا۔ کوئی اجنبی نمبر تھا۔

"جی کون۔"

"ارے منی، میں سیفی کیسی ہو بھئی؟" ان کی آواز کے پیچھے شور تھا۔

"جی سیفی بھائی! میں ٹھیک ہوں بولیے۔" شور کے باعث اسے اونچا بولنا پڑا۔

"ارے بھئی میں تمہیں ویڈیو کال کرنا چاہ رہا تھا وہ دراصل آج تمہارے سابقہ آفس کی ڈیمالیشن کا کام چل رہا ہے تم دیکھنا چاہو گی۔"

اسے اپنی سماعت پر یقین ہی نہ آیا اس کے آفس سے نکالے جانے کے محض ایک ہفتے بعد ہی آج اس آفس کو گرایا جا رہا تھا۔ وہ قدرت کے اس رخ پر حیران تھی۔ اسی دوران کال کٹ گئی اس نے سیفی کو کال کرنے کی کوشش بھی نہ کی۔ ماضی ایک فلم کی ریل کی مانند چل رہا تھا، آنکھوں سے آنسو بے اختیار چلے جا رہے تھے کفیل سر کے اس قدر ہتک آمیز رویے پر بھی اس کے دل سے اپنے آفس کے لیے کوئی بددعا نہ نکلی تھی پر آج سب کچھ کیسے پلٹ ہو گیا تھا۔

"کنزیٰ، کنزیٰ، ادھر دھوپ میں کھڑی کیا کر رہی ہو۔"

کومل کے پکارنے پر وہ اپنے خیالات کی منجمد حار سے نکلی تھی۔

☆☆☆

وہ درمیانی قد و قامت کا شخص ہاتھ میں چھڑی لیے نجانے کہاں سے پیدل چلتا چلا آ رہا تھا۔ دھوپ کی شدت اپنے جوبن پر تھی جیسے اس کی راہ میں رکاوٹ ہی نہ تھی بس چلے جا رہا تھا۔

اس کے ساتھ روڈ پر ٹریفک رواں دواں تھا۔ بس، ٹیکسی، چنچی، ویگن ہر طرح کا ٹرانسپورٹ سڑک پر دستیاب تھا پر شاید اس کے وسائل مقدور تھے وہ اس شخص کو دیکھے جا رہی تھی۔

مال کی دوسری منزل پر بنے اس ریسٹورنٹ میں آئے ابھی اسے بیس منٹ ہی گزر رہے تھے، یہ انتظار کس قدر طویل محسوس ہوتا وگرنہ اس شخص پر اس کی نظر نہ پڑتی۔ پتا نہیں کہیں ملازمت کی غرض سے جا رہا تھا یا کسی کام سے، اے سی کی ٹھنڈک اور شیشے کی وسیع دیواریں دھیما بجتا ہوا میوزک اور کھانوں کی اشتہا انگیز خوشبو، ماحول میں جیسے سکون ہی سکون تھا اور وہ شخص، اس کی سوئی بار بار وہیں اٹک رہی تھی۔

"سوری ڈیئر، تمہیں ویٹ کرنا پڑا۔"

ژالے کی آواز پر اس نے گردن موڑی اس کے گلابی چہرے پر تھکن اور پسینے کی بوندیں نمایاں تھیں۔ بڑی بڑی روشن آنکھیں مسکرا رہی تھیں اس کے سیاہ گھنگھریالے بالوں میں براؤن سن گلاسز اٹکا ہوا تھا سفید کھلے پائنچوں والا ٹراؤزر اور مردانہ براؤن شرٹ پر وہ ہمیشہ کی طرح سوئٹ لگ رہی تھی۔

آج وہ ایک جگہ انٹرویو کے لیے گئی تھی، تب ہی راستے میں ژالے کی کال آئی تھی وہ اس سے ملنا چاہتی تھی کنزیٰ نے ٹالنے کی کوشش کی تھی پر وہ بضد تھی۔

"اچھا سا کھانا منگواتے ہیں۔ بڑے زور کی بھوک لگی ہے۔"

"ژالے! مجھے بالکل بھوک نہیں ہے کیا میں جان سکتی ہوں کہ تم نے مجھے بلایا کیوں تھا۔"

وہ ژالے کے رویے پر حیران تھی کہاں فون پر پیچھے ہی پڑ گئی تھی اور اب۔

"پیٹ پوجا بھی تو ضروری ہے نا۔" وہ گریزاں کیوں ہے۔ حیرت انگیز رویہ۔

"نہیں ژالے، پہلے مجھے یہ جاننا ہے کہ تم نے مجھے کیوں بلایا تھا میں تو اپنا سارا پلان چھوڑ کر دوڑی چلی آئی۔" کنزیٰ واقعی پریشان تھی۔ ژالے نے اپنا

شیشوں کے کام والا بیگ میز پر رکھا اور ایک گہری سانس بھری۔ اس کے چہرے پر اضطراب کی سی کیفیت جھلک رہی تھی۔

"مجھے تم سے سوری کرنا ہے میں غلط تھی کنزیٰ میں۔ میں اس کی باتوں میں آگئی تھی۔ آئی فیل گلٹی۔ مجھے نیند نہیں آتی آئی سیور میں اس کی باتوں میں آگئی تھی۔"

اس کے بے ربط جملے الجھی سانسیں، کنزیٰ ہونق بنی تھی۔

"تم پلیز کھل کر بات کرو آرام سے پہلے پانی پیو۔"

کنزیٰ نے پانی کی بوتل اس کی جانب بڑھائی۔ ژالے نے جھٹ بوتل تھامی اور غٹاغٹ چڑھالی۔ اب ذرا اس کی حالت بہتر ہوئی تھی۔ کنزیٰ کی نگاہیں اس پر جمی تھیں اور دل بڑی زور سے دھڑک رہا تھا۔

"میں بہت شرمندہ ہوں کنزیٰ! تم نے مجھے اتنی محبت سے سب کچھ سمجھایا تم نے بہت دل سے سب کچھ کیا۔ میرے لیے۔ صرف میرے لیے کیا۔ تم اتنی نائس ہو کہ تمہیں کوئی بھی آسانی سے چیٹ کرسکتا ہے۔"

اس نے ایک بار پھر بوتل منہ سے لگائی۔

"میں تمہیں چیٹ نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن میں مجبور ہوگئی تھی اسود نے مجھے مجبور کیا تھا کہ میں تمہارے کام میں اس طرح کی گڑبڑ کروں کہ تمہاری ریپوٹیشن خراب ہو اور کسی پر شک بھی نہ ہو۔"

"اسود نے مجبور کیا تھا۔" اسے لگا کہ جیسے اسے سننے میں غلطی ہوئی ہے۔ "ہاں کنزیٰ، اسود تم سے ناراض تھا شاید اس کو تم نے ڈانٹ دیا تھا وہ بہت غصہ ہوا تھا اس نے مجھ سے چالاکی سے بیٹ کی اور میں اس کی چال میں آگئی میں بیٹ جیت گئی اور تم ہار گئیں میں نے صرف ایک صفر بڑھایا اور میں جیت گئی۔ صرف پانچ ہزار کی بیٹ پر تم نے اپنی جاب، ریسپکٹ ہار دی۔"

اسے لگا کہ جیسے اس کے جسم کا سارا خون چہرے پر جمع ہوگیا ہے۔ جسم دہک سا رہا تھا وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"صرف پانچ ہزار روپے کی شرط" اس کی نگاہیں کسی غیر مرئی نقطے پر جم سی گئی تھیں وہ بڑبڑا رہی تھی۔

"تم جانتی ہو، آفس کی ڈیمالیشن کا نوٹس چھ مہینے پہلے ہی آچکا تھا پر یہ کیس ہمیشہ دب جاتا تھا لیکن تمہارے نکالے جانے کے بعد ہی صرف سات دن کے اندر اندر وہاں سب خاک ہوگیا۔ وہ تمام کرپشن جو بھی کھل کر آہی نہ سکی تھی سب سامنے آگئی۔ سارا بزنس ٹھپ ہوگیا ایک کے بعد ایک وار وہ بھی اتنا شدید۔"

ژالے کو اب بھی اپنے حلق میں کچھ پھنستا محسوس ہورہا تھا۔ کنزیٰ اب بھی اپنے حواسوں میں لوٹ نہ سکی تھی۔ اسود کا ہیولا سا ابھرا تھا۔ ہنستا مسکراتا شوخ سا اسمارٹ لڑکا، جو عمر میں اس سے چھ برس چھوٹا تھا جو اس سے سب کچھ اگلوالیا کرتا تھا۔ شاید تمہیں محبت بھی تھی یا نہیں۔ نہیں کبھی نہیں۔ اس نے تمہیں یوز کیا، دردانہ کی بات ذہن میں چکرانے لگی تھی پر اس ذرا سی بات کا اتنا شدید ردعمل، اسے چکر سا آیا اس نے جلدی سے کرسی کی بیک مضبوطی سے تھامی۔

"آئی ایم رئیلی سوری کنزیٰ، میں نہیں جانتی تھی کہ وہ ایک صفر تمہیں اتنا ہرٹ کرے گا کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ تم اس طرح کی غلطی کرسکتی ہو سب ہی سر نقیل کو برا بھلا کہہ رہے تھے پر دیکھو کیا ہوا ان پر بھی کرپشن کے کتنے کیس کھل گئے یہ سب تمہارا بدلہ ہے۔ بددعا ہے تمہاری سب ہی کہہ رہے تھے۔"

وہ بغور اس کا چہرہ تک رہی تھی پڑھنے کی ناکام کوشش کنزیٰ نے اپنے دھڑکتے دل پر قابو پایا اور دھپ سے کرسی پر بیٹھ گئی۔ ژالے نے پانی کی بوتل اس کی جانب بڑھائی اس نے بمشکل گھونٹ پیا۔

"میرے دل پر سے بوجھ سا اترا ہے کنزیٰ

،اس بوجھ کو میں ساری زندگی کیری نہیں کر سکتی تھی میں نے ابھی دنیا دیکھنا ہے پر زندگی کے بگنگ اسٹیپ پر ہی اتنی چیٹنگ ......نو۔"

کنزیٰ نے اس کی جانب دیکھا ایک سکون سا اترا تھا اس پر جیسے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ مسکرا دی۔

"تم نے بالکل ٹھیک سوچا ژالے ،زندگی کے ابتدائی دور یادگار ہوتے ہیں سبق آموز ہوتے ہیں اپنے لیے بھی اور دوسروں کے لیے بھی، میں نے بھی عام لڑکیوں کی طرح عملی زندگی میں قدم رکھا۔ لیکن چیٹنگ کی بنیاد پر کچھ نہیں کیا۔ اور تم کو بھی میں یہ ہی ایڈوائس کروں گی کہ چیٹنگ سے سب کچھ مل سکتا ہے پر دل کا سکون نہیں۔ تمہارا شکریہ تم نے یہ سب بتا کر مجھے الوژن سے نکالا۔"

"الوژن......"اب کی بار ژالے نے ذرا حیرت سے اسے دیکھا۔

"خیر جانے دو تمہیں بھوک لگی تھی ناں چلو کھانا منگاتے ہیں۔"

"اوکے پر بل میں پے کر دوں گی۔" ژالے کھل کر مسکرائی تھی ،اتنے دنوں سے طبیعت پر جو اضطراب کی سی گھٹا تھی وہ اب چھٹ چکی تھی۔

☆☆☆

زندگی کے روپ ہزار اور ان ہزاروں چہروں کے پیچھے اصل کیا اور نقل کیا۔ کوئی بھی وثوق سے کسی چہرے کے بارے میں نہیں کہہ سکتا تھا کب نقاب الٹتے ہی کوئی اور چہرہ نکل آئے۔ اسود کا چہرہ بھی ان ہزاروں لاکھوں مصنوعی چہرہ رکھنے والوں میں سے تھا جو اپنی معصومیت سے انسانوں کو لوٹتے تھے ان کا استعمال کرتے ہیں۔ ان چند مہینوں میں ہی اسے بھی خبر ہی نہ ہوئی تھی کہ وہ اس کی معصومیت کا شکار بنی تھی۔ یہ شاید اس کا اپنا ہی کوئی نیک عمل تھا کہ جس نے اسے پاتال کی اتاہ میں گرنے سے بچا لیا تھا۔ وہ اب سوچتی تو لرز کر رہ جاتی بے غیرتی ، بدنامی اور رسوائی اس کے دامن میں گرتے گرتے رہ گئی۔

☆☆☆

اور پھر اس کی زندگی کا ایک خوب صورت دور شروع ہوا۔ سیفی اس شام اکیلے نہیں آئے تھے ان کے ساتھ ان کی امی اور منزہ آپا بھی تھیں۔ امی اس شام بہت مسرور تھیں۔ سیفی ان کی ہمیشہ سے ہی پسند تھا پر کنزیٰ کے لیے اس کا رشتہ تو جیسے بن موسم کی بارش کی مانند تھا۔ منزہ آپا بھی بہت خوش تھیں تنویر بھائی کے ساتھ گزارے اتنے برس اب ان کے صبر کے پھل کی مانند سیفی کی صورت میں مل رہا تھا۔ سیفی کی والدہ ہاجرہ چچی نے کھل کر ان کے صبر و استقامت کا اعتراف کیا تھا۔

"آپ کی دونوں بیٹیاں تو ہیرا ہیں۔ منزہ تو ایسی ہے کہ اس نے جس طرح میرے بیٹے کو سنبھالا، میں ماں ہو کر بھی شاید ہمت ہار دیتی پر اس نے میرے دونوں پوتوں کی تربیت بہت اچھی طرح ،ایسے کی اس بچی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔"

منزہ آپا کی تو مسکراہٹ جیسے لبوں سے چپک گئی تھی۔

جھٹ منگنی پٹ بیاہ والی بات تھی پھر کومل کی ڈلیوری کی وجہ سے شادی کچھ مہینے بعد رکھی گئی تھی۔ وہ خوش تھی سیفی کی صورت، اسے ایک پر خلوص ساتھی مل رہا تھا۔

کومل خوشی خوشی اس کی شادی کی تیاریوں میں مگن تھی ان سب میں دن اتنی سرعت سے گزرے کہ وقت کا پتا ہی نہ چلا۔ خدا نے کومل کو ایک پیارے سے بیٹے کی نعمت سے نوازا تھا۔

یہ کومل ہی کی ضد تھی کہ اس نے فیس بک پر کسی اچھے برانڈ کا ابٹن دیکھ کر شور مچا دیا تھا کہ اسے کنزیٰ کے لیے اس برانڈ کا ابٹن منگوانا، گو ابھی شادی میں پورے پندرہ دن باقی تھے لیکن اس کے مستقل استعمال سے رنگت اور جلد پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے کنزیٰ کے نہ نہ کرنے کے باوجود اس نے آرڈر دے ڈالا تھا۔

"دیکھ لینا سیفی تمہیں دیکھتے ہی اپنے ہوش کھو بیٹھے گا۔"

کومل کی اس بات پر اس نے اپنا سر ہی پیٹ لیا۔

"توبہ ہے یار! سوچ لو ایک بار ۔۔۔ پھر کہیں سچ مچ وہ بے ہوش ہی نہ ہو جائیں پھر منزہ آپا کی باتیں سننا پڑیں گی۔"

دونوں کے قہقہے ایک ساتھ ابھرے تھے تب ہی ڈور بیل بجی، منے میاں نے اپنے کپڑے بھگو لیے تھے کومل اس کے کپڑے تبدیل کرنے لگی لہٰذا کنزیٰ کو ہی جانا پڑا۔ ڈیلیوری بوائے منتظر کھڑا تھا اس نے جلدی سے ابٹن کا پیکٹ پکڑا اور سائن کر کے اسے پیسے پکڑائے کہ اچانک، اس کی نظر اٹھی اور وہ شاکڈ رہ گئی۔

"اسود...... تم" اسود تو اسے پہلی نظر میں ہی پہچان چکا تھا۔ نکھرا چہرہ جو اے سی کی ٹھنڈک میں کھلا کھلا رہتا تھا اب ساری دوپہر آگ برساتی دھوپ میں بائیک پر چند سو کی ڈلیوریاں پہنچاتا۔ وہ ندامت کے قطرے تھے یا اس دن گرمی کی شدت ہی پورے عروج پر تھی۔

"آپ کیسی ہیں مس کنزیٰ۔" اس کے حلق سے بمشکل ادا ہوا تھا۔

"اچھی ہوں، بہت شکر ہے میرے رب کا۔" ماضی کا صفحہ تو کب کا پھٹ چکا تھا۔ اس نے گیٹ بند کرنا چاہا تب ہی اس نے اس کے بقایا پیسے اس کی جانب بڑھائے۔

"یہ بقایا پیسے۔" اسود کے ہاتھ لرزے تھے۔

"ٹپ سمجھ کر رکھ لو۔" اس نے ایک گہری سانس لی وہ مزید رکنا نہیں چاہتی تھی کہ اس کی آواز نے اس کے قدم روک لیے۔

"دینا ہی چاہتی ہیں تو دعا دے دیں۔" گلوگیر آواز ابھری تھی۔

"اب کیا چاہتے ہو تم مجھے برباد کرنے میں تو بہت آگے تھے ناں پھر اب مجھ سے دعا کیوں طلب کر رہے ہو؟" وہ اس کی جانب پلٹی گو اندر غصہ ابلا تھا پر چہرہ پرسکون تھا۔

"دعا دوں گی تمہیں کیونکہ تم نے مجھے بہت کچھ سکھایا ہے اسود۔ تم نے مجھے سکھایا ہے کہ اگر زندگی میں آپ کو کچھ نہیں مل رہا تب بھی آپ غلط راستہ نہ اختیار کریں کیونکہ غلط راستہ بربادی کی طرف لے جاتا ہے اور تمہارے ایک صفر نے تمہیں غلط اور مجھے صحیح سمت بتا دی۔ ثرالے نے مجھے سب بتا دیا تھا۔" اس نے دیکھا اسود کی مضمحل آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔

"تمہیں نیک ہدایت کی دعا دیتی ہوں۔"

"ارے یار، کیا گیٹ پر چپک گئی ہو تمہارا فون کب سے چلا رہا ہے۔"

کومل کی آواز پر وہ چونکی اور ایکسکیوز می کہہ کر گیٹ بند کر گئی۔ سیفی کو اس کی چوڑیوں کا سائز چاہیے تھا اور امی نے اس کے کھسوں کو تبدیل کروانا تھا۔ اتنے سے دنوں اب بھی بہت سے کام نبٹانا تھے۔ کومل کی تیاریاں ابھی بھی ادھوری، صالحہ آپا اور ان کی بیٹی کے کپڑوں کی میچنگ کی جیولری تو جیسے بازار سے اڑ گئی۔

سب سے خوشی کی بات یہ تھی کہ تنویر بھائی منزہ آپا کے ساتھ، بڑھ چڑھ کر اپنے بھائی کی بری اور شادی کی تقریبات کی تیاری میں حصہ لے رہے تھے۔

زندگی کتنی خوب صورت ہے۔ اس کے سارے رنگ تو جیسے اس کی مٹھی میں سمٹ آئے تھے اس کی مہندی کا رنگ بھی کتنا گہرا آیا تھا۔

"کہتے ہیں کہ دلہن کی مہندی کا رنگ جتنا گہرا ہوتا ہے اس کا ساتھی اس سے اتنا ہی زیادہ پیار کرتا ہے۔" سیفی نے اس کے حنائی ہاتھ تھام کر بڑے دلار سے اسے دیکھتے کہا تھا۔

"اور یہ ساتھی تو اپنی بیوی کی پہلی زوردار ٹکر پر ہی دل ہار بیٹھا تھا۔" شادی کے دوسرے ہی دن ان کے اس انکشاف پر وہ بے اختیار ہنس پڑی تھی۔ اور سیفی کے بھی قہقہے بلند ہو چلے تھے وہ دل سے اپنے رب کی نعمتوں کی شکر گزار تھی۔

☆☆

جو محفل سے ان کے نکالے ہوئے ہیں
غمِ دو جہاں کے حوالے ہوئے ہیں

ذرا تیرے گیسو جو بکھرے ہیں رُخ پر
اندھیرے ہوئے ہیں اُجالے ہوئے ہیں

ترے وصل کی آرزو توبہ توبہ
یہ ارمان دل سے نکالے ہوئے ہیں

یہ کون آرہا ہے کہ سب اہلِ محفل
متاعِ دل و جاں سنبھالے ہوئے ہیں

فسانہ ہے دل جن کی بے مہریوں کا
وہی دردِ دل سے والے ہوئے ہیں

بڑا صاف تھا راستہ زندگی کا
تری زلف نے پیچ ڈالے ہوئے ہیں

یہاں سیف ہر دن قیامت کا دن ہے
وہ کس حشر پر بات ٹالے ہوئے ہیں

سیف الدین سیف

ہوئے ہیں شکستہ ابھی اعصاب، لگی شرط
میں توڑنے والی ہوں سبھی خواب، لگی شرط

اے شام کے بھٹکے ہوئے ماہتاب سنبھل کر
ہے گھات میں بستی کا یہ تالاب، لگی شرط

اچھا تو وہ تسخیر نہیں ہوتا کسی سے
یہ بات ہے تو آج سے احباب، لگی شرط

پھر ایک اسے فون میں رو رو کے کروں گی
پھر چھوڑ کے آجائے گا وہ جاب، لگی شرط

اس شخص پہ بس اور ذرا کام کروں گی
سیکھے گا محبت کے وہ آداب، لگی شرط

جو دُکھ کی رُتوں میں بھی ہنسی اوڑھ کے رکھیں
ہم ایسے اداکار ہیں نایاب، لگی شرط

جب چاہوں تجھے توڑ دوں میں کھول کے آنکھیں
اے چشمِ اذیت کے بڑے خواب! لگی شرط

کومل جوئیہ

اسے ہماری کہانی، ساگا کے نام

حاصل گفتگو

ایک ڈاکٹر اپنی مریضہ کا ذہن اس کے ہونے والے آپریشن سے ہٹانے کے لیے اس سے مہنگائی کے متعلق بات چیت کر رہا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا کہ
"میری بیٹی کی شادی ہونے والی ہے اور میرے بیٹے کا کالج میں داخلہ ہوا ہے تو مجھ پر بڑا مالی بوجھ آ پڑا ہے۔"
آخر میں چلتے چلتے ڈاکٹر نے اس سے پوچھا۔
"ان شاء اللہ کل آپ سے آپریشن تھیٹر میں ملاقات ہوگی، آپ کوئی سوال تو نہیں کرنا چاہتیں۔"
"صرف ایک سوال، میں کس چیز کے پیسے دے رہی ہوں، شادی کے یا داخلے کے؟" مریضہ نے پوچھا۔

ترکیب استعمال

اردو کے ایک معروف شاعر کو گفتگو کے دوران اپنے ہر جملے میں انگریزی کا کوئی نہ کوئی لفظ ٹانکنے کی عادت تھی۔ وہ جب بھی انگریزی کا کوئی لفظ سنتے تو فوراً اپنے کسی ساتھی سے اس کے معنی پوچھ لیتے۔ ایک دن دوران گفتگو لٹریچر کا لفظ سنا تو فوراً اپنے ساتھی سے پوچھ بیٹھے۔ "یار یہ لٹریچر کے کیا معنی ہیں؟"
ساتھی نے جواب دیا۔ "ادب"
اس شام کافی ہاؤس میں مولانا چراغ حسن حسرت نے شاعر مذکور سے کہا۔
"عزیزم! سنا ہے تم میرے بارے میں بڑی بک بک کرتے رہتے ہو۔"
"مولانا! یہ کیسے ہوسکتا ہے، میں تو آپ کا بے پناہ لٹریچر کرتا ہوں۔"
لٹریچر کی یہ ترکیب استعمال سن کر مولانا دم بخود ہو گئے۔

وجہ

ایک صاحب نئے نئے سیاست کے میدان میں داخل ہوئے تھے وہ ڈاکٹر کے پاس گئے اور کہا "جب میں تقریر کرتا ہوں تو میری زبان تالو سے چپک جاتی ہے اور ہونٹ کانپنے لگتے ہیں۔"
ڈاکٹر نے جواب دیا۔ "یہ کوئی بیماری نہیں نیا نیا جھوٹ بولتے وقت ایسا ہی ہوتا ہے۔"

جھوٹ

ایک مقرر جھوٹ کے موضوع پر لیکچر دے رہا تھا لیکچر کے بعد مقرر نے حاضرین سے پوچھا۔ "آپ میں سے کس کس نے میری کتاب کا نواں باب پڑھا ہے۔"
تقریباً تمام حاضرین نے ہاتھ کھڑے کر دیے۔ یہ دیکھ کر مقرر نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"میں نے صحیح لوگوں کے سامنے تقریر کی ہے کیوں کہ اس کتاب کے آٹھ باب ہیں۔"

غائب دماغ

ایک غیر حاضر دماغ پروفیسر اپنے ایک ڈاکٹر دوست کے گھر گئے اور دو تین گھنٹے اس کے ساتھ گپ شپ کرتے رہے۔ جب رخصت ہونے لگے تو ڈاکٹر نے پوچھا۔
"گھر میں تو سب خیریت ہے نا؟"

پروفیسر صاحب گھبرا کر بولے ''ارے خوب یاد دلایا، تمہاری بھابھی کو دل کا دورہ پڑا ہے جلدی پہنچو۔''

مارا گیا

آخری سالی کی شادی بھی اسی ماہ آگئی
میں ابھی سنبھلا کہاں تھا عید نپٹانے کے بعد
میری پیاری عید، میں تو دو دفعہ مارا گیا
اک تیرے آنے سے پہلے اک تیرے جانے کے بعد

خوش فہمی

ایک خاتون تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے جارہی تھیں کہ ایک ٹریفک کانسٹیبل نے انہیں روک کر مہذب لہجے میں کہا۔
''محترمہ! نیچے اتریں، بہت دیر سے میری نظریں آپ پر تھیں۔''
خاتون نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ''اوہ! میں سمجھی آپ نے مجھے تیز ڈرائیونگ کی وجہ سے روکا ہے۔''

مایوسی

ایک صاحب نے اپنے دوست سے پوچھا۔
''اگر آپ نئی کار خرید لیں تو آپ کی بیگم کا ردعمل کیا ہوگا؟''
''یہی کہ کیا آپ کو سگنل نظر نہیں آرہا، ارے ارے بریک آہستہ لگائیں، موڑ آہستہ کاٹا کریں، یہ آج آپ اندھوں کی طرح گاڑی کیوں چلا رہے ہیں۔ وہ دیکھیں سامنے سے بس آرہی ہے وغیرہ وغیرہ۔'' دوست نے منہ بسور کر جواب دیا۔

تکلیف

پانی کا نل خراب ہوگیا خاتون خانہ نے پلمبر کو فون کیا کہ جلدی سے آکر نل درست کردے کیوں کہ پانی بہہ رہا ہے۔ کافی دیر بعد پلمبر آیا اور بولا۔
''محترمہ مجھے افسوس ہے کہ میں لیٹ آیا ہوں لیکن مجھے امید ہے کہ نل کے ٹوٹنے سے آپ کو کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی ہوگی۔''
خاتون نے مسکرا کر کہا۔ ''بھائی مجھے کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی میں اس دوران صرف اپنے بچوں کو تیرنا ہی سکھاتی رہی ہوں۔''

دیر

بیوی شوہر سے پوچھتی ہے۔ ''تم مجھ سے کتنا پیار کرتے ہو؟''
شوہر کہتا ہے۔ ''شاہ جہاں جتنا۔''
''بیوی: شاہ جہاں نے تو اپنی بیوی کے مرنے کے بعد اس کی یاد میں تاج بنوایا تھا کیا تم بھی میرے لیے تاج محل بنواؤ گے؟''
شوہر جواباً بولا۔ ''میں نے تو پلاٹ بھی لے لیا ہے تم ہی دیر کر رہی ہو۔''

بے بی

خلع کے ایک کیس میں وکیل صفائی نے خاتون خانہ سے پوچھا۔
''محترمہ ایک اطلاع کے مطابق یہ آپ دونوں کی پسند کی شادی ہے۔''
''ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' خاتون نے اعتراف کیا۔
''تو پھر کیا وجہ تھی کہ ایک سال بعد ہی نوبت یہاں تک پہنچ گئی؟'' وکیل صفائی نے حیرت سے پوچھا۔
''ایک سال تک تو سب ٹھیک تھا مگر اچانک بے بی کے آنے سے ساری گڑبڑ ہوئی۔'' خاتون نے کہا۔
''آپ کا بے بی کتنے ماہ کا ہے۔'' وکیل صفائی نے اگلا سوال کیا۔
''ماہ کا نہیں وکیل صاحب! پورے اکیس سال کی سنہری آنکھوں والی خوب صورت لڑکی ہے۔ جس کی فیملی کچھ عرصہ قبل ہمارے سامنے گھر میں شفٹ ہوئی ہے۔'' خاتون غصے سے چلائی۔

☆☆

واصفہ سہیل

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

سلمیٰ حیدر.......پنڈی

روح کسی کو، جسم کسی کو سونپ گیا
وقت نے میرے ساتھ بڑی فنکاری کی

انعم.......کراچی

کچھ موسموں کا زعم تھا کچھ تھا غرور ضبط بھی
تیرے فراق میں مگر ہم آنسوؤں سے رو دیے
کتنا بدل گیا ہے وہ، لہجہ ہی اس کا دیکھ لو
طعنے نئے نئے دیئے، نشتر کئی چبھو دیے

ہما الطاف.......دبئی

دل کی بات لبوں پہ لا کر اب تک ہم دکھ سہتے ہیں
ہم نے سنا تھا اس بستی میں دل والے بھی رہتے ہیں
ایک ہمیں آوارہ کہنا کوئی بڑا الزام نہیں
دنیا والے دل والوں کو اور بہت کچھ کہتے ہیں

نورین مہک.......پشاور

ہوا کے دوش پہ رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم
جو بجھ گئے تو ہوا سے شکایتیں کیسی
نہ صاحبان جنوں ہیں نہ اہل کشف و کمال
ہمارے عہد میں آئیں کثافتیں کیسی

ناظمہ احمد.......حیدرآباد

ہم اگر منزلیں نہ بن پائے
منزلوں تک کا راستہ ہو جائیں
عشق بھی کھیل ہے نصیبوں کا
خاک ہو جائیں کیمیا ہو جائیں

سعدیہ.......لاہور

جانے کس حال میں ہم ہیں کہ ہمیں دیکھ کے سب
ایک پل کے لیے رکتے ہیں، گزر جاتے ہیں

مدیحہ فخر.......امریکہ

تم نے تو پھر بھی سیکھ لیا دنیا کا چال چلن
ہم تو کچھ بھی نہ کر سکے تجھ سے محبت کے سوا

نورین.......کوئٹہ

پھر کیا یہاں میرے ہونے کا جواز
گر نہیں کوئی منتظر میرا

نمرہ اقراء.......کراچی

یہ میں بھی کیا ہوں، اسے بھول کر اسی کا رہا
کہ جس کے ساتھ نہ تھا، ہم سفر اسی کا رہا
ہزار چارہ گروں نے ہزار باتیں کیں
کہا جو دل نے سخن معتبر اسی کا رہا

زرناب خان.......کراچی

چلتا تھا کبھی ہاتھ تھام کر جس پر
کرتا ہے بہت یاد وہ رستہ اسے کہنا
امید وہ رکھے نہ کسی اور سے فراز
ہر شخص محبت نہیں کرتا اسے کہنا

اریبہ.......کراچی

بند ہاتھوں کا مقدر تھیں سب ہی کرنیں مگر
سارے جگنو اڑ گئے، دیکھا جو مٹھی کھول کر
شہر والے جھوٹ پر رکھتے ہیں بنیاد خلوص
مجھ کو پچھتانا پڑا محسن یہاں سچ بول کر

ربیعہ واجد.......دبئی

کتنے انجان ہیں سر شام ہی سو جاتے ہیں
میری آنکھوں سے میری نیند چرانے والے

شگفتہ جاہ

حرف سے حرف تک
یادوں کے جگنو

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

”جس سے علم کی کوئی بات دریافت کی گئی، پھر اس نے اسے چھپایا، اسے قیامت کے دن آگ کی لگام دی جائے گی۔“

(سنن ابن ماجہ)

شہر کی ویرانی کا باعث

خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمتہ اللہ کے کسی حاکم نے اپنے شہر کی ویرانی کا شکایت نامہ بھیجا اور امیر المومنین سے اس کو آباد کرنے کے لیے مال طلب کیا۔

امیر المومنین نے اس کو جواب میں لکھا۔

”جب تم میرا خط پڑھو تو اپنے شہر کو عدل وانصاف کے ذریعے محفوظ کر دو اور شہر کے راستوں سے ظلم وزیادتی ختم کر دو کیونکہ ظلم وزیادتی ہی شہر کی ویرانی کا باعث ہے۔“

سنہرے موتی

☆ سچا دوست وہ ہے جو تمہیں اللہ کی طرف لے جائے نہ کہ دنیا کی محبت میں ڈبو دے۔

☆ محبت کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ تم اپنے دوست کی خوشی میں اپنی خواہش بھول جاؤ۔

☆ سچا دوست ملے تو رب ملتا ہے جھوٹے دوست کی محبت میں دنیا بھی چلی جاتی ہے۔

☆ دوستی ایک آئینہ ہے۔ جس میں تم اپنا اصل روپ دیکھ سکتے ہو۔

☆ دوستی کی بنیاد رکھو تو اللہ کو مدنظر رکھو، ورنہ یہ رشتہ مٹی کی دیوار کی طرح گر جائے گا۔

☆ دوست وہ جو تمہاری برائی کو بھی اچھائی میں بدل دے اور تمہاری خاموشی کو بھی سمجھ لے۔

☆ جس دوستی میں میرا اور تیرا ہو وہ دوستی نہیں تجارت ہے۔

☆ جب آپ کسی کے راستے میں روشنی کرتے ہیں تو آپ کا اپنا راستہ بھی روشن ہو جاتا ہے۔

اچھے لوگوں کی نشانی

وہ جلد ہی جذباتی ہو جاتے ہیں، چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لیتے ہیں اور جلدی رو کر دل صاف کر لیتے ہیں اندر کچھ نہیں رکھتے۔ یہ خوبیاں کسی منافق میں نہیں پائی جاتیں۔ ایسے لوگ رشتوں کو دل سے نبھاتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے تعلق کسی نعمت سے کم نہیں ہوتا۔

اندرونی سکون

اسد بارہ سال کا تھا اور دادا جی کو بہت عزیز تھا۔ دادا جی اکثر اسے چھوٹی چھوٹی باتوں میں زندگی کے بڑے بڑے سبق دیا کرتے۔

ایک دن دادا جی اسے ایک بہت پرسکون اور خوب صورت جھیل کے کنارے لے گئے۔ ہر سو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لوگوں کے بیٹھنے کے لیے بنچ نصب تھے۔ وہ دونوں بھی ایک خالی بنچ پر بیٹھ گئے۔

اچانک دادا جی نے اسد سے کہا۔

”بیٹا! ایک کنکر پانی میں پھینکو۔“

اسد نے قریب پڑا ایک پتھر اٹھا کر اس جھیل میں پھینکا تو وہ بولے۔ ”اسد پانی میں بننے والی ان لہروں کو غور سے دیکھو۔“

کچھ وقفے بعد دادا جی کہنے لگے۔ ”تمہاری

[illegible] ہے، اسد!"

انہوں نے مزید کہا: "تم بھی اس طرح اپنی زندگی میں بہت سی پھلجھڑیں اڑاتے ہو۔ جو کچھ بھی تم اپنی زندگی کے دائرے میں رہ کر کرتے ہو۔ اس کے اثرات دوسروں کی زندگی کے دائروں پر بھی پڑتے ہیں۔ لہٰذا ہمیشہ ایسے جینے کی کوشش کرو کہ تمہارے دائرے سے نکلنے والے دائرے دوسرے دائروں میں خوشی، طمانیت اور امن وسکون لے کر آئیں۔ جس قسم کی لہریں تمہاری حرکت سے پیدا ہوں گی وہی دوسروں میں بھی منتقل ہوں گی۔ یعنی جو لہریں بدگمانی، حسد، جلن، غصے کی طرف سے آئیں گی وہ دوسروں کی زندگی میں بھی بدگمانی، حسد، جلن پیدا کریں گی اور جو لہریں سکون، اطمینان اور خوشی سے پیدا ہوں گی۔ وہ دوسروں کی زندگی کے دائروں میں بھی یہی کیفیات واحساسات منتقل کریں گی۔"

پھر انہوں نے اسد کی جانب غور سے دیکھا اور کہا۔

"اب یہ آپ کے اپنے اختیار میں ہے کہ آپ زندگی کو کیا دیتے ہیں۔ یقیناً آپ دنیا کو وہی دیں گے جو آپ کی اپنی ذات میں ہوگا۔ لہٰذا اگر آپ کسی کو ٹھیک کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے اپنی ذات میں وہ تبدیلی لائیں جو آپ دوسروں میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

اپنی زندگی میں سکون، اطمینان اور خوشی پیدا کریں باقی دنیا خود بخود آپ کے ساتھ ہو جائے گی۔

جواہر پارے

☆ تین چیزیں سخت ترین ہیں۔ جوانی میں مفلسی، سفر میں بیماری اور تنگدستی میں قرض۔

☆ عورت کا خاوند مرد اور مرد کا خاوند قرض ہے۔

☆ جس نے لوگوں سے جتنا میل میلاپ رکھا، اتنا ہی ان سے رنج دیکھے گا کیونکہ ان کی طبیعت میں بغاوت وظلم بھرا ہے۔

☆ جب تک قدرت وطاقت ہو احسان کر، کیوں کہ انسان کی قدرت ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔

☆ اگر آج کا رزق تجھ پر تنگ ہو جائے تو کل تک صبر کر شاید کہ زمانے کے مصائب تجھ سے دور ہو جائیں۔

☆ ایمان کا دشمن جھوٹ، عزت کا دشمن سوال، عقل کا دشمن غصہ اور دولت کا دشمن بدزبانی ہے۔

☆ حق گوئی پر الزام لگ سکتا ہے مگر اسے شرمندہ نہیں کیا جا سکتا۔

☆ تعلیم قابل قدر ہے لیکن اس سے کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہوتا، یہ انسان کو بولنا سکھاتی ہے لیکن یہ سبق نہیں دیتی کب اور کتنی دیر تک بولنا ہے۔

☆ کامیابی کا دارومدار آپ کی محنت یا دوسروں کی جہالت پر ہے۔

☆ قسمت کے متعلق یہی چیز پورے وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ یہ تفسیر پذیر ہے۔

☆ برداشت عقل مندی کا وہ صبر ہے جس کا مظاہرہ وہ جاہل آدمی کی باتیں سنتے وقت کرتا ہے۔

☆ تیز زبانی ایک ایسا آلہ ہے جو استعمال سے گھس کر اور بھی تیز ہو جاتا ہے۔

شعور کی اہمیت

ایک مرتبہ علامہ اقبال کے پاس ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا:

"اقبال صاحب! آپ نے شاعری میں مسلمانوں کو بہت جوش دلایا، پر خود تو سیاست میں عملی کردار نہیں نبھایا؟"

اقبال مسکرائے اور فرمایا:

"بیٹا، میں اگر خود ہتھیار اٹھاتا تو چند کو جگا پاتا، لیکن اگر میں شعور جگا دوں تو قوم خود بخود ہتھیار اٹھا لے گی۔"

پھر فرمایا۔

"قومیں نعرے سے نہیں کردار سے بنتی ہے۔"

☆☆

امتہ الصبور

تاریخ کے کچھ ورق سنے

مغل سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر نے ایک ایسی سلطنت کی بنیاد رکھی جس کی جڑیں دور دور تک پھیل گئی تھیں۔ تاریخ داں اسٹیفن ڈیل کے مطابق یہ طے کرنا مشکل ہے کہ بحیثیت بادشاہ بابر زیادہ اہمیت کا حامل ہے یا پھر بحیثیت شاعر و ادیب وہ قابل قدر ہے۔

بابر نے اپنی سوانح حیات جسے ''بابر نامہ'' یا تزک بابری کے نام سے جانا جاتا ہے اپنی زندگی کے ان ادوار کو بھی کھلے دل سے تحریر کیا ہے جن سے وہ چشم پوشی کر لیتا تو شاید آج کے دور میں ہم اس کے بہت سے کارناموں کو جان نہ پاتے کہ ناکامیوں سے گھبرا کر ہار مان لینا عقل مندی نہیں ہے کیونکہ بابر ہار ماننے والوں میں سے نہ تھا۔

بابر کا تعلق چنگیز خان کی چودھویں پشت سے تھا۔ بابر کی ابتدائی زندگی میں زاہدانہ رنگ نظر آتا ہے مگر گزرتے وقت نے شراب کی محفلوں کا عاشق بنا دیا۔ اپنی عادت کے بارے میں لکھتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ اس کے والد کو بھی شراب کی عادت تھی اور معجون بھی کھانے لگے تھے۔

بابر کی شراب سے توبہ کے متعلق لوگوں کا کہنا ہے کہ پانی پت کی لڑائی کے بعد اس کی فوج نصف رہ گئی تھی اور شکست سامنے نظر آ رہی تھی۔ اس لیے اس نے شکست کی ذمہ داری اللہ کی نافرمانی کو ٹھہراتے اس سے توبہ کر لی۔

تزک بابری میں وہ لکھتا ہے۔

''میں نے کابل سے شراب منگائی تھی اور بابا دوست سوجی اونٹوں کی تین قطاروں پر شراب کے مٹکے بھر کر لے آیا۔ اسی درمیان محمد شریف نجومی نے یہ بات پھیلا دی کہ اس وقت مریخ ستارہ مغرب میں ہے یہ نحوست کی علامت ہے اس لیے شکست یقینی ہے۔ اس بات نے میری فوج کے دل دہلا دیے۔

منگل کا دن تھا جمادی الثانی کی تیئس (23) تاریخ تھی۔ یکا یک خیال آیا کہ اللہ کو راضی کرنے کے لیے شراب سے سچی توبہ کر لوں۔

اس ارادے کے ساتھ میں نے شراب سے توبہ کر لی۔ شراب کے سب سونے چاندی کے برتنوں کو توڑ دیا اور جتنی شراب اس وقت چھاؤنی میں موجود تھی سب کی سب پھنکوا دی۔ شراب کے برتنوں سے جو سونا چاندی ملا اسے فقیروں میں تقسیم کر دیا۔ میرے اس کام میں میرے ساتھی عس نے بھی ساتھ دیا۔

بابر کی توبہ کی خبر جب اس کے ساتھی اور امراء کو ہوئی تو ان میں سے تین نے اسی رات توبہ کر لی۔ اونٹوں کی کئی قطاریں تھیں جن پر شراب کے لاتعداد مٹکے لدے تھے جنہیں کابل سے خاص طور پر منگوا لیا گیا تھا اس کو پھنکوانے کے بجائے اس میں نمک شامل کر دیا گیا تاکہ وہ سرکہ بن جائے۔ جس جگہ بابر نے توبہ کی تھی اور گڑھوں میں شراب انڈیلی گئی تھی وہاں ایک پتھر نصب کرایا گیا اور یادگار کے طور پر ایک عمارت تعمیر کرائی گئی۔

بابر کے سامنے رانا سانگا جیسا مضبوط حریف تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اسے کبھی کسی سے شکست نہیں ہوئی۔ شراب سے توبہ کے بعد بابر نے اپنی فوج کو جمع کیا اور ایک پر جوش تقریر کی جس میں اس نے اپنی فوج کو جب تک جان باقی ہے لڑائی جاری رکھیں گے اور رب العزت پر یقین دلاتے کہ زندگی اور موت کا اختیار تو اس کے ہاتھ میں ہے کہا۔ اس ولولہ انگیز تقریر سے فوج میں جوش بھر گیا اور فوج نے دل جمعی سے یہ جنگ لڑی اور 1527 میں بابر نے برصغیر میں ایک عظیم الشان سلطنت کی بنیاد رکھی۔

حکیم محمد اجمل خان

حکیم محمد اجمل کا خطاب مسیح الملک تھا ان جیسا

حکیم ان کے بعد آج تک پیدا نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ حکیم محمد اجمل شریف منزل کی ڈیوڑھی میں آئے کسی تقریب میں جانے کے لیے، دیکھا کہ جس بارات میں وہ شرکت کرنے والے تھے وہ ان کی ڈیوڑھی کے سامنے سے گزر رہی ہے۔ وہیں ٹھٹک گئے اور دولہا کا گھوڑا جب سامنے سے گزرا تو دولہا کے ماتھے پر گیلا سیندور کا تلک دیکھ کر تیوری پہ بل پڑ گئے اور کہا۔

"یہ دولہا نہیں دولہا کا جنازہ جا رہا ہے۔"

شریف منزل سے وہ پہیے ڈولی پر گلی تھی جس پر بارات کو اترنا تھا اس گلی کے نکڑ پر پہنچتے پہنچتے وہ دولہا جس کے بارے میں دو منٹ پہلے حکیم صاحب نے کہا تھا کہ یہ دولہا کا جنازہ جا رہا ہے۔ دھڑ سے گھوڑے پر سے گر پڑا اور ڈھیر ہو گیا۔ مصاحبوں نے حکیم صاحب سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیسے اندازہ کر لیا کہ گھوڑے پر دولہا نہیں بلکہ دولہا کا جنازہ جا رہا ہے؟ تو حکیم صاحب بولے "اس کے ماتھے پر گیلا سیندور دیکھ کر۔ اگر اس کے جسم میں خون ہوتا تو یہ تلک خشک ہوتا، خون اس کا خشک ہو چکا تھا اس لیے ماتھے کا تلک تر تھا۔" حکیم صاحب نے کہا اسے کہتے ہیں شادی مرگ۔

حکیم اجمل خان کے عزیز کا ایک حیرت انگیز واقعہ ملاحظہ کیجیے۔ بھورے میاں جمعرات کو رات اور جمعہ کا دن دلی سے چالیس کوس دور میرٹھ جا کر اپنے ایک جگری دوست کے ساتھ گزارتے تھے۔ شکار کھیلتے اور گھڑسواری کرتے تھے۔ ایک جمعرات جو یہ حضرت شکار کی نیت سے وہاں پہنچے تو معلوم ہوا دلی سے کوئی سرجن آیا ہوا ہے اور مزید مقامی اور باہر کے کئی ڈاکٹر اور سرجن ہیں اور ان کے دوست کی پوری ٹانگ کٹنے والی ہے کیونکہ اس میں پیپ پڑنے والی ہے۔ آٹھ دن پہلے بال توڑ ہو گیا تھا جس کا یہ فتور ہے۔

حکیم صاحب نے کہا کہ ابھی صبح کے دس بجے ہیں اور شام کو پانچ بجے ہم ان کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ کر شکار کھیلنے جائیں گے اگر ٹانگ کٹ گئی تو یہ گھوڑے کی سواری کیسے کریں گے؟ چنانچہ ان دوست کے صاحبزادگان کو بلایا اور کہا کہ میاں ذرا ان سول سرجن کو تو بلوانا اور اس انگریز کے بچے سے پوچھنا کہ ٹانگ کہاں سے کاٹی جائے گی اور کیسے کاٹی جائے گی۔ انگریز سول سرجن نے انگلی کے اشارے سے بتایا کہ اس طرح ٹانگ کٹے گی۔ گنڈیری کی طرح۔ حکیم نے سول سرجن سے کہا۔ اچھا اب آپ جائیے اور شام کو آ کر آپریشن کیجیے۔ پھر جیب سے ایک ڈبیہ نکالی اور اس میں سے کچھ سفوف نکال کر جہاں سے ٹانگ کٹنی تھی اس جگہ پر چھڑکا اور ایک کپڑے کی پٹی اس پر لپیٹ کر کہا۔ اس پٹی پر برف کی ٹکور کرو اور جب دو من برف کی ٹکور کر لو تو ہمیں آ کر بتاؤ اب ہم آرام کرتے ہیں۔

ان دوست کے صاحبزادگان نے دن کے گیارہ بجے سے شام کے چار بجے تک جب دو من برف کی سل کی ٹکور کر لی تو حکیم صاحب کو اطلاع دی وہ آئے اور کہا اب پٹی ہٹا دو۔ پٹی ہٹائی تو دیکھا جس جگہ سفوف چھڑکا تھا وہاں سبز خربوزے کی پھانک سی کھل گئی ہے۔ پھر کہا دیسی جراح کو بلاؤ اسے دبا کر سارا مواد کسی تسلے میں نکالے۔ کا رنگ کا مواد اس خربوزے کی پھانک میں جمع ہو تھا۔ جراح نے بھینچ کر نکالا تو بیروں کی سی سبز کا رنگ کی گٹھلیوں سے بھر گیا اور سارا فاسد مادہ جو اس سفوف سے کھینچ کر ایک جگہ جمع کیا گیا تھا اب نکل گیا تو بڑے میاں نے آنکھیں کھول دیں اور حکیم صاحب نے جراح سے کہا اب کوئی زخم کو مندمل کرنے کا مرہم اس جگہ لگا دو اور پٹی کر دو۔ ایسی پٹی کہ یہ گھوڑے کی سواری فوری طور پر کر سکیں اور پٹی اپنی جگہ سے نہ سرکے، اب یہ تمہارا ہنر ہے۔ اپنا ہنر ہم دکھا چکے۔ شام کو اس انگریز زادے سول سرجن اور باقی سب ڈاکٹروں کو بھی کہا اور پوچھا کہ کیا ٹانگ اب بھی کٹے گی؟

(اور پھر بیاں اپنا از اخلاق احمد دہلوی)

بقیہ خط آپ کے

عقلی بے وقوفی کی حد سے بڑھ جانے کا پڑھ کر دل کو تکلیف ہوئی۔

آپ نے قلم پکڑ کے خط لکھنے کا حوصلہ بڑھایا اور جس جس بہن نے میری غیر حاضری کو محسوس کیا ان کا شکریہ۔

پیاری ریحانہ! آپ کے دل کی کیفیت کو ہم سمجھ سکتے ہیں موت ایک بہت سفاک حقیقت ہے اور خونی رشتوں کی محبت تو ہماری رگوں میں دوڑتی ہے۔

آپ نے بہت اچھا خط لکھا۔ خط پڑھ کر مزہ آیا اور خاص طور پر کھیتوں کی صبح کا منظر آپ کا خط پڑھ کر بے اختیار دل چاہا کہ ایک بار اپنی آنکھوں سے یہ مناظر دیکھیں۔ رات ساڑھے تین بجے آپ اٹھ جاتی ہیں تو یہ بتائیں سوتی کس وقت ہیں؟

انیسہ کائش نے کوٹ رادھا کشن قصور سے لکھا ہے

"جب تجھ سے ناتا جوڑا" کا احوال پڑھ کر بے حد دکھ ہوا۔ قسط وار ناول کی یاد آئی تو "ماء الملوک" پر پہنچے۔ قسط بس ٹھیک ہی تھی۔ آخری قسط آئندہ ماہ پڑھ کر شکر کا سانس بھرا۔

"دھوپ دریچہ" اچھا جا رہا ہے۔ سب سے زیادہ فکر ضامن کی رہتی ہے۔ (مسکراہٹ) افسانوں میں "ادھوری دعا" سبق آموز تھا۔ ماریہ غزال کا افسانہ "ابھی کچھ دن لگیں گے" پڑھ کر ماہ رخ کے لیے افسوس ہوتا رہا۔ "آخر وہ بھی" میں ساس کا دوغلا روپ پڑھنے کو ملا۔ "کامیاب عورت" میں حقیقت کو دکھایا گیا۔ سب سے خوب صورت افسانہ "لازوال" قانتہ رابعہ کا رہا جسے پڑھ کر آنکھیں نم ہو گئیں مگر الفاظ دل میں اترتے چلے گئے۔

آخر میں باری آئی "چاندی کے گھر" کی۔ شروع میں دلچسپ آخر میں جھٹکا لگا۔ علی کی کمینگی پہلے سے ہی واضح ہو رہی تھی۔ مگر ماہم نے یہ کیا کر دیا۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو مجھے آدھا شمارہ اداسی میں لپٹا نظر آیا کہ چار افسانوں اور ایک ناول کا اختتام تلخی سے بھرپور تھا۔ مزاح کی کمی محسوس ہوئی۔ مگر بقیہ دو افسانوں اور ایک مکمل ناول نے موڈ خوش گوار کر دیا۔ "اس ماہ کی مسکراہٹیں" واقعی مسکراہٹیں سمیٹے ہوئے تھیں۔

"خط آپ کے" کی محفل کچھ بے رونق لگی، ہمارا نام جو شامل نہیں تھا مگر ماہ رخ کے خط میں اپنا نام دیکھ کر آنکھوں میں ستارے جگمگا اٹھے۔ ہم جو بددل سے بیٹھے تھے، ویسے ہمیں یقین نہیں آ رہا ہے کہ پندرہ سال کی بچی نے اتنا اچھا خط لکھ لیا۔ ماشاءاللہ ماہ رخ۔

پیاری انیسہ! شعاع کی محفل میں شرکت کے لیے ممنون ہیں شمارہ آپ کو پسند آیا لیکن اداسی بھی محسوس ہوئی ہم آپ سے متفق ہیں۔ ہمیں بھی اداس اداس کہانیاں اچھی نہیں لگتیں۔ مجبوری یہ ہے کہ زیادہ تر ہمیں سنجیدہ کہانیاں ہی موصول ہوتی ہیں۔

جس طرح آپ نے خط لکھا ہے، اسی طرح آپ ہم کو اپنی تحریریں بھی ای میل کر سکتی ہیں۔

شہناز ملک نے خانیوال سے لکھا ہے

شعاع اور میرا ساتھ پچیس چھبیس سال پرانا ہے۔ وقت بدل گیا۔ دنیا بدل گئی لیکن شعاع کا معیار آج بھی برقرار ہے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ہمارے گھر میں پی ٹی سی ایل فون تک نہیں ہوتا تھا لیکن ہمارے پیارے ابو جان ہمیں شعاع لا کر دیتے تھے۔

خانیوال سے تیس کلومیٹر دور اپنے ڈیرے پر رہتے ہوئے ہم نے شعاع کے توسط سے پوری دنیا دیکھی ہے اور لوگوں کو ڈیل کرنا بھی سیکھا ہے۔

بہت پہلے ہم بہنوں کے خط شعاع میں شائع ہوتے تھے اور ہمارے ابو پوسٹ کرتے تھے، ابو کو ہم سے بچھڑے سترہ سال بیت گئے لیکن آج بھی ان کو مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھ اور دل دونوں کانپ جاتے ہیں۔

2003ء میں شادی ہوگئی اس وقت میرے لکھے ہوئے افسانوں اور ناولوں سے بھرا ہوا بیگ امی کے گھر میں پڑا تھا۔ شعاع اپنی مثال آپ ہے۔ نعیمہ ناز کا ناول سب پر بازی لے گیا۔

پیاری شہناز! بہت اچھی بات ہے کہ آپ نے دوبارہ قلم سے ناتا جوڑ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اگر کوئی صلاحیت دی ہے تو اس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔

حرا سحر پنڈ دادخان ضلع جہلم سے شریک محفل ہیں، لکھتی ہیں

پنک کلر کے لباس میں ملبوس ماڈل بہت اچھی لگ رہی تھی۔ جیسے ہی شعاع ہاتھ میں آیا تو سب سے پہلے میں نے

باتوں سے خوشبو آئے کو پڑھا، تاریخ کے جھروکے، مسکراہٹیں، موسم کے پکوان سب اچھا تھا۔ دستک میں نازش جہانگیر اور فاطمہ آفندی کا انٹرویو بھی اچھا تھا پر مختصر تھا۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے۔ میں ماہ نور پر جو گزری ہے پڑھ کر دکھ ہوا اللہ پاک سب بہنوں کے نصیب اچھے کرے۔ (آمین)

تو جی اب آتے ہیں دھوپ دریچہ مریم عزیز جی ناول میں کچھ مزہ نہیں آرہا۔ مطلب کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا۔ (تھوڑے ہنسی مذاق والے سین بھی لکھیے)

افسانہ ادھوری دعا تو دل کو لگا بہت پسند آیا میں اس بات پر دل سے یقین رکھتی ہوں کہ دعا یہ کرنا چاہیے کہ جو اللہ تعالیٰ آپ کو میرے حق میں بہتر لگے وہ عطا کرنا تو وہ پاک ذات ہماری سوچ سے بھی زیادہ نوازتی ہے ہم بہتر کی خواہش کرتے ہیں وہ ہمیں بہترین عطا کرتا ہے۔

باقی بھی افسانے اچھے تھے ایک ہم بھی زبردست تھا۔

پیاری حرا! شعاع کی محفل میں خوش آمدید شعاع آپ کو پسند آیا۔ بہت شکریہ مریم عزیز تک آپ کی شکایت پہنچا رہے ہیں۔

تسنیم کوثر کراچی سے رونق افروز ہیں لکھا ہے

رضیہ جمیل صاحبہ اس بار شعاع ہمیں فرسٹ مئی کو ملا مگر افسوس! بہنوں کی خوب صورت محفل میں خود کو غائب پا کر دل دھک سے رہ گیا اور ابھی ہم اپنے دل کو بہلا ہی رہے تھے کہ رات بزدل دشمن انڈیا کے پاکستان پر میزائل حملے نے دل کو ہی پریشان کر دیا اللہ رحم اور خیر کرے ہمارے ملک کو اللہ اپنے حفظ وامان میں رکھے۔

خط آپ کے میں سب کے خط بے حد اچھے تھے ہمیں یاد رکھنے والی قارئین بہنوں کا بہت شکریہ جزاک اللہ اور سب سے ننھی منی پیاری بچی ماہ رخ سواتی کا خط تو بہت پیارا لگا خوش رہو بچے۔

ناولز میں مریم عزیز کا دھوپ اور دریچے اچھا لگ رہا ہے مگر زیادہ کرداروں کی وجہ سے تھوڑی سی گڑبڑ ہو جاتی ہے لیکن پھر بھی بہترین ناول ہے اور نگہت سیما کا ماہ الملوک بھی آنکھوں کو خیرہ کر رہا ہے لگتا ہے اب اینڈ کی طرف رواں دواں ہے۔ اور جناب ایمن علی کے چاندی کے گھر کی کیا بات ہے ان کی عمدہ اسٹوری اچھی بھی لگی اور دکھی بھی اور امت العزیز شہزاد کی بس تھوڑی سی بے وفائی بے حد شاندار اور لاجواب لگی امت العزیز کو مبارک باد اور دعائیں۔

افسانوں میں صائمہ نور کا افسانہ آخر وہ بھی بہت اچھا لگا ساسوں کی اقسام میں سے یہ بھی ایک قسم ہوتی ہے بالکل میٹھی چھری اور قانتہ رابعہ کا لازوال افسانہ بالکل لازوال لگا۔ یقین کریں میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں پا سکی یا اللہ ہم سب مسلمانوں پر رحم کرے۔

اس کے علاوہ شازیہ الطاف کی کامیاب عورت زبردست تحریر لگی۔ دل سے پسند آئی۔ جب تجھ سے رشتہ جوڑا کی سرگزشت پڑھ کر افسوس ہوا۔

پیاری تسنیم! ہمیں بہت افسوس ہے کہ پچھلے ماہ آپ کا خط شامل نہ ہو سکا۔ آپ کا خط ہمیں اس وقت ملا جب شعاع پریس جا چکا تھا۔ خوب صورت اور جامع تبصرے کے ساتھ آپ کا خط شامل ہے۔ بہت شکریہ۔

عارفہ فضل شاہ، گاؤں حمید سے لکھتی ہیں

خطوط پہ نظر دوڑائی تو اپنا نام نظر نہ آیا۔ خطوط پڑھے تو اچانک ہی کچھ الفاظ جانے پہچانے لگے۔ ارے واہ...... میرا خط شائع ہو گیا مگر "بے نام...... نامعلوم شہر" کے عنوان سے کیونکہ مابدولت نام لکھنا بھول گئی تھیں۔

ارے بھئی۔ کیا کروں گھریلو، کالج کی ذمے داریاں...... ننھی جان سو میرے کام خیر...... اب عشا کے بعد خط لکھنے بیٹھی تو سب سے پہلے نام لکھا کیونکہ "بے نام" کہلوانا نہیں چاہتی۔

"حمد" اور "نعت رسول مقبول" سے دل کو منور کیا تو "پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں" نے دل کو معطر کیا۔

"جب تجھ سے ناتا جوڑا" ماہ نور کا فیصلہ کمال کا تھا۔ بے جا ظلم اور زیادتی برداشت کر کے گھر بسانے سے بہتر ہے بروقت فیصلہ کر لیا جائے۔

"ادھوری دعا" اچھی کاوش تھی۔

"ابھی کچھ دن لگیں گے۔" ہائے عورت کے دکھ...... ازل سے ابد تک چلنے والے۔

"بس تھوڑی سی بے وفائی" روایتی سی کہانی تھی مگر الفاظ کا چناؤ زبردست۔

"آخر وہ بھی" صائمہ نور کی تحریریں بہترین ہوتی ہیں۔ لیکن یہ بس سوسو تھی۔ مثبت پہلو دکھایا جاتا تو اچھا تھا مگر خیر...... حقیقت تو یہ بھی ہے۔ "کامیاب عورت" بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی۔ "ماہ الملوک" حرف حرف کمال، سطر سطر بے مثال شروع سے آخر تک بہترین تحریر رہی۔ خاتمے کی طرف رواں دواں۔

"لازوال" فاتحہ رابعہ "نام ہی کافی ہے۔" "فلسطین کا دکھ بہت رلاتا ہے۔" "ایک ہم" ماؤں کے نام...... اہم پیغام۔ باقی سلسلے ہمیشہ کی طرح پسند آئے۔

پیاری عارفہ! جامع اور مفصل تبصرے کے لیے شکریہ۔ آپ کی تحریریں قابل غور کی فہرست میں ہیں، پرتھوی راج کی سندری" ابھی پڑھی نہیں گئی۔

انمول دعا عقیل کوٹ ادو سے تشریف لائی ہیں۔ لکھا ہے

مئی کا شمارہ گرمی میں جام شیریں کی طرح ٹھنڈا لگا۔ تین چارمنٹ تو ماڈل کو دیکھتی رہی۔ اوراس کی معصوم سی شکل اف اللہ اس کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ سب سے پہلے فہرست دیکھی۔ میرا افسانہ (مقدر) تو تھا ہی نہیں۔ اور نہ ہی آپ نے بتایا کہ افسانہ قابل اشاعت ہے یا نہیں۔

اپنا خط دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ سب کو بھاگ بھاگ کر اپنا خط دکھایا۔ سب گھر والے کہتے تھے کہ ایسے فضول لکھ کر ٹائم ضائع کرتی ہو تمہارا خط شائع نہیں کریں گے وہ تو اپنی پرانی قارئین کا خط شائع کرتے ہیں۔ تسنیم کوثر کا خط ہر ماہ شائع ہوتا ہے لیکن میں نے کہا کہ دل سے لکھ رہی ہوں تو شائع ضرور ہوگا۔ گیارہ روپے کی ٹافیاں مانی تھیں اور دو نوافل بھی ادا کیے۔

ویسے تسنیم کوثر باجی کی عمر کتنی ہے۔ اب تبصرہ حاضر ہے تو سنیے!

سروے پڑھا رضوانہ وقاص ہری پور کا سروے پڑھ کر مزہ ہی آ گیا۔ صائمہ گل اور زرینہ خانم کا سروے بھی اچھا لگا ویسے زرینہ کا علاقہ مظفر گڑھ ہمارے علاقے سے تقریباً پندرہ بیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ دستک میں شاہین رشید کے ساتھ نازش جہانگیر اور فاطمہ آفندی سے ملاقات اچھی رہی۔ شاہین جی سے سوال ہے کہ آپ ایکٹرز کو اپنے ادارے میں بلاتی ہیں یا خود ان سے ملنے جاتی ہیں؟ اس کا جواب لازمی دینا "کابلی پلاؤ" کے رائٹر ظفر معراج سے ملاقات بہت تھی۔ "ناتا جوڑا" پڑھ کر افسوس ہوا۔ امت العزیز شہزاد کا ناول پہلے بھی پڑھا ہوا لگتا ہے۔ "چاندی کے گھر کی دوسری قسط کا انتظار ہے لگتا ہے ایمن علی نئی رائٹر ہیں اس بار افسانوں نے خاص متاثر نہیں کیا۔ "ادھوری دعا" لبنیٰ آصف کا افسانہ کچھ ٹھیک تھا۔ شازیہ رباب کی غزل تو میں نے اتنی دفعہ پڑھی کہ مجھے یاد ہوگئی۔ رضوانہ وقاص کا مزے دار خط پڑھا۔ ویسے میں نے بھی انہیں فون کیا تھا۔ میرے پاس اب بھی ان کا نمبر ہے۔ "باتوں سے خوشبو آئے" زبردست سلسلہ ہے۔

"کھلتا کسی پہ" واصفہ سہیل مجھے یہ بتائیں کہ میں آپ کو اچھی نہیں لگی یا میرے شعر اچھے نہیں تھے۔ دھمکی والی مسکراہٹ نے تو ہونٹوں پر مسکراہٹ ہی لادی۔ آخر میں ایک بات پوچھنی تھی کہ میں آپ کے ادارے کے نمبر 32721777,32726617 پر جب ہم سیل فون یا بٹنوں والے موبائل سے نمبر ڈائل کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں آپ کا نمبر نامکمل ہے۔ کیوں کہ ہمارے پاس تو ٹیلی فون نہیں ہے۔

پیاری انمول! وہ قارئین جو ہر ماہ ہمیں باقاعدگی سے خط لکھتی ہیں۔ ہم انہیں عزیز رکھتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم نئی قارئین کو اہمیت نہیں دیتے یا ان کے خط شائع نہیں کرتے۔ نئی قارئین بھی ہمیں بہت عزیز ہیں۔ شعاع کی یہ محفل نئی اور پرانی قارئین سے سج کر ہی مکمل ہوتی ہے آپ نے ہمیں خط لکھا، بہت خوشی ہوئی۔

افسانہ کے لیے ابھی مزید محنت کی ضرورت ہے۔ آپ میں صلاحیت ہے، لکھ سکتی ہیں، نعت ہی نہیں آپ شعاع کے دیگر سلسلوں کے لیے بھی لکھ سکتی ہیں پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ شعاع کے ساتھ ساتھ میں آپ کا سلسلہ شامل ہو جائے گا۔ یہ سلسلہ بند نہیں کیا گیا ہے۔ ادارے کے نمبر ملانے سے پہلے آپ کراچی کا کوڈ 021 ڈائل کریں نمبر اس طرح ہے۔ 02132726617 ,02132721777۔

☆☆

گوشت کے پکوان

واصفہ سہیل

اسپیشل مسالے دار کلیجی

ضروری اشیاء:

بکرے کی کلیجی	ایک عدد
تیل	آدھا کپ
لہسن ادرک	تین چائے کے چمچے
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
ہلدی	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ہری مرچیں	چار عدد
لیموں، ٹماٹر	گارنشنگ کے لیے
گرم مسالہ	ایک چوتھائی چمچہ

ترکیب:
کلیجی کو اچھی طرح دھولیں۔ پتیلی میں تیل ڈال کر تھوڑا گرم کریں۔ اس کے بعد اس میں پسا ہوا لہسن، ادرک، لال مرچ، ہلدی اور نمک ڈال دیں۔ پانی کا چھینٹا دے کر اچھی طرح بھون لیں۔ اب کلیجی ڈال کر (بغیر پانی ڈالے) بیس منٹ تک پکائیں۔ کلیجی گل جائے تو اچھی طرح بھون کر پسا ہوا گرم مسالہ اور ہری مرچ لمبائی میں کاٹ کر ڈال دیں۔ سرونگ ڈش میں نکالیں لیموں اور ٹماٹر سے گارنش کر کے پیش کریں۔

پشاوری دم کباب

ضروری اشیاء

قیمہ	آدھا کلو
ہری پیاز	ایک پاؤ
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
ہری مرچ	دس عدد
لال مرچ	ایک چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
دھنیا	تین چائے کے چمچے
تیل	دو کھانے کے چمچے

ترکیب:
سب سے پہلے ہری پیاز کو دھو کر پتے الگ کر لیں اور پیاز الگ کر دیں۔ ہری پیاز کے پتے چھوٹے چھوٹے کاٹ لیں۔ ہری پیاز، ہرا دھنیا، ہری مرچ، دھنیا، لال مرچ اور نمک اچھی طرح کوٹ لیں۔ گرائنڈر میں نہیں پیسنا ہے کیونکہ جو رزلٹ آنا چاہیے وہ نہیں آئے گا۔ چوپر میں موٹا موٹا کوٹ سکتے ہیں۔ جب اچھی طرح کٹ جائے تو قیمہ بھی ڈال کر کوٹ لیں تاکہ یکجان ہو جائے۔ اس کے بعد کسی برتن میں نکال کر سیخ کباب کی طرح لمبے لمبے شیپ دے کر کباب بنالیں۔ فرائی پین یا کڑاہی میں اتنا تیل ڈالیں کہ کباب ڈوبیں نہیں۔ کبابوں کو تل لیں۔ ایک کھلے منہ کی پتیلی لے کر تلے ہوئے کباب رکھتی جائیں۔ تھوڑی دیر کے لیے دم پر رکھ دیں۔ پشاوری کباب تیار ہیں پلیٹ میں نکال کر رائتے، نان یا روٹی کے ساتھ سرو کریں۔ یہ کباب بالکل سیخ کباب کی طرح بنیں گے اور کھانے میں بہت مزیدار ہوں گے۔

نوٹ: پتیلی کو دم ہلکی آنچ پر دینا ہے۔

چاکلیٹ ٹرائفل

ضروری اشیاء:

دودھ	ایک لیٹر
چینی	چوتھائی کپ
فروٹ کاک ٹیل	آدھا ٹن
ونیلا کسٹرڈ پاؤڈر	چار کھانے کے چمچے
کوکنگ چاکلیٹ	حسب ضرورت
جیلی ہری اور لال	ایک ایک ساشے

ترکیب:
پتیلی میں دودھ ڈال کر گرم کریں آدھا کپ ٹھنڈے دودھ میں کسٹرڈ پاؤڈر ڈال کر اچھی طرح

سے مکس کر لیں۔ دودھ کو ابال آ جائے تو اس میں چینی اور کسٹرڈ پاؤڈر ملا کر شامل کریں چمچہ چلاتی رہیں۔ کسٹرڈ گاڑھا ہو جائے تو اتار کر ٹھنڈا ہونے کے لیے رکھیں۔

جیلی بنا کر دو الگ الگ پیالوں میں سیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں کوکنگ چاکلیٹ کو چورا کر کے سرونگ ڈش میں سب سے پہلے کوکنگ چاکلیٹ کی تہہ لگائیں اس کے اوپر کسٹرڈ ڈال کر چمچہ کی مدد سے ہموار کر لیں فروٹ کاک ٹیل اور چاکلیٹ پاؤڈر سے گارنش کریں مزیدار چاکلیٹ ٹرائفل تیار ہے ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

نیو اسٹائل ہنٹر بیف

ضروری اشیاء:

گوشت	ایک کلو
سفید سرکہ	ایک کپ
ادرک لہسن	دو کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سرخ مرچ	حسب ذائقہ
ہلدی	ایک چائے کا چمچہ
اجوائن	ڈیڑھ چائے کا چمچہ

ترکیب:

یکساں موٹائی کے گوشت کے ایک کلو کے پیس کو اضافی چکنائی سے بالکل پاک کر لیں۔ دھو کر خشک کر کے کانٹے سے اچھی طرح گود لیں۔ اب ایک کپ سرکہ میں ادرک لہسن، نمک، سرخ مرچ ہلدی اور کٹی ہوئی اجوائن اچھی طرح مکس کریں۔ گودے ہوئے گوشت کو اس آمیزے میں میری نیٹ کر دیں۔ آمیزے کو ہاتھوں کے ساتھ خوب اچھی طرح ملیں کہ گوشت کے اندر تک پہنچ جائے۔ اس گوشت کو چوبیس گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ اس دوران دو تین بار گوشت کو آمیزے میں الٹ پلٹ کرتی رہیں۔ ایک بھاری ہموار پیندے کی بڑی دیگچی لیں۔ چوبیس گھنٹے کے بعد گوشت کو آمیزے سمیت دیگچی میں ڈال لیں اور دھیمی آنچ پر چولہے پر چڑھا دیں۔ گھی یا پانی کچھ بھی نہیں ڈالنا۔ دھیمی آنچ پر گوشت اپنا ہی پانی چھوڑے گا اور اسی میں گلنے لگے گا۔ بیس سے پچیس منٹ کے بعد ڈھکن ہٹا کر گوشت کی سائیڈ بدل دیں۔ گوشت گل جائے تو آنچ تیز کر کے پانی خشک کر لیں۔ اب اسے اسی طرح ٹھنڈا کر کے سلائس کی شکل میں کاٹ کر بھی پیش کیا جا سکتا ہے اور باریک ریشے کر کے مایونیز میں ملا کر سینڈوچ میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کیچپ، فنگر چپس اور چائے کے ساتھ سرو کریں۔

زعفرانی ران

ضروری اشیاء:

بکرے کی ران	ایک عدد
پیاز	ایک عدد
پسا ٹماٹر	آدھا کپ
زعفران	چند ریشے
ہلدی	چوتھائی چائے کا چمچہ
جائفل جاوتری	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
دھنیا	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن ادرک	ایک کھانے کا چمچہ
دہی	آدھا کپ
تیل	آدھا کپ

ترکیب:

ران کو کٹ لگا لیں۔ دیگچی میں پانی ڈال کر پکائیں ابال آ جائے تو اوپر چھلنی رکھ دیں ران کو چھلنی پر رکھ کر اسٹیم پر اتنی دیر تک پکائیں کہ ران گل جائے۔

پتیلی میں تیل گرم کر کے پیاز سنہری کر لیں۔

اس میں ٹماٹو پیوری، زعفران، (زعفران نہ ہو تو زردے کا رنگ ایک چٹکی ڈال لیں) ہلدی، جائفل جاوتری، نمک، دھنیا، لہسن ادرک اور دہی ڈال کر پانچ منٹ پکائیں اس کے بعد اس میں ران رکھ کر چمچے سے مسالہ ران پر ڈالتے رہیں۔ دہی کا پانی خشک ہو جائے تو دیگچی کو چولہے سے اتار لیں۔ پکی ہوئی ران کو سرونگ ڈش میں نکال کر گارنش کریں۔ مزیدار

زعفرانی ران تیار ہے۔ گرم گرم سرو کریں۔

کراچی کی اسپیشل بریانی

ضروری اشیاء:

گوشت	آدھا کلو
چاول	آدھا کلو
پیاز	دو عدد
لہسن ادرک	دو کھانے کے چمچے
ٹماٹر	دو عدد
لیموں	دو عدد
پودینہ	آدھا گٹھی
ہری مرچ	چھ عدد
زردرنگ	حسب ضرورت
کیوڑہ	چند قطرے
آلو بخارہ	چھ عدد
نمک	حسب پسند
لال مرچ	دو کھانے کے چمچے
ہلدی	چوتھائی چمچہ
پسا ہوا دھنیا	آدھا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
ثابت گرم مسالہ	دو کھانے کے چمچے
دہی	ایک کپ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:

چاول اُبال کر رکھ لیں۔ ایک دیگچی میں تیل گرم کر کے باریک کٹی پیاز براؤن کر کے آدھی پیاز نکال لیں اور باقی میں گوشت پسا ہوا ادرک لہسن ڈال کر بھون لیں اور گوشت ڈال دیں۔ حسب ضرورت پانی ڈال کر گلنے کے لیے رکھ دیں۔ دہی میں آلو بخارے، نمک ثابت گرم مسالہ جس میں چھوٹی الائچی تیز پات، لونگ، دار چینی، سیاہ مرچ، بڑی الائچی اور بادیان کے پھول شامل ہیں، ہلدی دھنیا زیرہ مکس کر لیں۔ گوشت گل جائے تو دہی میں شامل تمام مسالہ جات گوشت میں ڈال کر بھون لیں۔ جب تیل اوپر آجائے ہری مرچ بھی شامل کر دیں۔

ایک بڑی دیگچی میں پہلے ابلے چاول کی تہہ لگائیں اس کے بعد گوشت کے مسالے کی تہہ لگائیں، پودینہ، آدھی بچی براؤن پیاز، ٹماٹر اور لیموں کے ٹکڑے حسب پسند ہری مرچیں ڈال کر چاول کی دوبارہ تہہ لگائیں آخر میں زرد رنگ کیوڑا میں گھول کر چھڑک دیں۔ پھر دم پر لگا دیں۔ مزے دار کراچی اسپیشل بریانی تیار ہے۔

نوٹ: چاول دو کنی چھوڑ کر ابالیں۔

سیخ گولا کباب

ضروری اشیاء:

قیمہ	آدھا کلو
پیاز	آدھا کپ
لیموں کا رس	ایک چائے کا چمچہ
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
باربی کیو گرم مسالہ	آدھا چائے کا چمچہ
پپیتا	ایک ٹکڑا
کٹی کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
الائچی	تین عدد
کارن فلور	دو کھانے کے چمچے
ہری مرچیں	تین عدد
ہرا دھنیا	آدھا کپ
کٹی لال مرچ	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب:

باریک قیمہ میں تمام مسالے لگا کر ایک گھنٹہ چھوڑ دیں۔ سیخوں پر چڑھا کر باربی کیو کریں۔ تیل لگاتے جائیں سیخوں پر سے اتار کر پراٹھے کے ساتھ پیش کریں۔

چاہیں تو توے پر ذرا سا تیل ڈال کر سیخ کباب کی شکل دے کر بھی تلے جا سکتے ہیں۔

پپیتا نہ ہو تو گوشت گلانے کا پاؤڈر آدھا چمچہ ڈال لیں۔

☆☆

ادارہ

خوبصورت جلد کے لیے

موسموں کی تبدیلی اور شدت ہماری صحت اور مزاج پر اثر انداز ہوتی ہے۔ خاص طور پر ہماری جلد نازک ہونے کے باعث موسم کے اثرات بہت جلد قبول کرتی ہے۔ لہٰذا موسم کو مدنظر رکھتے ہوئے جلد کی مناسب دیکھ بھال بے حد ضروری ہے۔

موسم گرما میں دھوپ اور گرم ہوائیں جلد کو سنولا دیتی ہیں۔ اس موسم میں سن بلاک کا استعمال لازمی ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ سن بلاک صرف گھر سے باہر نکلتے وقت ہی لگایا جائے۔ تاہم یہ درست نہیں۔ آپ گھر میں ہوں یا باہر، موسم کی حدت جلد پر اثر انداز ہوتی ہے۔ لہٰذا دن کے وقت روزانہ سن بلاک ضرور لگائیں۔ گھریلو خواتین خاص طور پر چولہے کے پاس جانے سے پہلے سن بلاک لازمی لگائیں۔

ذیل میں سن بلاک اور گھر میں آسانی سے تیار ہونے والے چند ماسک بتائے جا رہے ہیں، جن کا استعمال آپ کی جلد کو موسم گرما میں بھی شگفتہ اور تر و تازہ رکھے گا۔

☆ ایک چھوٹے ٹماٹر کا گودا نکال کے چہرے پر لگالیں۔ بیس منٹ بعد سادہ پانی سے دھولیں۔ یہ عمل روزانہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ اس سے دھوپ اور گرمی سے جھلسی ہوئی جلد نکھر جاتی ہے۔

☆ جو کا آٹا، دہی اور ٹماٹر کا گودا برابر مقدار میں لے کر پیسٹ بنالیں۔ اسے چہرے پر لگائیں اور پھر بیس منٹ بعد ٹھنڈے پانی سے دھولیں۔ یہ ماسک دھوپ سے سنولائی ہوئی جلد کی رنگت بحال کرتا ہے۔

☆ صندل پاؤڈر اور تھوڑے سے عرق گلاب کا ہلکا پیسٹ بنا کر چہرے، گردن اور جلد کے تمام کھلے حصوں پر لگائیں۔ یہ پیسٹ بہترین سن بلاک کا کام دے گا۔

☆ پودینے کی تازہ پتیاں پیس کر چہرے پر لگائیں۔ پندرہ منٹ بعد سادہ پانی سے دھولیں۔ جلد کی رنگت کھل اٹھے گی۔

☆ پودینے کی تازہ پتیاں چار گلاس پانی میں ابال لیں۔ ٹھنڈا کر کے ایک بڑی اسپرے بوتل میں بھر لیں۔ سارا دن تھوڑی تھوڑی دیر بعد چہرے پر اسپرے کرتی رہیں۔ جلد نکھری نکھری نظر آئے گی۔ چاہیں تو بوتل کو فریج میں رکھ لیں ورنہ کسی بھی ٹھنڈی جگہ رکھ سکتی ہیں۔

☆ کھیرے کا رس، لیموں کا رس، ایلوویرا کا گودا، کھانے کا ایک ایک چمچہ لے کر اس میں چائے کا ایک چمچہ شہد بھی شامل کر دیں۔ تمام چیزیں اچھی طرح ملا کر چہرے پر لگالیں۔ بیس منٹ بعد سادہ پانی سے دھولیں۔ جلد صاف شفاف اور ہموار نظر آئے گی۔

☆ تھوڑی سی ہلدی لیموں کے رس میں ملا کر چہرے پر لگائیں۔ بیس منٹ بعد ہلکے ہاتھوں سے رگڑ کر اتار لیں اور پھر چہرہ سادے پانی سے دھولیں۔ رنگت نکھر جائے گی۔

☆ پودینے کی پتیاں یا صندل پاؤڈر یا صنوبر یا تھائم کے پتوں میں سے کوئی ایک چیز اپنے غسل کے پانی میں ڈال لیں۔ اس پانی سے غسل آپ کو ایک فرحت بخش احساس عطا کرے گا۔

☆ تھوڑے سے دہی میں ہلدی ملا کر چہرے پر لگالیں۔ خشک ہو جائے تو ہاتھ گیلے کر کے نرمی سے رگڑتے ہوئے اتار لیں۔ پھر سادے پانی سے چہرہ دھولیں۔ یہ عمل جلد کو صاف شفاف کرتا ہے۔

☆☆